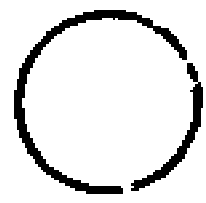
اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ (حدیث نبوی)

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ھُدیٰ کا
کہ مخلوق ساری ہے کُنبہ خدا کا

صُوفیاء اور حُسنِ اخلاق

تالیف

حافظ محمد سعد اللہ



مکتبہ انوارِ مدینہ
ٹاؤن شپ ○ لاہور

نام کتاب	صوفیاء اور حسن اخلاق
نام مؤلف	حافظ محمد سعد اللہ
ناشر	مکتبہ انوار مدینہ ٹاؤن شپ 'لاہور 86707
طابع	ہاتف آرٹ پریس '۱۷ وحدت روڈ لاہور
طبع اول	فروری ۱۹۹۷ء
تعداد طبع اول	گیارہ سو
کاپی پیسٹنگ	شان محمد 'مکہ کالونی 'لاہور
کمپوزنگ /	گرافک ڈیزان سسٹم
ٹائٹل ڈیزائن	۱۹۔ اے ایبٹ روڈ 'لاہور فون : 6312931
قیمت	۱۲۰/- روپے

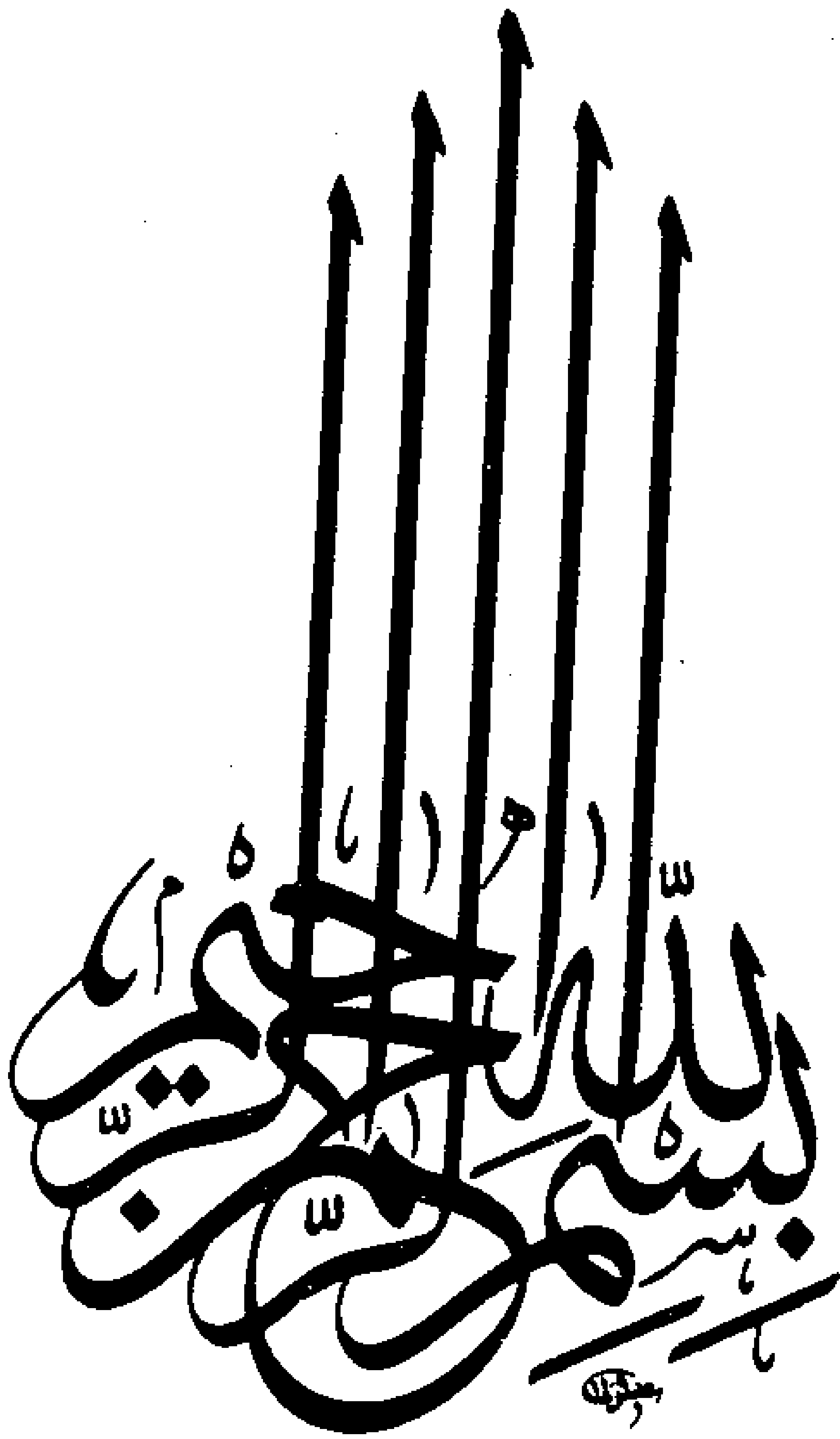
ملنے کے پتے

۱ جامع مسجد انوار مدینہ 'بلاک نمبر ۲ سیکٹر ۱۔ A 'ٹاؤن شپ 'لاہور
فون : 842157

۲ ضیاء القرآن پبلیکیشنز 'گنج بخش روڈ 'لاہور فون : 7221953

۳ مکتبہ قاسمیہ '۱۷۔ اردو بازار 'لاہور فون : 7232536

۴ ادارہ اسلامیات 'انارکلی 'لاہور فون : 7353255



ہفت کشور جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ

تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

فہرست مندرجات

فصل دوم: صوفیہ کے نزدیک دلجوئی کا مقام

فصل سوم : صوفیاء کے نزدیک خدمتِ خلق کی اہمیت

فصل چہارم: حُسنِ اَخلاق اور تسخیرِ قلوب

فصل پنجم: صوفیاء کے نزدیک کرامت کا درجہ

باب اول : حسن اخلاق / بدی کا بدلہ نیکی

باب دوم : شفقت و ترحم اور غمخواری

باب سوم: عفو و درگزر اور دشمن نوازی

باب چہارم : دِلجوئی و دِلداری

باب پنجم : ہمدردی و خیرخواہی

باب ششم: خدمت خلق و غریب پروری

باب ہفتم : عام فیاضی اور جود و سخا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ رحمۃ للعالمین وعلی آلہ الطیبین الطاہرین واصحابہ الباھرین الکاملین و اولیاء امتہ اجمعین اما بعد۔

زیر نظر کتاب میں نبی کریم صاحب خلق عظیم علیہ التحیۃ والتسلیم کے سچے عاشقوں اور پیروکاروں "صوفیاء کرام" کے خلق خدا کے ساتھ حسن اخلاق کے چند موتی "مشتے از خروارے" کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بالخصوص ان کے کچھ ایسے ایمان افروز واقعات بفضلہ تعالیٰ مستند ماخذ و مراجع سے اکٹھے کیے گئے ہیں جن سے ان کی انسان دوستی اور شفقت و ترحم علی الخلق کے عملی کارناموں پر روشنی پڑتی ہے اور جن سے ایک دنیا متاثر ہوئی ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ صوفیاء کے سوانح حیات، کمالات، مقامات، ریاضات و مجاہدات، کرامات اور تصوف کی دیگر فکری و نظری بحثیں اس کتاب کا موضوع نہیں۔ دوسرے یہ واقعات صرف انہی بزرگان دین اور اسلاف سے متعلق ہیں جن کا شمار بالعموم زہاد اور صوفیاء میں ہوتا ہے، اور جن کی زیادہ تر شہرت اور پہچان صوفیاء کے نام سے ہے، ورنہ تو ہمارے متقدمین اسلاف میں تمام تابعین، تبع تابعین، محدثین، مفسرین، ائمہ مجتہدین، فقہاء کرام سب کے سب پائے کے اہل اللہ اور روحانیت کے بلند ترین مقامات پر فائز تھے۔

پھر ان واقعات کو راقم نے مختلف عنوانوں سے چند ابواب کے تحت ہر باب کی مناسبت سے ترتیب دیا ہے تاکہ ایک عنوان اور ایک موضوع سے متعلق چیزیں یکجا ہو جائیں اور خلط مبحث نہ ہونے پائے۔ ان ابواب سے قبل راقم نے مختصر سا ایک مقدمہ ترتیب دیا ہے جس میں یہ عرض کیا گیا ہے کہ

(الف) صوفیاء کے نزدیک حسن اخلاق کی کیا اہمیت اور کیا مقام ہے اور حسن اخلاق کس چیز کا نام ہے؟

(ب) صوفیاء کے نزدیک دلجوئی و دستگیری کا کیا مقام ہے؟

(ج) صوفیاء کے نزدیک خدمت خلق کی کیا اہمیت ہے؟

(د) صوفیہ عظام نے کس طرح حسن اخلاق سے پتھردل لوگوں کو موم کیا ہے اور کس طرح بے لوث خدمت سے گناہوں کے رسیا لوگوں کے دلوں میں نیکی کا بیج بویا؟

(ھ) صوفیہ کے نزدیک کرامات اور خرق عادت واقعات کا درجہ کیا ہے؟

اس سعی سے مقصود یہ ہے کہ اس گئے گزرے، مفاد پرستی، دنیا طلبی اور اخلاق سوزی کے پرفتن دور میں صوفیاء کے خلق خدا کے ساتھ حسن اخلاق کے ان سچے واقعات سے شاید کسی بھائی کے دل میں شوق پیدا ہو جائے اور وہ صوفیاء کے ساتھ صرف زبانی کلامی نعروں کی حد تک اظہار محبت اور تعلق کی بجائے عملاً ان کے نقش قدم پر چلنے لگ جائے کیونکہ اسلاف کے واقعات اور قصوں میں قدرتی اور فطری طور پر ایک اثر، کشش اور کئی ایک سبق موجود ہوتے ہیں۔ غالباً اسی لیے اللہ کریم نے انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص حضرت یوسف علیہ السلام اور آپ کے بھائیوں کے قصے کے بارے میں فرمایا:

لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب۔ (سورہ یوسف: آخری آیت)

"بیشک ان (انبیاء) کے قصوں میں عقل والوں کے لیے بڑی عبرت ہے"۔

حکیم الامتہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے انفاس العارفین کے مقدمہ میں لکھا ہے:

"اہل بصیرت پر پوشیدہ نہیں کہ "حکایات المشائخ جنود من جنود اللہ" (مشائخ کی حکایات اللہ کے لشکروں میں سے لشکر ہیں) کے قول کے مطابق صوفیہ مشائخ کے اقوال و احوال جو کرامت و استقامت کو حاوی ہیں اور ظاہری و باطنی علوم کے جامع ہیں۔ مبتدیوں کو شوق و رغبت دلاتے ہیں، پختہ کاروں کے لیے دستور و میزان ہوتے ہیں۔ خصوصاً اولاد و اخلاف کے لیے آباؤ اجداد کے حالات سننے سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ بسا اوقات صاحب صلاحیت کی غیرت کی رگ حرکت میں آتی ہے اور اسے کسی مقام پر پہنچا دیتی ہے اور انصاف پسند شخص کو اپنی غلطی سے آگاہ کرتی اور توبہ کا دروازہ اس پر کھول دیتی ہے"۔ 1

حضرت جنید بغدادی سے صالحین کی حکایتوں کے متعلق دریافت کیا گیا کہ ان کا بیان کرنا اور سننا سنانا کیسا ہے تو آپ نے فرمایا، ان کی مثال خدا کے لشکروں کی سی ہے جس سے مریدوں کی حالت درست ہوتی ہے، عارفین کے اسرار زندہ رہتے ہیں، عاشقوں کے دلوں میں ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور مشتاقوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ اس کی دلیل کیا ہے تو دلیل کے طور پر آپ نے یہ آیت پڑھی:

1۔ ("انفاس العارفین" (مترجم) ص 17

وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فوادک۔

"اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے آپ کے اوپر سب کچھ بیان کریں گے جس سے ہم آپ کے دل کو قرار و تسکین بخشیں گے"۔ 2

علاوہ ازیں صوفیاء کے نزدیک صحبت بڑی قوی التاثیر اور سریع الاثر شئے ہے کہ ذرا سی دیر میں آدمی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ یہ صحبت ہی کا فیض تھا کہ عرب کا ہر بدو اور اجڈ جس نے ایمان کی حالت میں ایک مرتبہ آقائے دوجہاں علیہ التحیۃ والثناء کے رخ انور کو دیکھ لیا یا پردے کے پیچھے ہی سے آپ کی آواز مبارک سن لی' وہ پلک جھپکنے کی دیر میں کفر و شرک کے قعر مذلت سے نکل کر روحانیت طریقت اور معرفت الٰہی کے اس بلند و ارفع مقام پر پہنچ گیا کہ نہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ اپنی تمام تر عظمتوں کے باوجود اس کے مرتبہ کو پہنچ سکتے ہیں اور نہ جنید و شبلی جیسے عظیم صوفیاء اس کی گرد راہ کو چھو سکتے ہیں۔ صحبت ایسی اکسیر ہے جو روحانیت سے گزر کر مادیات تک میں اپنا اثر دکھلاتی ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک دن مشک اور عنبر جیسی دلآویز خوشبو رکھنے والی مٹی کو میں نے دیکھا تو میں نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی' اس مٹی نے بزبان حال جواب دیا۔

بگفتا من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہمنشیں درمن اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

صوفیاء کرام نے اس راز کو خوب سمجھا ہے کہ "خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے" اور مبتدیوں و طالبان حق کے لیے اللہ والوں اور مقربین بارگاہ الٰہی کی صحبت کو نہایت ضروری قرار دیا ہے اور مختلف پیرایوں میں اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ مولانا روم نے فرمایا ہے۔

ہر کہ خواہد ہمنشینی باخدا

2۔ (الف) ("دیباچہ نزھۃ المجالس" ص 1۔2 طبع کانپور)
(ب) ("دیباچہ رسالہ المسترشدین للمحاسبی" تحقیق عبدالفتاح ابوغدہ ص 3' طبع بیروت)

اونشیند در حضورِ اولیاء
یک زمانہ صحبتے بااولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
گر تو سنگ خارئی مرمر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

معروف شاعر اکبر الٰہ آبادی نے اس چیز کی ترجمانی یوں کی ہے!
نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اب ظاہر ہے اس مادہ پرستی' نفس پرستی اور زر طلبی کے دور میں دنیا کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر آدمی دنیوی اعتبار سے دوسرے سے سبقت لے جانے کا خواہاں ہے۔ ہر طرف "الھاکم التکاثر" کا سماں ہے۔ کچھ لوگ اپنی غربت ناداری کم مائیگی اور بال بچوں کے لیے روزی کے مسئلے میں پریشان ہیں۔ غرض ہر آدمی اس بات پر قادر نہیں کہ وہ اپنے شہر' گھربار' کاروبار' ملازمت اور دیگر مشاغل کو چھوڑ کر اور دور دراز کے سفر کر کے کسی اللہ والے کی صحبت اور مجلس میں رہے' نہ ہی پہلے والے بزرگان دین اور صوفیاء رہے ہیں۔ اس لئے بزرگان ملت نے ایسے لوگوں اور عوام کے لیے بطور "مکافات" صوفیاء کی حکایات' ملفوظات اور واقعات کے مطالعہ کو تجویز فرمایا ہے تاکہ صوفیاء کی ظاہری صحبت نہ سہی کم از کم معنوی صحبت ہی میسر آ جائے۔ اور "ھم القوم لایشقی جلیسھم" 1'وہ صوفیاء ایسی قوم ہے جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہتا"۔ کے مطابق اس کی شقاوت سعادت میں تبدیل ہو جائے۔

میری اس حقیقی کوشش سے اگر ایک آدمی میں بھی عمل کا داعیہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بزرگان دین کے ان واقعات کی برکت سے راہ راست پر آ جاتا ہے تو میں سمجھوں گا کہ میری یہ سعی رائیگاں نہیں گئی۔ نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتح خیبر حضرت

1۔ (الف) ("صحیح مسلم" (کتاب الذکر) ج 2' ص 344 طبع کراچی)
(ب): ("صحیح بخاری" (کتاب الدعوات' باب فضل ذکر اللہ تعالی) ج 2' ص 948 طبع کراچی)

حضرت علی المرتضیٰؓ سے غزوۂ خیبر کے موقعہ پر ارشاد دلشاد فرمایا تھا:

فواللہ لان یھدی بک رجلا واحدا خیرلک من حمرالنعم 1

ترجمہ: "قسم بخدا اگر تمہارے ذریعے اللہ کسی ایک آدم کو بھی ہدایت عطا فرما دے تو یہ چیز تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے"۔

دعا ہے کہ مولا کریم اس معمولی سی دینی خدمت کو اپنی بارگاہ کے مقبولین کے تصدق سے دنیا میں نیکی کی ہمت و توفیق اور آخرت میں بخشش و مغفرت کا ذریعہ بنائے کیونکہ ؎

احب الصالحین ولستُ منھم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

اور ؎

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

آخر میں، میں جناب صوفی سراج دین بھٹی صاحب اور عزیز محترم محمد شہزاد (ٹاؤن شپ) کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری خیال کرتا ہوں کہ اول الذکر نے حوالہ جات کے نقل کرنے اور آخرالذکر نے پروف پڑھنے میں بڑا تعاون کیا۔ اللہ کریم اس کار خیر میں تمام معاونین کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔ آمین

مااستطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

خاکپائے صوفیاء

سعد اللہ

حافظ محمد سعد اللہ

متوطن محمد شریف ضلع جھنگ

مدیر مسئول سہ ماہی منہاج دیال سنگھ لائبریری لاہور۔

1۔ (الف) ("ریاض الصالحین" (مقدمہ) ص 5 مطبوعہ کراچی)/ مشکوٰۃ ص ۵۶۳

(ب) ("سیرت نبویہ برحاشیہ سیرت حلبیہ" ج 2، ص 200 طبع مصر 1330ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضرورتِ تالیف

بندہ ناچیز کا تعلق جس آبائی علاقے سے ہے وہ علاقہ بفضلہٖ تعالیٰ بزرگان دین اور صوفیائے عظام کا انتہائی عقیدت مند ہے۔ پھر جس دینی ادارے میں تھوڑی بہت دینی و دنیوی تعلیم حاصل کرنے کا اللہ کریم نے موقعہ عنایت فرمایا' اس کی بنیاد کسی نام کے نہیں بلکہ واقعی ایک صوفی باصفا نے خلوص نیت اور للّٰہیت سے رکھی تھی۔ اس مرد درویش کی زندگی میں پورے ادارے' اس کے جملہ شعبہ جات' اس کے تمام کارکنان' اساتذہ کرام اور طلبہ پر بالعموم تصوف کی چھاپ رہی اور تصوف کا رنگ چھایا رہا۔[1] اس تعلیمی پس منظر عرض کرنے کا مدعا یہ ہے کہ بہت سے مواقع اور متعدد دینی و تبلیغی جلسوں' عرسوں اور وعظ و نصیحت کے پروگراموں میں بزرگان دین اور صوفیائے عظام کے زہد' تقویٰ' عبادات' ریاضتیں' مجاہدے' کرامات اور خرق عادت واقعات سننے کا اتفاق ہوا۔ مگر یہ چیز سننے اور جاننے میں بہت کم آئی کہ ان بزرگان دین کا اللہ کی مخلوق اور اللہ کے بندوں کے ساتھ بلا کسی تفریق و تخصیص کے کیا محبت بھرا اور شفقت بھرا رویہ تھا؟ ان کے سینہ بے کینہ میں بندگان خدا کا کتنا غم تھا؟ دردمندوں' ضعیفوں' کمزوروں' لاچاروں' دکھ کے ماروں' مصیبت زدوں' پریشان حالوں' دنیا کے ٹھکرائے ہوؤں اور بے سہارا و بے آسرا لوگوں کے لیے وہ کتنا درد رکھتے تھے؟ کسی کو رنج و الم اور دکھ و مصیبت میں دیکھ کر وہ خود کس قدر رنجیدہ ہو جاتے تھے؟ ان کے دربار گہربار میں پہنچ کر غم کے مارے کس طرح اپنا غم بھول جاتے تھے اور کس طرح ان کے زخمی دلوں پر پھاہیہ لگ جاتا تھا؟ ان کے پاس نہ دنیا تھی نہ دولت تھی' نہ سرمایہ تھا' نہ اقتدار تھا' نہ جاہ و جلال تھا' نہ نمود و نمائش تھی' نہ کوئی اور پرکشش وعدہ تھا مگر اس تہی دامنی کے باوجود ان کے پاس کونسی ایسی مقناطیسی طاقت تھی کہ گدا تو گدا بڑے بڑے شہنشاہ بھی ان کی چوکھٹوں پر پیشانی جھکانا اپنی سعادت تصور کرتے تھے؟ وہ کونسی کشش تھی جو لوگوں کو کشاں کشاں ان کی بارگاہ میں لے آتی تھی؟ بڑے بڑے

1۔ (اس ادارے اور اس کے بانی سے میری مراد ہے "جامعہ محمدی شریف" (تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ) اور اس کے عظیم المرتبت بانی پیکر خلوص مجاہد کبیر صوفی باصفا حضرت مولانا محمد ذاکر رحمتہ اللہ علیہ متوفی 1976ء)

ظالم اور گنہگار لوگ کیوں ان کے حلقہ بگوش ہو کر سچے اور پکے مسلمان بن جاتے تھے؟ لوگ کیوں آج بھی ان کے گرویدہ اور عقیدت مند ہیں' اور کیوں ان کے نام پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے لیے تیار ہیں۔

المختصر یہ وہ چند سوالات تھے جو اکثر ذہن میں آتے تھے۔ بعد میں اللہ کریم کے فضل و کرم اور اس کی توفیق و عنایت سے بندہ جب کچھ پڑھنے لکھنے کے قابل ہوا تو صوفیہ کے تذکروں اور سوانح پر مشتمل کتابوں کے مطالعے کا اتفاق ہوا۔ مگر یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ اکثر بڑے بڑے مؤلفین اور معروف و نامور تذکرہ نگاروں نے بھی مندرجہ بالا سوالات کے جواب کی طرف چنداں توجہ نہیں فرمائی۔ مثلاً ابونعیم اصفہانی کی "حلیتہ الاولیاء" عبدالرحمٰن سلمی کی "طبقات الصوفیہ" امام عبدالوہاب الشعرانی کی "الطبقات الکبری" ابن جوزی کی "صفتہ الصفوہ" سبکی کی "الطبقات الکبری" شیخ عطار کی "تذکرۃ الاولیاء" اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی "اخبار الاخیار" وغیرہ جو صوفیاء کے سوانح اور تذکروں پر مشتمل ہیں مگر ان میں زیادہ تر بزرگان دین کے زہد' عبادت' تقوی' ورع' علم' کثرت نوافل' کثرت تلاوت' دنیا سے بے رغبتی' فقر' سیاحت' توکل علی اللہ' دن رات ذکر' صیام الدہر' درس تدریس' سحر خیزی' بارگاہ الٰہی میں آہ و زاری' خشیت الٰہی' فکر آخرت' پاکیزگی باطن' حب جاہ سے نفرت' عدم شہرت طلبی' تعظیم شریعت' اتباع سنت' ریاضتیں' مجاہدے' نفس کشی' استغناء' بے نیازی' روحانی کمالات' مراتب طریقت و معرفت' کرامات' نمود و نمائش سے احتراز' اقوال' غنائے قلب' غنائے نفس' سیر چشمی' فراست و بیدار دلی' کشف و وجدان اور خرق عادت واقعات کو تو بیان کیا گیا ہے۔ مگر اس چیز کو بہت کم بیان کیا گیا ہے کہ ان نفوس قدسیہ اور آیات الٰہیہ کی سیرت کیا تھی؟ ان کا کردار کیا تھا؟ اللہ کے بندوں کے ساتھ ان کا برتاؤ کیسا تھا؟ لوگوں کے ساتھ وہ کس طرح پیش آتے تھے؟ معاملات میں ان کا رویہ کیا تھا؟ غرباء مساکین اور ضرورتمندوں کی خدمت اور فلاح و بہبود کے لیے کیا کچھ کرتے تھے؟ معروف مؤرخ اور سلسلہ کوثر کے مؤلف شیخ محمد اکرام نے صوفیاء کے تذکروں کے بارے میں لکھا ہے:

اولیاء و مشائخ کے جو تذکرے ہیں ...... بیسیوں بلکہ بسا اوقات سینکڑوں صفحات الٹ جائیے تب کام کی ایک سطر ملتی ہے۔ بقول شمس العلماء شبلی نعمانی چیونٹیوں کے منہ سے دانہ دانہ جمع کر کے خرمن تیار کرنا پڑتا ہے۔ قصہ نویسی اور خوش اعتقادی کی کہر تمام لٹریچر پر چھائی ہوئی ہے جس کے اندر نہ مختلف اولیاء کرام کے جداگانہ خدوخال نظر آتے ہیں

اور نہ ان کے عملی کارناموں سے صحیح واقفیت ہوتی ہے۔ 1

اسی چیز کا رونا عظیم مفکر اسلام، نامور محقق، معروف صاحب قلم او صاحب درد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے یوں رویا ہے:

"ہندوستان کے اولیائے کرام، داعیان اسلام اور مشائخ عظام کے تذکرہ میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں، ان میں بڑی بڑی ضخیم تصنیفات بھی ہیں۔ لیکن جب اس عصر کا کوئی مصنف ان کے ایسے حالات جمع کرنے کے لیے بیٹھتا ہے جن سے انکے اصلی کمالات ان کی دینی تبلیغی مساعی، ان کی تعلیم و تربیت کے نتائج، ان کے مزاج و مذاق پر روشنی پڑے اور اس زمانہ کے لوگوں کے لیے یہ حالات سبق آموز، شوق انگیز اور ہمت آفریں ہوں اور بحیثیت ایک جلیل القدر اور کامل انسان کے ان کے حالات منظرعام پر آئیں اور ان کی سوانح کا صحیح ڈھانچہ سامنے آئے تو اس کو سخت مایوسی اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات صدہا صفحات کی ایک کتاب سے بلکہ متعدد کتابوں کی مدد سے بھی ایک صفحہ کے بقدر بھی مواد حاصل نہیں ہوتا۔ عظیم ترین شخصیتوں کے تذکروں اور سوانح حیات میں اتنے بڑے بڑے خلا نظر آتے ہیں جن کو کسی قیاس اور عبارت آرائی سے بھرا نہیں جاسکتا۔ پوری پوری کتاب خوارق و کرامات محیرالعقول واقعات اور عجائبات سے بھری ہوتی ہے اور ضروری معلومات کاافسوسناک فقدان نظر آتا ہے"۔ 2

تھوڑا سا آگے چل کر موصوف یوں اظہار افسوس کرتے ہیں:

"مصنف کاسارا زور ان کے کشف و کرامت کے بیان کرنے پر صرف ہوتا ہے اور ان کو اس حد تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے ماوراء کوئی اور ہستی نظر آتے ہیں۔ وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، نہ سوتے ہیں نہ اور خصائص انسانی سے ان کو سروکار ہے، نہ علمی مشاغل سے ان کو کچھ واسطہ ہے۔ ان کا صرف یہ کام ہے کہ وہ قانون فطرت کو ہمیشہ توڑتے رہیں اور موالید ثلاثہ و عناصر اربعہ پر اپنی حکومت و خودمختاری کو کسی طرح قائم رکھیں"۔ 3

ہندوستان کے ایک اور معروف مورخ و محقق جو صوفیاء کی تاریخ اور مطالعے میں سند کا درجہ رکھتے ہیں، میری مراد تاریخ مشائخ چشت کے مصنف جناب خلیق احمد نظامی

1۔ (دیباچہ طبع ثانی "آب کوثر" مؤلفہ شیخ محمد اکرام، مطبوعہ فیروز سنز، لاہور، کراچی)

2۔ ("تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ سوم ص 13)

3۔ ("تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ سوم ص 16)

ہیں۔ انہوں نے صوفیاء کے تذکرہ نگاروں کا صوفیاء کی سیرت و کردار اور اصل کارناموں کی طرف دھیان اور اہمیت نہ دینے کا شکوہ یوں کیا ہے۔

"مذہبی تذکرہ نگاروں نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس طرح کہ ان بزرگوں کے اصلی خط و خال ہی چھپ گئے۔ اور ماحول کے صحیح پس منظر کے ساتھ نہ ان کو دیکھا جاسکا اور نہ انسانیت کی سطح پر ان کی عظمت و بلندی کا اندازہ لگایا جاسکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگوں کی سوانح حیات کرامات کی چند بے معنی داستانوں کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ان بزرگوں کے حالات بنی نوع انسان اور ملت کی ضروریات کے آئینہ میں دیکھے جائیں تاکہ ان کے صحیح خط و خال نمایاں ہو سکیں"۔ 4

ایک جگہ خلیق احمد نظامی نے صوفیاء کے **اصل کارنامے کی طرف** توجہ دلاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ان کی نفسیاتی بصیرت کا چشمہ ایمان و عمل کی قوت سے ابلتا تھا اور ان کی نگاہ میں ایسی تاثیر پیدا کر دیتا تھا کہ جس کی طرف دیکھ لیتے اس کی زندگی میں معصیت کے سوتے خشک ہو جاتے۔ افسوس کی بات ہے کہ ان بزرگوں کے حالات میں اب تک ہندوستان میں جو لٹریچر شائع ہوا ہے' اس میں ان کی زندگی کے اس پہلو کو نظرانداز کر کے کرامات اور خرق عادت کی داستانوں کو مرکزی حیثیت دے دی گئی ہے۔ حالانکہ ان مشائخ نے اظہار کرامات کی نہ صرف جگہ جگہ مذمت کی ہے بلکہ اس کو "حیض الرجال" سے تعبیر کیا ہے"۔ 5

صوفیاء کی کرامات برحق ہیں اور ان سے انکار الحاد اور گمراہی ہے۔ تاہم عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ صوفیاء کی زندگیاں صرف کرامات اور زہد و عبادت سے ہی عبارت نہ تھیں اور خود ان کے نزدیک جیسا کہ آگے چل کر عرض کیا جائے گا' کرامات کا ظہور تصوف و سلوک کے بلند درجات میں سے بہت نیچے کا درجہ ہے۔ صوفیاء کا سب سے بڑا کارنامہ اور عظیم کرامت مردہ دلوں کو زندہ کرنا ہے۔ فصل دل کو ہرا کرنا ہے' ان میں ایمان و یقین اور نیکی کا بیج بونا ہے۔ یہ وہ "پارس" تھے جن کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر پتھر دل لوگ سونا بن گئے۔ بہرکیف ان سطور سے ناچیز کا مدعا یہ ہے کہ صوفیاء کے ہاتھوں اور ان کے دم قدم سے اسلام اور نیکی کی جو اشاعت و ترویج ہوئی ہے وہ ان کی کرامات اور خرق عادت واقعات سے کہیں زیادہ ان کے حسن اخلاق احباب کی خبرگیری' مخلوق خدا کے

4۔ ("تاریخ مشائخ چشت" از خلیق احمد نظامی' ص 9' مطبوعہ دارالمولفین' اسلام آباد)

5۔ ("تاریخ مشائخ چشت" ص 236-237)

لیے ایثار، محبت عام، دشمن نوازی، بندگان خدا کے لیے ہمدردی، غمگساری، غمزادی، دلسوزی، خیرخواہی، دلجوئی و دلداری، راحت رسانی، جود و عطا، شفقت و ترحم، داد و دہش، عام فیاضی، بذل و کرم اور بے لوث خدمت خلق کی وجہ سے ہوئی اور شیراز کے عظیم صوفی شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اسی خدمت خلق کا نام طریقت ہے۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

صوفیاء کے پاس سب سے بڑا ہتھیار اور سب سے بڑی طاقت جس کے ذریعے وہ لوگوں کے دلوں کو فتح کرتے تھے، ان کو اپنا گرویدہ بناتے تھے اور بڑے بڑے فساق و فجار اور گناہوں میں ملوث لوگوں کو پاکباز انسان بنا دیتے تھے۔ یہی خدمت خلق، محبت و شفقت عام اور حسن اخلاق کی تلوار تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

فخرالمشائخ زبدۃ العارفین حضرت خواجہ غلام فخرالدین سیالوی
اطال اللہ بقاءہ
(خانقاہ سیال شریف، ضلع سرگودھا)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد۔ حدیث نبوی ہے
الراحمون یرحمہم الرحمن تبارک و تعالی ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

جملہ فنون شیخ نیر زد بنیم خس
راحت بدل رساں کہ ہمیں مشرب است وبس
جز ء محبت ہرچہ بردم سوددر محشر نداشت
دین و دانش عرض کرم کس نہ چیزے برنداشت

دعاجو غلام فخرالدین
سیالوی

(غلام فخرالدین سیالوی)
۱۷ شعبان ۱۴۱۷ھ
۲۸ دسمبر ۱۹۹۶ء

تقریظ

زبدۃ الصوفیاء حضرت سید انور حسین نفیس الحسینی مدظلہ (لاہور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سید الاولین و آلاخرین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان وقیع الفاظ میں خطاب فرمایا ہے وانک لعلی خلق عظیم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے

بعثت لا تمم حسن الاخلاق " میں حسن اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں "

صوفیائے کرام کا حسن اخلاق ' اخلاق نبوی سے مقتبس ہے ۔ تصوف اسلام کی بنیاد حسن اخلاق پر ہے ۔ صوفیائے کرام تواتر سے تصوف کو اخلاق ہی سے تعبیر کرتے چلے آرہے ہیں ۔ سلالۂ خاندان نبوی حضرت امام محمد باقر قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں" تصوف خوش اخلاقی کا نام ہے " (کشف المحجوب) قطب الا قطاب حضرت سید علی الجویری رحمتہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے " تصوف رسوم اور علوم کا نام نہیں ہے بلکہ اخلاق کا نام ہے " (کشف المحجوب)

حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے

" تصوف راہ صدق و اخلاق حسنہ کا نام ہے " (خیر المجالس)

تاریخ شاہد ہے کہ صوفیائے کرام نے اپنے حسن اخلاق سے اشاعت اسلام کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مجاہدین اسلام کی تلواروں اور صوفیائے کرام کے حسن اخلاق نے اسلام کی فتحمندی میں یکساں کردار ادا کیا ہے ۔ بحمد اللہ تعالیٰ تصوف اسلام کی بھینی بھینی خوشبو سے سارا عالم معطر و معنبر ہے

ہمارے مخلص دوست جناب حافظ محمد سعد اللہ صاحب لائق تحسین ہیں کہ انھوں نے " صوفیہ کے حسن اخلاق " پر ایک مستقل کتاب ترتیب دے دی ہے ۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزاء خیر سے نوازے ۔ بہت عمدہ کام سرانجام دیا ہے ۔ انھوں نے چمنستان صوفیہ سے پھول پھول چن کر یہ حسین گلدستہ تیار کیا ہے ۔ جو لوگ صوفیہ کے سلاسل طیبہ سے وابستہ ہیں انھیں بالخصوص اس کا مطالعہ کرنا چاہیے ۔ بلا شبہ حافظ صاحب نے زمانہ حال کے اہل تصوف کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا ہے ۔ اخلاق تصوف کی ایک قندیل روشن کردی ہے ۔ اب سالکوں کا کام ہے کہ وہ اسے ساتھ لے کر اپنے دور انحطاط کی ظلمتوں کو منور کردیں ۔ اللہ تعالیٰ مؤلف ممدوح کی اس محنت کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے

نفیس الحسینی
احقر

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ لاہور

تقریظ

حضرت العلامہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری دامت برکاتہم العالیہ
(بانی و مہتمم جامعہ رضویہ ٹرسٹ ماڈل ٹاؤن لاہور)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت محترم ومکرم جناب حافظ محمد سعد اللہ صاحب کی یہ کاوش دیکھ کر راقم کو بے حد مسرت ہوئی۔ راقم نے اسکے بعض مقامات دیکھے بلاشبہ یہ ایک عظیم الشان ذخیرہ ہے دل چاہتا تھا کہ ساری پڑھی جائے مگر عدیم الفرصتی مانع تھی حضرت حافظ صاحب نہایت ہی سلجھے ہوئے اہل علم ہیں انہوں نے جس محبت و لگن اور سعی مسلسل سے تصنیف فرمائی ہے وہ اس پر خراج تحسین کے حقدار ہیں

حضرت حافظ مولانا محمد سعد اللہ صاحب ایک عرصہ سے دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری سے وابستہ ہیں ریسرچ آفیسر کے طور پر حافظ صاحب (زید کرمہ) کی خدمات قابل قدر ہیں۔ لائبریریوں میں ریسرچ آفیسر کا منصب ایک علم و تحقیق کا منصب ہوتا ہے۔ یوں تو تحقیق کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں مگر ایسے ارباب تحقیق کی ضرورت ہے جو صحیح العقیدہ و باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ متواضع و منکسر المزاج اور حلم ومتانت کی لائق ستائش خوبیوں کے بھی مالک ہوں حافظ صاحب سے اس نیاز مند کا پرانا تعلق ہے بلا شبہ آپ میں یہ صفات بھی جمع ہیں۔

حافظ صاحب کی اس کتاب سے انکی ایک اور خوبی کا بھی پتہ چلتا ہے اور وہ ہے اللہ والوں سے عقیدت و محبت۔ اسی عقیدت و محبت میں سرشار ہو کر آپ نے اللہ والوں کے قابل تقلید اوصاف پر مبنی واقعات کو ایک حسین لڑی میں پرو دیا ہے اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ حضرت حافظ صاحب نے اس میں صرف ان بزرگوں کے واقعات رقم فرمائے ہیں جن کا شمار صوفیہ میں ہوتا ہے۔ نیز آپ نے

ہر واقعہ کو باقاعدہ حوالوں کے ساتھ درج کر کے ثابت کر دیا ہے کہ وہ ایک ایسے اہل قلم ہیں جو کوئی بات حوالہ کے بغیر کہنا اور لکھنا پسند نہیں کرتے آپ کی محنت انتہائی قابل ستائش ہے

یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے ہر شخص غور کے ساتھ بلکہ اپنے دل میں اللہ والوں کی عقیدت و محبت بسا کر پڑھے انشاء اللہ پڑھنے والا جس واقعہ کو پڑھے گا اسے ایسا محسوس ہوگا کہ وہ ان بزرگوں کی صحبت کے انوار سے مستفید ہو رہا ہے اس لحاظ سے یہ کتاب اس دور کی ایک انوکھی اور مثالی کتاب قرار پاتی ہے۔ لہٰذا میں اپنی طرف سے اور جملہ قارئین کرام کی طرف سے انکی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ حضرت حافظ صاحب کے علم و عمل میں برکتیں فرمائے اور انکی جملہ تصانیف کو عوام و خواص کیلئے مقبول و مفید بنائے۔ آمین

فقط

مفتی غلام سرور قادری مہتمم جامعہ ھذا

(مفتی غلام سرور قادری)

مہتمم جامعہ ہذا 1996 - 10 - 11

فصل اول:

مقدمہ

صوفیاء کے نزدیک حُسنِ اخلاق کی اہمیت

صوفیاء کے نزدیک حسن اخلاق کا کیا درجہ و مرتبہ ہے؟ حسن اخلاق کی ان کے نزدیک کتنی اہمیت ہے؟ اپنی تعلیمات' ہدایات' ملفوظات اور عمل سے اخلاق فاضلہ پیدا کرنے پر انہوں نے کتنا زور دیا ہے اور اپنے خلفاء و مریدین کی تعمیر شخصیت کے لیے اخلاق حسنہ اپنانے کو انہوں نے کتنا لازمی قرار دیا ہے؟ ہر کسی سے لطف و احسان اور خلق و مروت سے پیش آنا ان کے نزدیک کتنا ضروری ہے؟ زائرین کی دلجوئی اور پریشان حال و غم زدہ لوگوں کے دلوں کو خوش کرنا ان کے نزدیک اوراد و وظائف اور عبادات سے بھی کس طرح زیادہ اہمیت رکھتا ہے؟

حُسنِ اخلاق کا مفہوم

ان چیزوں کو عرض کرنے سے قبل یہ بتا دینا اور یہ مغالطہ دور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حسن اخلاق صرف صاف ستھرا لباس پہننے کا نام نہیں۔ اچھی سوسائٹی میں بیٹھنے کا نام نہیں' کوئی ملنے آئے تو اس کے احترام میں کھڑے ہونے کا نام نہیں' صرف خندہ پیشانی سے پیش آنے کا نام نہیں' صرف نرم و شیریں گفتگو کا نام نہیں۔ حسن اخلاق اس کا نام نہیں کہ

گر جاں طلبی حاضر است
گر زر طلبی سخن دریں است

بلکہ اخلاق حقوق العباد کو پورا کرنے اور خدمت خلق کا نام ہے۔ اخلاق سراپا ایثار اور قربانی کا نام ہے۔ اخلاق بندگان خدا کی ہمدردی و خیر خواہی کا نام ہے' مخلوق خدا کی نفع رسانی اور راحت رسانی کا نام ہے۔ خود ننگے' بھوکے رہنا اور دوسروں کو پہنانے اور کھلانے کا نام ہے۔ زخمی دلوں کی مرہم کا نام ہے' معاشرے میں کم مرتبہ لوگوں کی عزت افزائی اور حوصلہ افزائی کا نام ہے۔ غرباء و ضعفاء اور ہر ملنے والے کی دلجوئی کا نام ہے۔ کسی کی دل شکنی نہ کرنے کا نام ہے' حلم و برداشت اور سراپا درگزر کا نام ہے۔ صوفیاء نے انہی

چیزوں کو اپنی زندگیوں کا مشن اور مقصد وحید بتایا۔

اخلاق اور انسانیت کا باہمی تعلق

یہی اخلاق انسان کو انسان بناتے ہیں' خالی خولی آدمی کی شکل و صورت کا نام انسان نہیں۔ شکل و شباہت' چہرے کی بناوٹ اعضاء جوارح' ہاتھ پاؤں اور ناک نقشہ کے لحاظ سے تو سب لوگ ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں مگر سیرت و اخلاق کے اعتبار سے ایک دوسرے میں زمین آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔

گر بصورت آدمی انسان بودے
احمد و بوجہل ہم یکساں بودے

اگر صرف شکل و صورت سے کوئی آدمی انسان بن سکتا ہوتا تو احمد مجتبیٰ علیہ التحیتہ والثناء اور ابوجہل میں کوئی فرق نہ ہوتا۔

قرآن مجید نے ایسے لوگوں کو جو دل رکھتے ہیں' آنکھیں رکھتے ہیں' کان رکھتے ہیں مگر اللہ کی مطلوبہ سیرت و اخلاق سے عاری ہیں' ان کو چوپایوں سے بھی بد تر قرار دیا ہے۔

اولئک کالانعام بل ھم اضل (سورہ الاعراف:179)

"وہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ"۔

"حالات و مقالات صوفیہ" کے مرتب مولانا محمد ادریس الانصاری نے ایک فارسی شاعر کے حوالے سے کہا ہے۔

ز نور چشم سر چیزے نیاید
دلے را نور چشمی می باید
کہ عیسیٰ را و خر را چشم سر بود
مگر چشم دل عیسیٰ دگر بود

آنکھ کی بینائی سے انسان کی عزت نہیں بنتی۔ ہاں دل کی بینائی اسے عظمت کے تخت پر بٹھاتی اور اسے عزت کا تاج پہناتی ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بھی سر کی آنکھ رکھتے تھے اور ان کا خر (گدھا) بھی۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام کے دل کی آنکھ نے انہیں وہ مقام بخشا کہ کروڑوں انسانوں کے وہ نور نظر اور لخت جگر بن گئے۔ دراصل آدمی' اپنے اخلاق' علم و حلم' جود و سخا' عفو و درگزر' ایثار و محبت سے آدمیت کا مقام پاتا ہے اور آدمی کی یہی خوبیاں

اور ان جیسی دوسری صفات ہی آدمی کا ایسا جوہر ہے جس کے باعث نہ صرف اس کا ماحول پر بہار اور اس کی زندگی خوشگوار بن جاتی ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ؐ کے سکھائے ہوئے اخلاق پر عمل کر کے ہی انسانی معاشرہ ظلم و استبداد اور ہر طرح کے استحصال سے پاک ہو کر امن و سلامتی کا معاشرہ بن سکتا ہے۔

اور جو آدمی یہ صفات اور ایسے اخلاق اختیار نہیں کرتے' ان کا معاشرہ درندوں سے بدتر معاشرہ' ان کی دنیا دکھ درد کی دنیا اور ان کا ماحول بدقسمت ماحول ہو گا۔ امریکہ' یورپ' چین' جاپان' روس اور افریقہ کے لوگوں کی زندگی ہمارے سامنے ہے ۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام ہمیشہ آدمیوں کے سیرت سازی پر محنت کرتے رہے۔ اسی طرح وارثین انبیاء' اولیاء کرام بھی اپنی اور اپنے ماحول کی سیرت بنانے پر جان کھپانے کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کو تزکیہ نفوس' تحلیہ اخلاق اور طہارت قلوب کا درس دیتے رہے۔ 1

پیغمبروں کی بعثت کا مقصد

بنی نوع انسان کے اخلاق کی درستگی کے لیے جدوجہد وہ کام ہے جس کے لیے پیغمبر مبعوث کیے گئے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

بعثت لاتمم حسن الاخلاق او مکارم الاخلاق۔ 2

"میں حسن اخلاق یا (فرمایا) مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں"۔

قرآن مجید میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض نبوت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ (سورہ آل عمران ۳:۱۶۴)

1۔ ("حالات و مقالات صوفیہ" ترتیب و ترجمہ محمد ادریس الانصاری' مطبوعہ ادارہ تبلیغ اسلام' صادق آباد (پاکستان) ص 1 تا 3)

2۔ (الف) (علی متقی ہندی' "کنزالعمال" 5:2' مطبوعہ حیدر آباد' دکن)
(ب) (موطا امام مالک' باب حسن الخلق)

"آپ ان (جاہلوں) کے دلوں کو پاک صاف کرتے اور انہیں کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں"۔

قرآن مجید میں اور احادیث نبوی میں جگہ جگہ انسانی اخلاق کی درستگی کی ضرورت اور اہمیت کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ سورۃ البقرہ میں ہے:

ترجمہ: "نیکی یہی نہیں ہے کہ تم نماز میں اپنا منہ پورب یا پچھم کی طرف کرو بلکہ اصلی نیکی اس کی ہے جو خدا پر، قیامت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر، پیغمبروں پر ایمان لایا اور مال کی خواہش کے باوجود (یا خدا کی محبت کے سبب سے) اپنا مال رشتہ داروں کو، یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافر کو، مانگنے والوں کو اور غلاموں کو آزاد کرنے میں دیا اور نماز ادا کرتا رہا اور زکوٰۃ دیتا رہا اور جو وعدہ کر کے اپنے وعدے کو پورا کرتے ہیں اور جو مصیبت تکلیف اور لڑائی میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی تقوی والے ہیں"۔ (آیت: 177)

ارشاد نبوی ہے:

اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا۔ 3

"مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے"۔

ایک جگہ فرمایا جاتا ہے کہ انسان حسن خلق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ان المومن لیدرک بحسن خلقہ درجۃ قائم اللیل و صائم النھار۔ 4

صوفیاء کے نزدیک تصوف کا مقصد یہ ہے کہ انسان خود اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرے اور دنیا کے دوسرے بسنے والوں کو مادی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک صاف کرے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ تعلقات میں شگفتگی پیدا کرنا ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا برائی سے بچانا بھلائی کی طرف بلانا یہ وہ کام ہیں جو عبادت سے زیادہ اہم ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے:

بہت نماز پڑھنا اور وظائف میں بکثرت مشغول رہنا، قرآن مجید کی تلاوت میں بہت مصروف رہنا، یہ سب کام چنداں مشکل نہیں ہیں۔ ہر بامت شخص کر سکتا ہے بلکہ ایک

3۔ "مشکوٰۃ (باب الرفق والحیاء و حسن الخلق) ص 432، طبع کراچی۔

4۔ "مشکوٰۃ" ص 432، "ترمذی" ابواب البر والصلہ ص 294، کراچی۔

ضعیف بڑھیا بھی کر سکتی ہے' روزہ پر مداومت کر سکتی ہے۔ تہجد گزاری میں مصروف رہ سکتی ہے۔ قرآن مجید کے چند پارے پڑھ سکتی ہے لیکن مردان خدا کا کام کچھ اور ہی ہے۔ 5
وفیات الاعیان لابن خلکان میں حضرت فضیل بن عیاض ؒ کا یہ قول موجود ہے کہ:

لان یلاطف الرجل اهل مجلسه و یحسن خلقه معهم خیرله من قیام لیله و صیام نهاره۔ 6

"آدمی کا اہل مجلس کے ساتھ نرمی اور حسن اخلاق سے پیش آنا اس کے رات کے قیام اور دن کے روزے سے زیادہ بہتر ہے"۔

نبی اکرم ﷺ کی ذات۔۔۔ مجسم حسن اخلاق

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذاتی زندگی اسی حسن اخلاق' خدمت خلق' انسانی ہمدردی اور غمخواری' سے یکساں عبارت تھی۔ آپ کے حسن اخلاق کے واقعات اور عملی نمونہ سے سیرت و حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یہاں آپ کے حسن اخلاق کی ایک شنیدہ نہیں بلکہ دیدہ شہادت کا ذکر کر دینا یقیناً فائدہ سے خالی نہ ہو گا۔ وہ یہ کہ غار حرا میں پہلی مرتبہ جب آپ پر وحی نازل ہوئی' جس کے اٹھانے کی سکت پہاڑوں میں بھی نہ تھی تو ایک طبعی سی گھبراہٹ اور خوف محسوس فرمایا' اسی گھبراہٹ میں گھر تشریف لائے تو پندرہ سال سے انتہائی قرب سے آپ کے حالات و اخلاق کو دیکھنے والی آپ کی زوجہ محترمہ ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ ؓ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے عرض کیا:

کلا واللہ ما یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق ☆ 7

ترجمہ: ہرگز نہیں' قسم بخدا! اللہ کریم آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا' کیونکہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں۔ بے آسرا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' فقیر لوگوں کو کما کر دیتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی وجہ سے پہنچنے والے مصائب میں اہل حق کی اعانت کرتے ہیں"۔

5۔ ("سیرالاولیاء" ص 45)
6۔ ("وفیات الاعیان" ج 3' ص 216' تحت ترجمہ فضیل بن عیاض ؒ)
7۔ ("صحیح بخاری" ج 1' ص 3' طبع دہلی)

صوفیاء کی اخلاقی تربیت کا انداز

اتباع نبوی میں صوفیاء اپنے خلفاء و مریدین کی اپنے قول و عمل سے کس طرح اخلاقی تربیت فرماتے تھے۔ اس تربیتی انداز کو جناب خلیق احمد صاحب نظامی کے الفاظ میں پڑھیے۔

"مشائخ اپنے خلفاء میں مکارم اخلاق پیدا کرنے کی بڑی کوشش فرماتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے خلفاء مہر و محبت، عجز و انکساری، ہمدردی خلوص کی جیتی جاگتی تصویریں ہوں"۔

خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگاہ دلنواز

مصیبت زدہ غریب اس کی طرف دیکھے تو اس کے دل پر چھایہ سا لگ جائے۔ بات کرنے لگے تو ایسا محسوس ہو، گویا پھولوں پر شبنم کی بارش ہو رہی ہے۔ لیکن اگر کسی جابر کا مقابلہ کرنا پڑے تو عجز و انکسار کا یہی مجسمہ پہاڑوں سے زیادہ مضبوط بن جائے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو خوف زدہ نہ کر سکے۔

خلفاء میں کردار کی خوبیاں پیدا کرنے کے لیے مشائخ زبان سے نہیں، عمل سے کام لیتے تھے۔ دن رات خانقاہ میں رہنے والے خلفاء مریدین ان کے کردار کو دیکھتے تھے اور اس سے متاثر ہوتے تھے۔

15 محرم 710ھ کو ایک شخص خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور ان کو گالیاں دینے لگا۔ شیخ خاموشی سے سنتے رہے۔ پھر اس کے سب مطالبات پورے کر دیئے۔ جب وہ چلا گیا تو حاضرین کو بتایا کہ ایسا ہی ایک شخص ایک مرتبہ بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور ان سے بے باکی کے ساتھ کہنے لگا: تو بت بن کر بیٹھ گیا، تو بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ نے نرمی سے جواب دیا۔

من نہ ساختہ ام، خدا تعالیٰ ساختہ است۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پیر کا کردار کس طرح خاموشی کے ساتھ خلفاء و مریدین کے افکار و اعمال کو متاثر کرتا تھا۔

بے بس اور کمزور لوگوں کی گالیاں سن لینے والے اس شخص نے سلطان مبارک

خلجی اور سلطان غیاث الدین تغلق کی جابرانہ قوت و سطوت کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا۔ اس کے مریدوں نے اس سے استقامت کا سبق لیا۔ ایک قلندر نے حضرت چراغ دہلوی کے جسم کو چھریوں سے لہولہان کر دیا تو انہوں نے زبان سے اف تک نہ کہا لیکن جب محمد تغلق نے غصہ سے بات کی تو جان کا خیال کیے بغیر پکار اٹھے۔ "اس جانوروں کے غصہ سے باز آؤ"۔ حقیقت یہ ہے کہ مشائخ چشت اپنے عمل سے خلفاء کو یہ تعلیم دیتے تھے۔

رکھ وہی روش جو دریا کی ہے
ہلکے کو ترا بھاری کو ڈبو
عاجز کی کبھی تحقیر نہ کر
جابر کی کبھی تعظیم نہ کر
جھکنے سے سعادت ملتی ہے
کھینچے میں شقاوت ہے مضمر
سر سامنے ناحق کے نہ جھکا
توہین سر تسلیم نہ کر

(غیور احمد رزمی)

اور ان ہی اصولوں پر ان کی شخصیت کی تعمیر ہوتی تھی۔ 8

حضرت غوث اعظمؒ کے اخلاق حسنہ کا یہ عالم تھا کہ اتنی بڑی رفعت شان کے باوجود کسی بچہ اور لونڈی کے پاس کھڑے ہونے اور فقراء کے پاس بیٹھنے اور ان کے کپڑوں سے جوئیں نکالنے میں کوئی عار محسوس نہیں فرماتے تھے۔ 9

خواجہ مودود چشتی کی تواضع و اخلاق کا یہ عالم تھا کہ جو بھی ضرورت مند آتا اس کو ہر قیمت پر راضی اور خوش کر کے واپس کرتے۔ چھوٹے بڑے ہر ایک سے سلام کرنے میں سبقت کرتے اور اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ یہاں تک کہ اپنے غلام اور لونڈی سے بھی یہی برتاؤ کرتے۔ بعض لوگوں نے اس کو غیر مناسب سمجھا تو فرمایا ہمارے نبی پاکؐ کی یہی سنت ہے۔ حضورؐ کا یہ معجزہ تھا کہ سلام کرنے میں کبھی کسی نے آپ سے

8۔ ("تاریخ مشائخ چشت" ج 1' ص 367-368' طبع ادارہ ادبیات' دلی)

9۔ ("الطبقات الکبری للشعرانی" ص 128' طبع مصر)

سبقت نہ کی پھر میں کیوں نہ ایسا کروں۔ 10

شیخ احمد کبیر الرفاعیؒ اور کمال حُسن اخلاق

شیخ احمد کبیر الرفاعی کا شمار کبار صوفیاء کرام میں ہوتا ہے۔ بڑے بڑے علماء و مشائخ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان کی بابرکت صحبت سے فیض پایا۔ اتنی بڑی جلالت شان اور قدر و منزلت کے باوجود حضرت شیخ کی تواضع، انکساری اور انسانی ہمدردی و خیرخواہی کا یہ عالم تھا کہ "ام عبیدہ" نامی بستی (جہاں آپ کا قیام تھا) میں لنگڑے اور لنجے لوگوں کے پاس از خود تشریف لے جاتے، انہیں کپڑے دھو دیتے۔ ان کے جسموں اور بستروں کو صاف کرتے پھر ان کے لیے کھانا لاتے اور ان کے ساتھ مل کر کھاتے۔ بعد ازیں گھنٹوں ان کے پاس بیٹھے رہتے اور ان سے دعا کراتے۔ فرمایا کرتے تھے، ایسے معذور لوگوں کے پاس جانا اور ان کی خدمت کرنا مستحب نہیں بلکہ واجب ہے۔

تواضع کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے، یہ بچے کھیل رہے تھے۔ آپ کو دیکھ کر اور ڈر کر وہاں سے بھاگ گئے۔ آپ ان کے پیچھے گئے اور فرمایا: مجھے معاف کر دو کہ میری وجہ سے تمہارا کھیل متاثر ہوا۔ واپس آؤ اور اپنی جگہ پر اسی طرح کھیلو جس طرح پہلے کھیل رہے تھے۔ نزدیک یا دور کسی بستی میں کسی مریض کا پتہ چلتا تو اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ رستے میں اندھے لوگوں کا انتظار کرتے رہتے، کسی اندھے کو دیکھتے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے منزل مقصود تک پہنچاتے۔ کسی بزرگ اور سفید ریش کو دیکھتے تو اس کے گھر تشریف لے جاتے اور گھر والوں سے اس کی تعظیم و توقیر کی وصیت فرماتے۔ کسی سفر سے واپس تشریف لے آتے اور "ام عبیدہ" بستی کے قریب پہنچتے تو اپنے پاس رکھی ہوئی رسی کو نکالتے، جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کرتے اور رسی میں لکڑیوں کا گٹھا باندھتے۔ ان کی دیکھا دیکھی آپ کے ہم سفر فقراء بھی لکڑیاں جمع کرتے۔ یہ تمام لکڑیاں بستی کی بیوہ عورتوں، مساکین، مریض، اندھے اور لنجے لوگوں میں تقسیم فرما دیتے۔ برائی کا بدلہ کبھی برائی سے نہ دیتے۔ 11

شاہ کلیم اللہؒ اور حُسن اخلاق کی تلقین

10۔ ("سیر الاقطاب اردو" ص 11، طبع کراچی)

11۔ الطبقات الکبری للشعرانی" ص 143، طبع مصر)

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی (م 1142ھ) فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا کام دلوں کو ایک جگہ کرنا ہے۔ اس میں جتنی بھی مشکلات پیش آئیں' ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے۔ 12

دکن میں ایک بار کچھ لوگوں نے ان کو برا بھلا کہا' شاہ نظام الدین نے اس کی اطلاع ان کو دی تو جواب میں ارشاد فرمایا:

ہر کہ مارا بدیادمی کند ما مستحق زیادہ از انیم کہ اولطف کردہ کم دشنام می دہد' ماعفو کردیم شاہم عفو کنید۔ ("مکتوبات" ص 36)

کوئی شخص ہمیں برائی سے یاد کرتا ہے تو ہمیں اس سے کوئی شکایت نہیں۔ اس لیے کہ ہم اس سے زیادہ برائی کے مستحق ہیں۔ اس نے مہربانی کی اور ہمیں کم گالیاں دیں' ہم نے اسے معاف کر دیا تم بھی اسے معاف کر دو۔

ایک موقعہ پر نہایت موثر انداز میں اپنا نقطہ نظر اس طرح سمجھاتے ہیں:

"درویشی حقیقت میں لوگوں کی اسی جفاو قضا کے برداشت کرنے کا نام ہے اور اس پر صبر کرنا (درویشی ہے)' ورنہ خرقہ تو ہرکس و ناکس پہن سکتا ہے۔ اگر حقیقت میں تم ٹھیک ہو تو اس شخص کی برائی تم پر اثرانداز نہ ہوگی بلکہ وہی خود اس برائی میں گرفتار رہے گا۔ اگر حقیقت میں تم ہی خراب ہو تو اس کا تم کو برا کہنا تمہاری فلاح کا باعث ہونا چاہیے۔ 13

خواجہ فخر دہلویؒ اور اصلاح اخلاق کی کوششیں

خواجہ فخر دہلوی کی اصلاح اخلاق اور مردم سازی کی کوششوں کے بارے میں نظامی صاحب نے نافع السالکین کے حوالے سے لکھا ہے:

"شاہ صاحب (فخر دہلوی) کی اخلاقی کوششوں کا مرکزی نکتہ یہی تھا۔ انہوں نے ہمیشہ اسی جدوجہد میں وقت گزارا کہ عوام کے اعمال درست کیے جائیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں آدمی بہت ہیں لیکن آدمیت نہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

آدمی کم موجود شوند کہ اکثر صورت آدمی دارند وخصال آدمی ندارند آدمیت

12۔ ("مکتوبات کلیمی" ج 23' ص 27 مطبوعہ دہلی)

13۔ ("مکتوبات کلیمی" ص 9' بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت" ج 5' ص 99 طبع ادارہ ادبیات' دلی)

عبارت از خوب خصائل و حمیدہ افعال است۔

فرمایا کرتے تھے کہ آدمی ہونا بہت مشکل ہے۔ "آدمی شدن بسیار مشکل است"۔ انتہا یہ تھی کہ کہا کرتے تھے کہ مسلک السلوک میں آدمی کی جو صفات لکھی ہیں وہ خود میرے اندر بھی نہیں ہیں۔

ملفوظات میں جگہ جگہ بری صحبت' غیبت' غرور' عیب جوئی' شراب نوشی' عشق بازی اور رشوت خوری سے بچنے کی ہدایت ہے اور بار بار ادب مہمان نوازی' نیکی' عجز و انکساری اور ایمان داری کا درس دیا گیا ہے۔ نافع السالکین میں شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ہو جہاں اصلاح اخلاق پر زور نہ دیا گیا ہو - 14

شاہ صاحب چاہتے تھے کہ ان کے مریدوں میں عجز و انکسار کا مادہ پیدا ہو اور وہ شفقت و مہربانی کے ساتھ خلقت سے پیش آئیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"سالک را باید کہ ہمہ خلق راچہ شریف وچہ خسیس بہ شفقت و رحمت ناظر باشد تاحق تعالیٰ بروے رحمت کند"۔ 15

شاہ فخر صاحب کا اپنا ذاتی حال یہ تھا کہ ہر چھوٹے بڑے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ بستر علالت میں بھی اس معمول میں فرق نہ آتا تھا۔ مصیبت میں ہر شخص کی دستگیری کے لیے تیار رہتے تھے۔ لوگوں کی خوشی اور غم میں ہمیشہ شرکت فرماتے' اگر کسی غریب کے لیے کوئی تقریب یا غمی ہوتی تو خود کئی بار تشریف لے جاتے اور اپنے مریدین و معتقدین کو وہاں جانے کی ہدایت فرماتے تاکہ

"خاطر او مطمئن شود و غم ازیں تفقدات کریمانہ برطرف گردد"۔ 16

شاہ سلیمان تونسوی اور اخلاق حسنہ کی تعلیم

خواجہ شاہ سلیمان تونسوی نے ایک سالک کے لیے اخلاق حسنہ کو کس قدر ضروری اور اخلاق مذمومہ سے بچنے کو کس طرح لازمی ٹھہرایا ہے۔ اس کا بیان صاحب نافع السالکین کے الفاظ میں پڑھیے:

"فرمایا کہ سالک کو چاہیے کہ ہر کسی سے لطف و احسان اور خلق و مروت سے

14۔ ("تاریخ مشائخ چشت" ص 630)

15۔ ("تاریخ مشائخ چشت" ص 632' طبع کراچی)

16۔ ("تاریخ مشائخ چشت" ج 5 ص 204' طبع دلی)

پیش آئے کیونکہ حسد اور کینہ اور جھگڑا عناد خدا تعالیٰ کی راہ سے روکتا ہے اور درویشوں کی عمدہ عادات میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ اخلاق مذمومہ سے پاک ہوتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ دس درویش ایک کملی میں سما سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں سما سکتے۔ درویش سے وہ شخص مراد ہے جس نے اپنی خودی دور کر دی ہو اور بے نفس ہو اور بادشاہ سے مراد ہے جو کہ خود پرست ہو اور نفس کی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہو۔ نیز اس بارے میں فرمایا کہ ایک روز دو آدمی حضرت بابا صاحب گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم دونوں کے درمیان ایک معاملہ ہے' آپ کسی کو حکم دیں کہ ہمارے بیانات سن کر فیصلہ دے۔ چنانچہ حضرت بابا صاحب نے شیخ نظام الدین اولیاء اور شیخ بدرالدین رحمتہ اللہ علیہما کو فرمایا کہ ہر ایک کا بیان سن کر شریعت کے حکم کے موافق فیصلہ کر دے۔ پس دونوں بزرگوں نے جو جلیل القدر خلیفے اور تبحر عالم تھے۔ اپنے شیخ کے حکم کے مطابق ان دونوں کے آپس کے معاملے کو سنا اور حیران ہو کر اپنے شیخ کی خدمت میں واپس آگئے اور کہنے لگے کہ ان دونوں نے آپس میں کچھ اس طرح گفتگو کی ہے کہ اس کے سننے سے ہم پر وجد اور گریہ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ شیخ قدس سرہ نے جواب میں فرمایا کہ یہ دونوں فرشتے تھے اور تمہاری تعلیم کے لیے آئے تھے۔ پس تم کو چاہیے کہ معاملہ و مقابلہ کے وقت بھی آپس میں اسی طرح لطف و نرمی سے پیش آؤ۔ کیونکہ درویشی کا اصل طریقہ یہی ہے۔ 17

تصوف سراسر اخلاق کا نام

کشف المحجوب کے تیسرے باب میں حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے علاوہ ازیں رسالہ قشیریہ' قوت القلوب اور دیگر تصوف کی کتابوں میں تصوف کی جو تعریف اور حقیقت بتائی گئی ہے' ان تعریفوں کو اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تو اکثر تعریفات سے اندازہ ہو گا کہ تصوف محض چند رسومات کا نام نہیں۔ جیسا کہ ہمارے ہاں عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ تصوف سراسر اخلاق کا نام ہے۔ شیخ ابوالحسن نوری کا قول ہے:

لیس التصوف رسوما ولا علوما ولکنہ اخلاق ☆ 18

17۔ ("نافع السالکین" ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی ص 101-102)

18۔ ("کشف المحجوب" ص 41' (لاہور ایڈیشن)

"تصوف رسوم اور علم کا نام نہیں بلکہ اخلاق کا نام ہے"۔

خواجہ شاہ سلیمان تونسوی نے فرمایا:

التصوف هو الاخلاق الرضيته التصوف هو الحريته والفتوه و ترک التکلف والسخاء و بذل الدنيا☆ 19

"تصوف پسندیدہ اخلاق کا نام ہے۔ تصوف آزادی' جوانمردی' تکلفات کے چھوڑنے' سخاوت اور دنیا کے خرچ کرنے کا نام ہے"۔

اس کے علاوہ بھی متعدد صوفیاء نے تصوف کو اخلاق سے تعبیر کیا ہے۔ صوفیاء کے سوانح حالات زندگی اور ملفوظات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے اخلاق سنوارنے اور ان کی سیرتیں بنانے میں صوفیاء نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ تصوف اعلیٰ اخلاق و کردار پیدا کرنے کی ایک عظیم الشان تحریک تھی۔

صوفیاء نے محض زبانی کلامی وعظ و نصیحت پر زور نہیں دیا اور نہ ہی اخلاق پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ نہ تحریری نقوش پیش کیے ہیں' نہ جبر سے کام لیا ہے بلکہ فضائل و محاسن اخلاق کا ایک محسوس پیکر اور مجسمہ بن کر دکھایا' جن کی ہر جنبش لب نے ہزاروں تصنیفات کا کام دیا۔ اور ان کے پاس بیٹھنے والے چلتی پھرتی اخلاق کی کتابیں بن گئے۔

دل کی نجاست۔۔۔ جسم کی نجاست سے بد تر

صوفیاء کی کوشش صرف یہ نہ تھی کہ لوگوں کے ظاہری اعمال درست ہو جائیں بلکہ وہ چاہتے تھے کہ برائی کے سوتے ہی بند ہو جائیں' انسان کا دل برائی کی طرف راغب ہی نہ ہو کہ دل کی نجاست بدن کی نجاست سے بدرجہا بری ہے۔

حضرت شیخ رکن الدین ملتانی فرمایا کرتے تھے:

جنابت بر دو نوع است' جنابت
دل ست و جنابت تن و جنابت
تن از صحبت بازن حاصل شود'
و جنابت دل بصحبت ناہموار'
جنابت تن پاک باب شود' اما

19۔ (اردو ترجمہ "نافع السالکین" ملفوظات خواجہ تونسوی' ص 346' مطبوعہ شعاع ادب' لاہور)

جنابت دل بآب دیدہ محو گردو 20

"جنابت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک جنابت دل کی' دوسری جنابت بدن کی۔ بدن کی جنابت وہ ہے جو عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے حاصل ہو اور دل کی جنابت نالائقوں کی صحبت سے ہوتی ہے۔ بدن کی جنابت تو پانی سے پاک ہو جاتی ہے لیکن دل کی جنابت آنسوؤں سے دھوئی جاتی ہے"۔

خواجہ اجل شیرازیؒ کا انوکھا ورد

صوفیاء کرام کی زندگیوں کا جو پہلو سب سے زیادہ توجہ کا مستحق ہے وہ ان کی تعلیم اخلاق ہے۔ جن مصنفین نے اوراد و وظائف اور کشف و کرامات کے افسانوں کو مرکزی اور بنیادی حیثیت دے دی ہے۔ انہوں نے تصوف کی حقیقت کو سمجھنے اور سمجھانے میں بڑی رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں۔ خواجہ اجل شیرازی کا یہ واقعہ جو حضرت محبوب الٰہی نے ایک بار اپنی مجلس میں بیان فرمایا۔ مشائخ متقدمین کے لائحہ عمل' طریق کار اور مقصد حیات کا بہترین آئینہ دار ہے۔ امیر خورد کرمانی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

"ایک شخص خواجہ اجل شیرازی کی خدمت میں آیا اور مرید ہو کر خواجہ صاحب کے حکم کا منتظر تھا کہ اب مجھے نماز یا درود بتلاتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے صرف یہ کہا کہ جو بات اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہ اوروں کے لیے بھی پسند نہ کر اور اپنے لیے اس بات کی خواہش کر جس کی اوروں کے لیے خواہش کرتا ہے۔ مدت بعد جب وہ شخص پھر حاضر خدمت ہوا تو عرض کی' کہ میں فلاں روز آپ کا مرید ہوا تھا اور منتظر تھا کہ آپ مجھے نماز یا ورد کی بابت فرمائیں گے۔ لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا' اب بھی میں اسی بات کا منتظر ہوں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا' اس روز تجھے کیا سبق دیا تھا؟ مرید حیران رہ گیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے مسکرا کر فرمایا' اس روز میں نے کہا تھا کہ جو بات اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہ دوسروں کے لیے بھی نہ کر اور اپنے لیے اسی بات کی خواہش کر جس کی اوروں کے لیے کرتا ہے۔ چونکہ تو نے پہلا سبق یاد نہیں کیا۔ اب میں دوسرا سبق کس طرح سکھاؤں" 21

2۔ ("اخبار الاخیار" ص 64)

21۔ ("سیر الاولیاء" (مترجم) ص 283-284' مطبوعہ لاہور)

حقیقت یہ ہے کہ تصوف نام ہی خدمت خلق اور تعلیم اخلاق کا ہے۔ مشائخ متقدمین نے اس کو یہ ہی سمجھا تھا اور اس کے لیے اپنی زندگیاں وقف کی تھیں۔

مرید کی ارادت کے سچا ہونے کی علامت

صوفیاء اپنے مریدین میں کس طرح کے اوصاف و اخلاق پیدا کرنا چاہتے تھے' اس کا اندازہ کتاب اللمع میں درج حضرت ابو سعید خراز رحمتہ اللہ علیہ کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"مرید کا ادب اور اس کی ارادت کے سچے ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس پر رقت' شفقت' مہربانی' سخاوت غالب ہو اور بندگان خدا اور اس کی مخلوق کی ہر قسم کی ناپسند بات کو برداشت کرے تاکہ وہ بندگان خدا کے لیے زمین بن جائے۔ جس کے اوپر وہ دوڑیں اور اسے اپنے شیخ کے لیے ایک فرمانبردار بیٹے کی طرح ہونا چاہیے اور بچے کے سامنے مہربان باپ کی طرح اسے تمام مخلوق کے ساتھ بھی اسی طرح رہنا چاہیے کہ ان کی تکلیف سے اسے تکلیف ہو اور ان کے مصائب پر یہ غم ناک ہو' ان کی اذیت پر صبر کرے۔ کیونکہ سچے مریدوں سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہی ہے کہ وہ مخلوق پر اسی طرح مہربان ہوں جس طرح اللہ مہربان ہے۔ مزید بر آں مرید کو انبیاء صدیقین اولیاء اللہ کے اور اللہ کے محبوبوں کے آداب کو اپنانا چاہیے تاآنکہ وہ حجابات جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہیں' اٹھ جائیں۔ لہٰذا جب وہ ان آداب پر کاربند ہوگا اور ان اخلاق کو اپناتا رہے گا وہ اللہ تعالیٰ سے مدد کا طالب ہوگا۔ اللہ پر بھروسہ کیے ہوگا اور اس پر راضی ہوگا"۔ 22

رہبانیت کی بجائے لوگوں کی کڑوی کسیلی سہنا

صوفیاء کرام پر "رہبانیت" "مردم بیزاری" "ترک دنیا" اور "ذہنی و جسمانی قُویٰ کو مضمحل" کر دینے کا جو اعتراض یا الزام لگایا جاتا ہے' دراصل بغض و عناد یا تحریک تصوف اور صوفیاء کے اصل مشن سے ناواقفیت کی بناء پر ہے۔ غار حرا میں تخلیہ والی سنت نبوی کے مطابق "تربیتی کورس" کے طور پر اگر کسی صوفی نے کچھ عرصہ عزلت اور گوشہ نشینی اختیار کی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہمیشہ مخلوق خدا سے لاتعلق رہے۔ جن لوگوں کی زندگی کا محور ہی محبت الٰہی عشق الٰہی اور اللہ ہی کے لیے جینا اور مرنا تھا اور

22۔ ("کتاب اللمع فی التصوف از ابو نصر سراج طوسی' ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن' ص 303)

جن کا مشن دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کرنا تھا' جن کی ہر حرکت اور ہر عمل سنت کے مطابق تھا اور جن کا ہر قدم اتباع نبوی میں اٹھتا تھا' کیسے ممکن تھا کہ وہ

لا رھبانیتہ فی الاسلام۔ 23

"اسلام میں کسی قسم کی رہبانیت نہیں"۔

اور

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ۔ 24

جیسے ارشادات نبوی کے سامنے ہوتے ہوئے خلق خدا سے کنارہ کش رہتے اور ان کے ساتھ دینی و دنیوی احسان نہ کرتے۔ دین و دنیا کی دوئی مغرب کی تقسیم ہے۔ اسلام اس تقسیم کو جائز قرار نہیں دیتا۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی (شعبہ عربی' دہلی یونیورسٹی) نے لکھا ہے:

"مغربی علماء نے کلچر کو دو خانوں میں تقسیم کیا ہے: ایک کو وہ مادی کلچر کہتے ہیں' دوسرا روحانی کلچر ہے۔ اسلام اور دوسرے مذاہب کے طرز فکر میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ وہاں روحانی کلچر' مادی کلچر کے تابع ہو جاتا ہے اور مادی تغیرات سے متاثر ہوتا ہے لیکن اسلام چاہتا ہے کہ ہمارا مادی کلچر یعنی ہماری معیشت یا ہمارا سماجی ڈھانچہ روحانی کلچر کا تابع دار بن کر رہے۔ اس کے بغیر اعلیٰ اقدار کا تحفظ ممکن نہیں۔ اس اعتبار سے ہمارے مشائخ خانقاہوں اور زاویوں میں بیٹھ کر بھی زندگی کے ہر شعبے پر اثرانداز ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ عزلت و رہبانیت کی زندگی گزاریں۔ یعنی وہ صرف اپنی نجات کے طالب نہیں ہوتے بلکہ پورے معاشرے کی فلاح و نجات چاہتے ہیں اور یہی تصوف کا مقصد ہے"۔

خواجہ نظام الدین اولیاء کی گوشہ نشینی کی خواہش پر ایک مجذوب کی تنبیہہ

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے ابتدائی زمانے میں بادشاہ اور امراء نے جمنا ندی کے کنارے اپنے محلات بنا لیے تھے۔ امرا کی ان ڈیوڑھیوں میں ہر طرح کی بداخلاقی' لہو و لعب اور لایعنی باتیں عام تھیں۔ بقول شخصے:

شاہد و شمع و شراب و شکرو نائے و سرود

23۔ ("موسوعۃ اطراف الحدیث' ج 7 تحت حرف لا بحوالہ کشف الخفاء للعجلونی)

24۔ "مشکوٰۃ" ص 425 طبع کراچی

حضرت نے یہ دیکھا تو پہلے یہ کیا کہ شہر کے کنارے کسی باغ میں جاکر تلاوت اور نوافل میں مشغول رہتے۔ پھر سوچنے لگے کہ اس شہر کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں' یہاں کھلم کھلا فسق و فجور دیکھا نہیں جاتا۔ ایک دن اسی دھن میں پریشان بیٹھے تھے کہ ایک مجذوب نوجوان ملا۔ اس نے آپ کو دیکھ کر یہ اشعار پڑھے۔

آن روز کہ مہ شدی نمی دانستی
کانگشت نماے عالمے خواہی شد

امروز کہ زلفت دل خلقے بر بود
درگوشہ نشستنت نمی دارد سود

پھر اس نوجوان نے کہا کہ "اول تو (بحیثیت شیخ) مشہور نہیں ہونا چاہیے' جب شہرت ہوئی تو پھر ایسے بنو کہ قیامت کے دن رسول علیہ السلام کے سامنے شرمندہ ہونا نہ پڑے۔ یہ کوئی قوت اور حوصلہ نہیں ہے کہ خلق سے کنارہ کشی کر لی اور حق سے مشغول ہو گئے۔ ہمت اور حوصلہ تو یہ ہے کہ باوجود خلق حق سے مشغول رہیں"۔ ("سیرالاولیاء" ص 111) یہ باتیں حضرت نے گرہ میں باندھ لیں اور طے کر لیا کہ کچھ بھی ہو' میں شہر میں رہوں گا اور عوام و خواص کی اصلاح احوال کے لیے جو کچھ ہو سکے گا' کروں گا۔ 25

آپ نے غیاث پور ہی میں قیام کا فیصلہ کر لیا۔ یہ زمانہ نہایت عسرت اور تنگی میں بسر ہوا۔ بعض مرتبہ تین تین دن کے فاقے کرنے پڑے۔ 26 لیکن استغنا کا یہ عالم رہا کہ سلطان جلال الدین خلجی نے گاؤں پیش کرنے کی اجازت چاہی تو فرمایا: "مجھے اور میرے خدمت گاروں کو تمہارے گاؤں کی چنداں ضرورت نہیں' میرا اور ان کا خدا کارساز اور میرسامان ہے"۔ 27 بعد کو جب فتوح کا دروازہ کھل گیا' 28 اور ہزاروں آدمی ان کے لنگر سے کھانے لگے' اس وقت ان کا یہ حال تھا کہ مسلسل روزے رکھتے تھے اور

25- ("نقد ملفوظات" ص 222-223' مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور 1989ء)

26- ("سیرالاولیاء" ص 112-130' ابتدائی زمانہ کا حال مفصل درج ہے)

27- ("سیرالاولیاء" ص 122' (اردو ترجمہ)

28- ("خیرالمجالس مجلس نمبر 87) میں لکھا ہے کہ فتوح کا ایسا سلسلہ تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ جمنا کا رخ ان کی خانقاہ کی طرف کر دیا گیا ہے)

سحری کے وقت اس لیے کھانا نہ کھاتے تھے کہ شہر میں کچھ لوگ بھوکے سو رہے ہوں گے۔ 29 خلق کی اس دردمندی نے انہیں اقلیم دل کا حکمراں بنا دیا۔ کوئی شخص اپنی لڑکیوں کے رشتہ کی وجہ سے پریشان ہوتا تو ان سے عرض حال کرتا۔ دل میں کوئی خلش ہوتی' بے اختیار غیاث پور کی طرف قدم اٹھنے لگتے۔ حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ ہر ایک کا درد و غم سنتے' اس کے زخموں پر مرہم لگاتے اور پھر بارگاہ خداوندی میں ایک ایک تکلیف اپنے اوپر طاری کر کے دعا فرماتے۔ کسی نے سچ کہا ہے ۔

چیست انسانی تپیدن در غم ہمسائگاں
از سموم نجد در باغ عدن پژماں شدن
خوار دیدن خویش را از خواری ابنائے جنس
در شبستاں تنگ دل از محنت زنداں شدن
آتش قحطے کہ در کنعاں بسوزد باغ و کشت
برفراز تخت مصر از تاب آں بریاں شدن

بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے ان کے لیے دعا کی تھی کہ ایک ایسا درخت ہو' جس کے سایہ میں ایک خلق کثیر آسائش و راحت سے رہے۔ 30 تقریباً 50 سال تک انسانی دلوں نے اس طرح ان کی خانقاہ میں راحت و سکون حاصل کیا جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر' تمازت آفتاب سے خستہ جان' ٹھنڈے اور سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ کر فرحت و اطمینان کا سانس لیتا ہے۔

حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ امیر و غریب' عارف و عامی' شہری اور دیہاتی' بوڑھے اور بچے سب ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ 31

امیر خسرو فرماتے ہیں ۔

در نظر اوز گدا و ملوک

29۔ ("سیر الاولیاء" ص 128)

30۔ ("سیر الاولیاء" ص 117' بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت": 1 : 226-227' طبع ادارہ ادبیات' دلی)

31۔ ("تاریخ فیروز شاہی" از برنی ص 343)

در شدہ	بے	جادہ	**بسالک**	سلوک
بر در	او ہر	کہ	ارادت	نمود
زندہ	جاوید	شدار	مردہ	بود

جو شخص جس وقت آپ سے ملنے کے لیے حاضر ہوتا اسی وقت بازیابی کی اجازت دی جاتی۔

خواجہ نصیرالدین کی عزلت نشینی کی درخواست نامنظور

مولانا خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلی رحمتہ اللہ علیہ جو بعد میں حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم اور اصلی جانشین ہوئے اور چراغ دہلی کے نام سے ان کا نام تمام دنیا میں روشن ہے۔ اس بات کے بڑے خواہش مند تھے کہ وہ کہیں کسی جنگل یا پہاڑ پر بیٹھ کر خدا کی یاد کریں۔ انہوں نے ایک دن امیر خسرو کو واسطہ بنایا اور کہلوایا کہ یہ پانچھ اودھ میں رہتا ہے۔ خلق کے ہجوم سے اپنی مشغولیت میں فرق پڑتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں کسی صحرا یا پہاڑ پر رہ کر فراغ خاطر کے ساتھ خدا کی عبادت کروں۔ امیر خسرو نے جب یہ پیغام عرض کیا تو ارشاد ہوا' (کلام فارسی کا ترجمہ)

ان سے کہہ دو کہ تمہیں مخلوق ہی کے درمیان رہنا ہوگا۔ اور مخلوق کی بے مروتی اور بے رخی کو برداشت کرنا ہوگا۔ اور اس کا بدلہ سخاوت و ایثار سے دینا ہوگا۔ 32

بدی کے مقابلے میں نیکی

یہ صوفیاء العیاذ باللہ "خود را فضیحت اوروں را نصیحت" نہ تھے بلکہ خود عملی طور پر سراپا محبت' رحمت' نرمی' عفو و درگزر' تواضع اور فیاضی و سخاوت تھے اور اپنے عمل سے ہی اپنے مریدین و معتقدین میں اخلاقی خوبیاں اپنانے کا جذبہ پیدا کرتے تھے۔ ان کا وعظ صرف زبانی کلامی نہیں بلکہ عملی وعظ تھا۔ وہ وہی بات کہتے تھے جس پر پہلے خود عمل کرتے تھے۔

32۔ ("تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ سوم ص 149-148)

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک شخص چھری سمیت پایا گیا' جب اس بات کی اطلاع سلطان المشائخ کو ہوئی تو آپ نے کسی شخص کو اجازت نہ دی کہ اس شخص کو ستائے پھر اسے اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ اس بات کا اقرار کرو کہ آئندہ کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ گے۔ اس نے اقرار کیا' پھر آپ نے اسے راستے کا خرچ دے کر رخصت فرمایا۔ بعد ازاں دشمنی کے بارے میں فرمایا کہ ظلم کو برداشت کر جانا بہ نسبت بدلہ لینے کے بدرجہا بہتر ہے پھر یہ شعر زبان سے ارشاد فرمائے۔

ہر کہ مارا رنج دارد راحتش بسیار باد
وآنکہ مارا خوار دارد ایزد اورا یار باد
ہر کہ او خارے نہد در راہ من از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

پھر فرمایا' اگر کوئی شخص تمہارے راستے میں کانٹے رکھے اور تم بھی اس کے عوض کانٹا رکھو تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔ عام لوگوں میں تو یہ دستور ہے کہ نیک کے ساتھ نیک اور بد کے ساتھ بد ہوتے ہیں' لیکن درویشوں میں یہ دستور نہیں۔ یہاں نیک و بد دونوں کے ساتھ نیک ہونا چاہیے۔ 33

حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا کہ بعض لوگ آپ کو بر سر منبر برا بھلا کہتے ہیں اور ہم ایسا سننے کی تاب نہیں رکھتے۔ فرمایا' میں نے سب کو معاف کر دیا۔ جو مجھے برا بھلا کہتا ہے میں اسے معاف کر دیتا ہوں۔ چونکہ میں معاف کرتا ہوں' اس لیے تمہیں بھی لازم و مناسب ہے کہ معاف کر دو۔ 34

نفس کے مقابلے میں قلب سے پیش آیا جائے

ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ آدمی میں ایک قلب ہوتا ہے اور ایک نفس۔ جب بھی کوئی آدمی از راہ نفس پیش آئے تو اس سے از راہ قلب پیش آنا چاہیے۔ یعنی نفس میں لڑائی جھگڑا' شور غوغا اور فتنہ و فساد ہوتا ہے اور قلب میں سکون' رضا

33- ("سیرالاولیاء" (مترجم) ص 513-514)
34- ("ایضاً" ص 514)

خوشنودی اور نرمی و لطافت۔ جب کوئی از راہ نفس پیش آئے مگر (جواباً) اس کے ساتھ از راہ قلب پیش آئیں تو نفس مغلوب ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص دوسرے کے نفس کا مقابلہ نفس ہی سے کرتا ہے تو پھر لڑائی جھگڑے اور فتنے کی کوئی حد نہیں رہتی۔ اس موقعہ پر تحمل و بردباری کی فضیلت کے بارے میں زبان مبارک سے آپ نے یہ شعر ارشاد فرمایا۔

زہر   بادی   چو کاہی   بلرزی

اگر   کو   ہی   بکاہی   ہم   نیرزی 35

"اگر تم ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ ایک تنکے کی طرح کانپنے لگو گے تو پھر پہاڑ ہو کر بھی ایک تنکے کے برابر قیمت نہ پاؤ گے"۔

صوفی کے اوصاف و اخلاق

ایک صوفی اور مرد خدا کے اوصاف و اخلاق کیا ہوتے ہیں اور وہ کن صفات کا حامل ہوتا ہے۔ اس عظیم انسان کا تعارف شیخ شرف الدین یحیٰی منیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں یوں کرایا ہے:

"اس کی رحمت و شفقت کا آفتاب ہر ایک پر چمکتا ہے۔ وہ خود نہیں کھاتا' لوگوں کو کھلاتا ہے۔ خود نہیں پہنتا' لوگوں کو پہناتا ہے۔ لوگوں سے اسے جو تکلیف پہنچتی ہے' اس کی طرف نگاہ نہیں کرتا' ان کے ظلم کو نہیں دیکھتا۔ اپنے پر ظلم کرنے والے کا شفیع ہوتا ہے۔ جفا کا بدلہ وفا سے دیتا ہے۔ گالی کا بدلہ دعا و ثنا سے دیتا ہے' تو جانتا ہے کہ یہ سب کچھ کیوں کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ محفوظ ہے اس کے دل کی فضا سے سوائے باد راحت کے خلق پر کوئی ہوا نہیں چلتی۔ وہ شفقت میں آفتاب کی طرح ہوتا ہے کہ جس طرح دوست پر چمکتا ہے اس طرح دشمن پر چمکتا ہے۔ تواضع میں زمین کی طرح ہوتا ہے کہ تمام مخلوق اس پر پاؤں رکھتی ہے۔ وہ کسی کے ساتھ جھگڑا نہیں کرتا۔ مخلوق پر دست درازی کرنے سے اس کا ہاتھ کوتاہ ہوتا ہے۔ تمام مخلوق اس کی عیال ہوتی ہے' لیکن وہ کسی کا عیال نہیں ہوتا۔ سخاوت میں دریا کی طرح ہوتا ہے' دشمن کو اسی قدر نوازتا ہے جس قدر دوست کو۔

35۔ ("فوائد الفواد (اردو ترجمہ) ص 262 طبع علماء اکیڈمی' لاہور)

جملہ مخلوقات پر رحمت ہی رحمت بن کر برستا ہے۔ کیونکہ وہ آزاد ہوتا ہے جو کچھ دیکھتا ہے' ایک ہی جگہ سے دیکھتا ہے۔ (یعنی تمام مخلوق کو اس ذات پاک سے منسوب سمجھتا ہے) اس کی آنکھ "اہل جمع" کی آنکھ ہوتی ہے۔ اس کے وجود کے اجزاء میں سے ہر ایک جزو کو اسی طرح خلعت پہنایا جاتا ہے جو ان اوصاف سے موصوف نہ ہو' اس کو طریقت میں کوئی مرتبہ و مقام حاصل نہیں ہوتا"۔ 36

حضرت باوا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"درویشوں کا طریقہ تحمل ہے اور تحمل بھی اس قدر کہ اگر کوئی آدمی اس کی گردن پر ننگی تلوار رکھ دے یا مارے بھی اس سے راضی و خوش رہے۔ دم مارنا اور اس کے واسطے بددعا کرنا سزاوار نہیں"۔ 37

36۔ ("تاریخ دعوت و عزیمت" مؤلفہ سید ابوالحسن علی ندوی' حصہ سوم ص 212-213-214 (بحوالہ مکتوبات شیخ شرف الدین یحیٰی منیری' مکتوب ہفت و چہارم)

37۔ ("راحت القلوب" (ملفوظات باوا فرید گنج شکر مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاء) مجلس ہشتم شامل در مجموعہ ملفوظات خواجگان چشت' ص 165' طبع دہلی 1334ھ)

فصل دوم

صوفیاء کے نزدیک دلجوئی کا مقام

اخلاق حسنہ میں سے ایک اہم اور بلند ترین خلق و عادت کسی کی دل آزاری نہ کرنا ہے۔ طریقت و معرفت اور تصوف میں یا دوسرے لفظوں میں صوفیاء کے نزدیک کسی کے دل کو دکھانا اسے بلاوجہ رنج پہنچانا یا تکلیف پہنچانا سب سے بڑا گناہ ہے اور اس کے مقابلے میں کسی کو خوش کرنا اور اس کی دلجوئی کرنا اس کی خدمت کر کے اس کے دل کو مٹھی میں لے لینا سب سے بڑی عبادت اور عظیم نیکی ہے۔ صوفیاء نے دلجوئی اور دلداری کے کیا نمونے چھوڑے ہیں۔ اپنے پرائے' دوست دشمن' موافق مخالف' واقف ناواقف لوگوں کے دلوں کو کس طرح موہ لیا ہے اور کس طرح ان کو خوش کیا ہے' کس طرح غمگین دلوں میں فرحت و سرور داخل کرنے کی کوشش کی ہے' اس کی تفصیل اور واقعات تو آگے آ رہے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ صوفیاء نے دل آزاری سے بچنے کی کس قدر تاکید کی ہے اور اس کے مقابلے میں دلوں کو خوش کرنے پر کتنا زور دیا ہے۔

طریقت کا رکن اعظم۔ دلجوئی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز والد ماجد (حضرت شاہ عبدالرحیم رحمتہ اللہ علیہ) ظہر کی نماز کے فوراً بعد اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فی البدیہہ یہ دو شعر پڑھے ؎

گر تو راہ حق بخواہی اے پسر
خاطر کس را مرنجاں الحذر
در طریقت رکن اعظم رحمت است
ایں چنیں فرمود آں خیرالبشر

پھر فرمایا کہ دوات قلم لا کر اس کو لکھ لو کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے یہ اشعار اچانک میرے دل میں القا فرمائے ہیں تاکہ تجھے وصیت کروں۔ 1

1۔ انفاس العارفین (اردو ترجمہ) ص 135

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کے الفاظ میں تصوف چونکہ سراپا اشتیاق الٰہی اور عشق الٰہی کا نام ہے، جس کالازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صوفی اسی (خدا) کو اپنا مقصود حیات بنا لیتا ہے۔ گفتگو کرتا ہے تو اسی کا' خیال کرتا ہے تو اسی کو' یاد کرتا ہے تو اسی کو' حکم پڑھتا ہے تو اسی کا' شفق کی سرخی میں' دریا کی روانی میں' پھولوں کی مہک میں بلبل کی آواز میں' تاروں کی چمک میں' صحرا کی وسعت میں' باغ کی شادابی میں غرض کہ تمام مظاہر فطرت اور مناظر قدرت میں اسے خدا ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔

سمایا ہے تو جب سے نظروں میں میری
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

چنانچہ وہ کافر اور مومن' ہندو اور مسلمان' کالے اور گورے غرض کہ ہر شخص سے محبت کرنے لگتا ہے بقول علامہ اقبال ۔

بندۂ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق

اگر کوئی صوفی کافر کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے یا اس پر شفقت نہیں کرتا' اس کے ساتھ ہمدردی نہیں کرتا' اس کے دکھ کو اپنا دکھ نہیں سمجھتا تو وہ ہرگز صوفی نہیں ہے بلکہ بندۂ نفس ہے اور دنیا کو دھوکا دے رہا ہے۔

ساری مخلوق خدا کا کنبہ

تصوف کا پہلا سبق یہ ہے کہ سب انسان اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں' اس لیے مجازاً اللہ کا کنبہ ہیں۔ چنانچہ ارشاد نبوی بھی یہی ہے کہ "الخلق عیال اللہ"

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدی کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

چونکہ ہر شئے میں اسی کا جلوہ ہے' ساری کائنات اس کی جلوہ گاہ ہے' ہر شئے سے وہی ظاہر ہو رہا ہے۔ اس لیے ہر انسان مظہر ذات و صفات ہے' اگر ہندو میں اس کا جلوہ ہے تو مسلمان میں بھی وہی جلوہ گر ہے۔ اس لیے صوفی جملہ افراد انسانی کو مظاہر ذات سمجھ کر سب سے یکساں محبت کرتا ہے۔

نتیجہ اس زاویہ نگاہ کا یہ نکلتا ہے کہ صوفی کے دل و دماغ سے تعصب' تنگ نظری' نفرت' حقارت' امتیاز رنگ و نسل' اختلاف عقائد و مذہب' فرقہ بندی' گروہ بندی' بیجا پاسداری اور ناحق کوشی یا باطل پسندی کے جذبات بالکل مٹ جاتے ہیں۔ اسی لیے وہ کسی کو آزار نہیں پہنچا سکتا۔ اس سے کسی کو رنج نہیں پہنچ سکتا۔ انسان تو انسان ہے' وہ تو حیوانات پر بھی رحم کرتا ہے بقول حافظ ؎

مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در طریقت ما بیش ازیں گنا ہے نیست [1]

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے کہا تھا ؎

شنیدم کہ بندگان راہ خدا
دلے دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام
کہ بادوستانت خلاف است و جنگ
اے کہ تو از غم دیگراں بے غمی
نہ شاید کہ نامت نہند آدمی

ترجمہ:

(1) میں نے سنا ہے کہ بندگان خدا (اہل اللہ) اپنے مخالفین اور دشمنوں کے دل کو بھی نہیں دکھاتے۔

(2) اے مخاطب! تجھے یہ صوفیاء والا مقام کیسے مل سکتا ہے کہ تیرا تو اپنے دوستوں کے ساتھ بھی اختلاف اور جنگ ہے۔

(3) اے مخاطب جو دوسرے انسانوں کے غم سے بالکل بے فکر ہے' ایسی صورت میں تیرا نام آدمی رکھنا مناسب نہیں۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

ماضی قریب کے ایک اسم بامسمی بزرگ جن کے علم تقوی روحانیت عاجزی تواضع' سادگی' زہد' عشق' محبت' غیرت دینی اور استغناء کو ایک دنیا جانتی ہے۔ میرا اشارہ شیخ

---

1 "تاریخ تصوف" از پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص 13-14' طبع علماء اکیڈمی' لاہور

الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف ہے۔ آپ نے ایک موقعہ پر فرمایا:

"کسی کی دل شکنی کرنا جائز نہیں۔ ہمارے استاذ مولانا معین الدین اجمیری نے اس کے متعلق مندرجہ ذیل شعر سنایا تھا۔

ٹوٹا جو کعبہ کونسی یہ جائے غم ہے شیخ
کوئی قصر دل نہ تھا کہ بنایا نہ جائے گا 1

دلجوئی اور دلداری کا صوفیاء کے نزدیک کیا مرتبہ و مقام ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے۔ اس کا کچھ اندازہ مولانا روم کے زبان زد عام ان اشعار سے لگایئے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہ خلیل آزر است
دل گزر گاہے جلیل اکبر ست

غالباً میاں محمد علیہ الرحمہ کا پنجابی شعر ہے۔

مسجد ڈھا دے مندر ڈھا دے تے ڈھا دے جو کجھ ڈھیندا
پر اک دل بندے دا نہ ڈھائیں کہ رب دلاں وچ رہندا

مومن کا قلب۔۔ اللہ کا عرش

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے صوفیاء اور درویشوں کو زائرین کے دل رکھنے اور ان کی حاجات کو پورا کرنے کی عجیب انداز میں ترغیب دی ہے۔ فرمایا:

"اے درویش! خواجہ شمعون محب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ کیسے ولی اللہ ہیں کہ اللہ کا عرش حاجت لے کر ان کے دروازے پر آئے اور وہ اندر بیٹھے رہیں اور اپنی طاقت بھر کام انجام نہ دیں۔ پس اے درویش! خواجہ شمعون کی مراد عرش سے یہی مومن

---

1 انوار قمریہ (ملفوظات خواجہ محمد قمرالدین) ص 179

کا دل رکھنا ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہوتا ہے"۔ ۱

امام غزالی نے طہارت کی شرائط میں لکھا ہے:

"ایسی احتیاط جس سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہو' نہ کرنا چاہیے کیونکہ دل شکنی حرام ہے۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی سلام کے بعد معانقہ کرنا چاہے ... ں کے جسم میں پسینہ ہو تو اس سے اس وقت بچنا قطعی ناجائز ہے۔ اس لیے کہ اخلاق حسنہ اور مسلمانوں سے قربت رکھنا ہزاروں احتیاطوں سے افضل تر ہے"۔ ۲

مومن کی حرمت کعبہ سے بھی زیادہ

ایک مومن کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا مرتبہ ہے اور اللہ نے اسے کتنی شان دی ہے۔ اس کا اندازہ محسن انسانیت اور نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے لگایئے:

"عن عبداللہ بن عمرو" قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطوف بالکعبۃ و یقول ما اطیبک واطیب ریحک! ما اعظمک واعظم حرمتک! والذی نفس محمد بیدہ لحرمۃ المومن اعظم عنداللہ حرمۃ منک' مالہ و دمہ 3

"حضرت عبداللہ بن عمرو" فرماتے ہیں' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کعبہ (بیت اللہ شریف) کا طواف کر رہے ہیں اور (بیت اللہ سے خطاب کرتے ہوئے یہ) فرما رہے ہیں کہ اے بیت اللہ! تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری ہوا (فضا) کتنی پاکیزہ ہے تو خود کتنی عظمت والا ہے اور تیری حرمت (عزت و احترام) کو اللہ نے کتنا عظیم بنایا ہے مگر اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ یقیناً مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے' یعنی مومن کا مال اور خون (تجھ سے زیادہ حرمت والا ہے)۔

اسی مفہوم کا ایک اثر "جامع ترمذی" میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے بھی

1۔ اسرار الاولیاء (ملفوظات بابا فرید الدین گنج شکر) اردو ترجمہ ص 218 طبع' کراچی

2۔ اردو ترجمہ کیمیائے سعادت ص 147' مطبوعہ شیخ غلام علی' لاہور

3 سنن ابن ماجہ (ابواب الفتن) ص 290' طبع دہلی۔

منقول ہے۔[1] انہوں نے بھی یہ بات بلاشبہ حضور ؐ سے ہی سنی ہوگی۔

ایذائے مومن۔۔۔ گناہ عظیم

انیس الارواح میں حضرت خواجہ غوب نواز اجمیری نے اپنے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کا یہ ملفوظ مبارک نقل کیا ہے کہ "رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمان کو رنجیدہ نہ کرو' کیونکہ اس کے سینے کے اوپر ستر پردے ہوتے ہیں اور ہر پردے پر ایک فرشتہ متعین ہے جو شخص کسی مومن کو رنج پہنچاتا ہے' وہ ان فرشتوں کو رنج پہنچاتا ہے۔ ابتداءً رنج فرشتوں کو پہنچتا ہے تب کہیں مومن کو پہنچتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا' جو شخص ایماندار کو تکلیف دیتا ہے ستر گناہ کبیرہ اس کے نامہ اعمال میں لکھے جاتے ہیں اور جو کسی مومن کا دل رنجیدہ کرتا ہے' اس کے واسطے ایک گھڑا از رنج و تعب دوزخ میں بنایا جاتا ہے اور سوائے منافق کے کوئی آدمی مومن کو ایذا نہیں پہنچاتا۔

اعاذنا اللہ منہ [2]

دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ غوب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ) میں خواجہ غوب نواز اجمیری نے فرمایا ہے کہ مسلمان کو ایذا پہنچانے سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں اور اس کے لیے آیت قرآنی "والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا و اثما مبینا" سے استدلال فرمایا

(دلیل العارفین (مجلس چہارم) ص 62 طبع دہلی' 1324ھ)

شاہ سلیمان تونسوی کی سالک کو نصیحت

خواجہ شاہ سلیمان تونسوی کے ملفوظات میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

"سالک کو چاہیے کہ لوگوں کا بوجھ اٹھائے اور حوصلہ سے کام لے کسی کو ناراض نہ کرے بلکہ ہر ایک کو خوش رکھے' کیونکہ لوگوں کو خوش رکھنا نزول رحمت کا باعث ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

ارحموا ترحموا۔

---

1 جامع ترمذی (ابواب البر والصلۃ) ص 297' طبع کراچی۔

2۔ "انیس الارواح (مجلس ہفتم) ص 24' طبع دہلی 1324ء' در مجموعہ ملفوظات خواجگان چشت از مولانا غلام احمد خان

"اور دوسروں پر رحم کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔
چنانچہ شیخ عطار قدس سرہ نے فرمایا۔

بردباری و وفاداری گزیں
تاشود اسپ مراوت زیرزیں
خاطر کس را مرنجاں اے پسر
ورنہ خوردی زخم برجاں اے پسر 1

خواجہ قطب کی بابا صاحبؒ کو دلجوئی کی تلقین

مناقب المحبوبین کے مولف نجم الدین سلیمانی نے قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے:

"ایک دفعہ عین تعویذ لکھتے وقت آپ نے فرمایا کہ حضرت بابا فرید گنج شکر نے اپنے شیخ و مرشد کو لکھا کر اکثر پنجاب کے آدمی تعویذ کے لیے آتے ہیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے جواب دیا کہ کام تیرے ہاتھ میں نہیں ہے' خدا کے ہاتھ میں ہے۔ خدا کا اسم لکھ کر دے دیا کرو۔ اس کے بعد حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اس کا ایک فائدہ تو نقد ہے کہ سائل کا دل خوش ہو جاتا ہے اور اسے تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔
فرمایا' فقراء کا کام ہر کسی کو نیک بات کہنا اور دعا دینا ہے۔ آگے جو اس کے ساتھ ہونا مقدر ہے' ہو جائے گا۔ اللہ کے کام میں کسی نبی یا ولی کو دخل نہیں ہے۔ وہ خداوند عالم ہیں۔ اپنا کام کبھی جمال سے کرتے ہیں اور کبھی جلال سے"۔ 2

ایک زائر کی عدم رعایت پر باوا صاحب کی تنبیہہ

صوفیاء کے ہاں حسن رعایت اور دل جوئی کی کتنی اہمیت اور کتنی تاکید ہے۔
صاحب سیرالاولیاء کے حوالے سے سنیئے' فرماتے ہیں:
ایک دن سلطان المشائخ دوپہر کو قیلولہ فرما رہے ہیں' کوئی حاجت مند کسی ضرورت سے آیا' اخی مبارک حضرت کے خادم نے اس کو ٹال دیا کہ حضرت قیلولہ فرما رہے

1۔ ترجمہ نافع السالکین' ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی ص 86
2 مناقب المحبوبین (ترجمہ) مرتبہ نجم الدین سلیمانی ص 117

ہیں۔ ادھر یہ واقعہ ہوا اور دوسری طرف نیند میں سلطان جی شیخ کبیر شکر گنج کو دیکھتے ہیں کہ فرمارہے ہیں:

''اگر درخانہ چیزے نیست بقدر وسع حسن رعایت آئند، واجب است ایں کجا آمدہ ست کہ چنیں خستہ دل را باز گردانید''۔

یعنی آنے والوں کے ساتھ برتاؤ تو اچھا ہونا چاہیے۔ نید سے چونک پڑے' اخی مبارک بلائے گئے۔ پوچھا کہ کوئی آیا تھا' بولے کہ ہاں میں نے حضرت کے آرام کا خیال کر کے واپس کر دیا۔ میر نے لکھا ہے:

''سلطان المشائخ بر وتفت کرد کہ خدمت شیخ المشائخ را درغضب دیدہ ام مراعتاب می کرد''۔

اس کے بعد عام حکم ہو گیا تھا کہ میں جس حال میں بھی رہوں' آنے والوں کی فوراً خبر ہونی چاہیے۔

''اگر درقیلولہ باشم مرا خبر کنی'' قیلولہ سے اٹھنے کے بعد اسی لیے عام عادت یہ تھی کہ دو سوال کرتے' ''کیے آں کہ سایہ گشت'' یعنی زوال ہو گیا' ظہر کی نماز کے متعلق سوال تھا' اور دوسرا یہ کہ ''آئندہ آمدہ ست نباید کہ منتظر باشد''۔ (ص 129)

دلجوئی کے لیے مشائخ کا معمولی ہدایا کو قبول کرنا

خانقاہوں میں آنے والے لوگ اکثر کوئی نہ کوئی تحفہ لے کر حاضر ہوتے تھے۔ شیخ غریب لوگوں کے تحائف ایسی خوشی اور خندہ پیشانی سے قبول کرتے تھے کہ وہ اپنی غربت اور کم مائیگی کو بھول جاتے تھے اور جب خانقاہ سے واپس جاتے تو ان کے دل شیخ کی محبت سے لبریز ہوتے تھے۔ ایک شخص نے تین چیتل خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں بھیجے' انہوں نے بڑی محبت سے یہ ہدیہ قبول فرمایا اور خود اپنے ہاتھ سے اٹھا کر پاس رکھ لیا اور شیخ شہاب الدین سہروردی کا یہ واقعہ بیان کیا کہ آپ حج سے واپس آئے تو اہل بغداد نے گرانقدر نذرانے آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ ان میں ایک بڑھیا نے بھی اپنی چادر سے ایک درہم کھول کر شیخ کے سامنے رکھا' انہوں نے وہ درہم اٹھا کر تمام دوسرے تحفوں اور ہدیوں کے اوپر رکھ دیا اور جب وہ یہ ہدایا حاضرین میں تقسیم کرنے لگے تو شیخ جلال الدین تبریزی نے بڑھ کر وہ درہم اٹھا لیا۔ شیخ سہروردی نے دیکھا تو فرمایا:

''ایں ہمہ تو بردی''

سب کچھ تو تو لے گیا۔ 1

غرباء کے ساتھ دلنوازی کا یہ برتاؤ صوفیاء اور مشائخ کو ان کی آنکھوں کا تارا بنا دیتا تھا۔

شاہ نظام الدین اورنگ آبادی ابتدائی زمانے میں کسی شخص کی نذر قبول نہ کرتے تھے۔ جب شاہ کلیم اللہ صاحب کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ دل شکنی اچھی نہیں ہے' جو شخص بھی خلوص کے ساتھ کوئی چیز پیش کرے اسے قبول کر لو اور محتاجوں کو دے دو۔ اس کے بعد وہ فتوحات قبول کرنے لگے۔ جمعہ کے دن جو نذر آتی تھی وہ قوالوں کو یا مجلس میں جو مستحق لوگ موجود ہوتے' ان کو دے دی جاتی۔ باقی دنوں میں جو آتا تھا وہ محتاجوں کو تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

فخر الطالبین میں لکھا ہے کہ ان کے پاس اشرفی روپیہ پیسے علیحدہ علیحدہ کاغذ میں بندھے ہوئے رکھے رہتے تھے' جو محتاج آتا' اس میں سے دے دیتے تھے۔ فقیر کو ایک پیسہ سے زیادہ نہ دیتے تھے اور لوگوں کو اشرفیاں تک دے دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ شریف کے لیے بڑی مشکل ہے۔ وہ شرم کے مارے بھیک بھی نہیں مانگ سکتا اور فاقہ کرتا ہے۔ ان لوگوں کا کیا ہے یہ تو در در پھر کر خوب جمع کر لیتے ہیں۔

حضرت محبوب الٰہی نے فتوح (نذرانوں) کا اصول "لا جدو لا رد و لا کد" بتایا ہے' یعنی مرید پر اپنی طرف سے نذرانہ مقرر نہ کرے اور اگر وہ خوشی سے دے تو رد نہ کرے اور اگر نہ دے تو اس سے کد نہ رکھے۔ 3

اسی کے موافق اہل طریقت کا ایک اور مقولہ یوں مشہور ہے کہ

"چو نیاید طمع نکنند و چوں بیاید منع نہ کنند و چوں بگیرد جمع نکنند"۔

بادشاہوں کے نذرانوں سے گریز

امیروں اور بادشاہوں کے نذرانوں اور جاگیروں کو صوفیاء نے قبول کرنے سے عموماً بوجوہ گریز کیا ہے۔ حضرت بابا صاحب نے بلبن کی نذر کردہ جاگیر کے قبالے واپس کر دیئے تھے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں بار بار جاگیر پیش کی گئی۔ آپ نے مسکرا

1۔ فوائد الفواد (اردو) ص 344' فارسی 180

2۔ تاریخ مشائخ چشت: ج 5 ص 167-168 طبع دلی۔

3۔ احسن الاقوال بحوالہ چشتی تعلیمات: ص 44' طبع لاہور۔

کر فرمایا:

"اگر میں اسے قبول کر لوں تو لوگ یوں کہا کریں گے کہ آج شیخ اپنا باغ دیکھنے گئے ہیں۔ آج کھیتوں کی نگرانی کرنے لگے ہیں' مجھے ان باتوں سے کیا سروکار"۔ پھر آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور فرمایا کہ:

"ہمارے تو مشائخ نے بھی کبھی جاگیریں قبول نہیں کیں"۔ 1

بادشاہوں کی طرف سے جاگیریں قبول کرنا تو ایک طرف رہا' صوفیاء نے تو اہل دنیا کے ساتھ آمیزش اور امراء و سلاطین کے پاس آمدورفت کو بھی حرام ٹھہرایا ہے۔ 2

حضرت باوا فرید گنج شکر نے فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ سہل تستری کو ایک مرتبہ عراق کے بادشاہ کو دم کرنے کی خاطر اس کے پاس جانا پڑا تو انہوں نے اس کے کفارہ کے لیے سات برس تک لوگوں سے عزلت اختیار کی اور ارشاد فرمایا کہ بزرگان دین اور مشائخ کا فرمودہ ہے کہ "صحبۃ الاغنیاء للفقراء سم قاتل"

"فقراء کے لیے اغنیاء کی صحبت سم قاتل ہے"۔ 3

کسی صوفی اور فقیر کا تو غنی کے دروازہ پر جانا اچھا نہیں مگر غنی کا فقیر کے دروازے پر آنا بہت پسندیدہ ہے۔

"بئس الفقیر علی باب الامیر و نعم الامیر علی باب الفقیر"۔

شیخ بدرالدین غزنوی نے نظام الدین خریطہ دار ایک سرکاری عہدیدار سے خانقاہ تعمیر کرائی۔ مگر وہاں جب اقامت اختیار کی تو سکون نہ ملا۔ حضرت باوا صاحب کی خدمت میں حقیقت حال عرض کی تو فرمایا' جو شخص اپنے مشائخ کی سیرت و سنت پر نہیں چلتا' اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ 4

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کبھی کسی وزیر یا بادشاہ کے دروازے پر تشریف نہ لے گئے۔ کسی کے دروازے پر جانا تو بہت دور کی بات تھی۔ امیر کبیر اور کوئی سرکاری

1۔ فوائد الفواد (اردو) ص 218-219' طبع علماء اکیڈمی' لاہور۔

2۔ راحت القلوب (ملفوظات باوا صاحب مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاء) مجلس سوم۔

3۔ ایضاً

4۔ فوائد الفواد (اردو) ص 181-180

عہدہ دار بھی حاضر ہوتا تو کبھی اس کے لیے کھڑے نہ ہوتے۔ 1

یہ ان مشائخ کی مبارک زندگی تھی کہ تمام عمر کوئی جاگیر قبول نہیں کی' خزانہ جمع نہیں کیا۔ کوئی مستقل ذریعہ آمدن (کارخانے وغیرہ) پیدا نہیں کیا' سرکار دربار کو منہ نہیں لگایا۔ کوٹھیاں اور بنگلے نہیں بنائے جو کچھ مخلص عوام اور عقیدت مندوں کی طرف سے نذرانوں اور فتوحات کی صورت میں آیا' اسے فورا فقراء اور مساکین پر خرچ کر دیا اور جیسے خالی ہاتھ اپنے خالق کے پاس سے آئے تھے' ویسے ہی اس کے حضور میں پہنچ گئے' اسی کا نام "ترک تجرید" ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ جب بابافرید گنج شکر کا انتقال ہوا تو آپ کے گھر میں تجہیز و تکفین کا سامان بھی موجود نہ تھا۔ لحد کے لیے پکی اینٹوں کی ضرورت ہوئی حجرے کی ایک دیوار (دروازہ) ڈھاکر اس کی اینٹیں لحد مبارک میں لگائی گئیں۔ 2

ایک آج کل کے بعض مشائخ ہیں کہ سرکار دربار کا دم چھلہ بننے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ سرکار کی طرف سے جاگیروں کو قبول نہ کرنا اور پیش کش کو ٹھکرا دینا تو کجا وہ تو سرکار سے خود مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمیں جاگیریں دی جائیں۔ غلام حیدر وائیں مرحوم کی وزارت اعلی کے دور میں ایک "تنظیم المشائخ" کے نمائندوں نے ایک اجلاس میں جس کی صدارت یہی "شیخ المشائخ" وزیراعلی کر رہے تھے' موصوف سے مطالبہ کیا تھا کہ جس طرح صحافیوں اور دیگر طبقوں کو حکومت پلاٹ دیتی ہے' مشائخ کو بھی پلاٹ دیئے جائیں۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)

زاغوں کے تصرف میں ہیں عقابوں کے نشیمن

اسی طرح ایک سیاسی جماعت کے علماء و مشائخ ونگ نے 31 اگست 96ء کو بعض وفاقی و صوبائی وزراء کے اعزاز میں استقبالیہ دیا' جس میں ایک تو عصر اور مغرب کی نمازیں گول کر دی گئیں۔ جب ایک آدمی نے نماز کی طرف توجہ دلائی تو اسے ڈانٹ دیا گیا۔ دوسرے اس استقبالیہ تقریب کے ہر مقرر نے مذکورہ ونگ کے صدر صاحب کے لیے حکومتی عہدہ کا مطالبہ کیا جس پر ایک وفاقی وزیر نے کہا کہ موصوف اپنے منصب کا خود ہی تعین کر لیں' ہم اس کا نوٹیفکیشن جاری کر دیں گے۔

1۔ الطبقات الکبری للشعرانی' ص 128 طبع مصر۔

2 فوائد الفواد (اردو) ص 399' طبع علماء اکیڈمی' لاہور۔

روزنامہ نوائے وقت کے مدیر "سررا ہے" نے اس پر پھبتی کستے ہوئے یہ لکھا تھا کہ "جب وفاقی اور صوبائی وزراء سامنے موجود ہوں تو علماء کو اس وقت خدا کہاں یاد آتا ہے۔ اس لیے اگر ان علماء حضرات نے عصر اور مغرب کی نمازیں گول کر دیں تو کیا ہوا' اپنے صدر کے لیے (جو خیر سے حافظ قرآن بھی ہیں) سرکاری عہدہ تو حاصل کر لیا۔ حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے کہ مرشد کا دیدار لکھ کروڑ حجوں کے برابر ہوتا ہے۔ اس لیے اگر وزراء سامنے موجود ہوں تو نماز اور حج ساقط ہو جاتے ہیں۔" موصوف صدر کو نیا عہدہ مبارک ہو۔

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد
وائے گر پس امروز بود فردائے

"اگر مسلمانی اسی چیز کا نام ہے جو حافظ رکھتا ہے تو کاش آج کے بعد دوسرا دن طلوع نہ ہو"۔ (نوائے وقت لاہور' 2 ستمبر 1996ء)

حضرت محبوب الٰہیؒ کا کمال اِستغناء

امیر خورد کرمانی نے خواجہ نظام الدین اولیاء کے بادشاہوں کی ملاقات سے گریز ایمانی جرأت اور کمال استغناء کے دو ایمان افروز واقعات بیان کیے ہیں۔ ان واقعات کا اس موقعہ پر ذکر عوام کے لیے بالعموم اور علماء و مشائخ کے لیے بالخصوص ایک سبق اور نمونہ کا کام دے گا۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں۔

پہلا واقعہ

میں (مصنف) نے اپنے والد بزرگوار سید محمد کرمانی رحمتہ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ جن دنوں حق تعالیٰ نے سلطان المشائخ کو لوگوں میں ظاہر و مشہور کیا اور آپ کی عظمت و کرامت کا شہرہ آسمان پر فرشتوں کے کان تک پہنچا اور بڑے بڑے علماء مشائخ امراء اور بادشاہ آپ کے غلام ہوئے۔

قبلہ خسرواں روئے زمین
ہفت کشور ہمیشہ زیر نگین
تاج شاہاں خاک درگہ تو
سروراں خاک گشتہ در رہ تو
درگہ تست آسماں دگر

ماہ و خورشید پاسبانش نگر

تو حاسدوں کے دلوں میں حسد کا کانٹا چبھنے لگا اور انہوں نے بادشاہ وقت سلطان علاؤالدین خلجی کو سکھایا کہ سلطان المشائخ مقتدائے عالم ہوگئے ہیں۔ اور کوئی ایسا بشر نہیں' جو ان کے دروازے کی مٹی کو اپنا تاج سر نہ بناتا ہو۔ حکیم ثنائی نے کیا اچھا کہا ہے۔

ہر کہ او خاک نیست بر در او
گر فرشتہ است خاک بر سر او

اور سلطان المشائخ کی نعمتوں کا دستر خوان بہشتی نعمتوں کا رشک ہے۔ ایسی ایسی باتیں بادشاہ کے ذہن نشین کیں کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے سبب سے بادشاہ کی سلطنت میں خلل آئے۔ جیسا کہ گذشتہ زمانے میں بعض بادشاہوں کی سلطنت اسی فرقہ کے سبب برباد ہوئی ہے۔ جب اسی قسم کی بہت سی باتیں بادشاہ کو کہی گئیں تو بادشاہ نے جو سخت غیور تھا اور ایک ہی خیال سے بہت سی خلقت کو تہ تیغ کیا کرتا تھا اور کئی گھرانے برباد کرایا کرتا تھا۔ دل میں خیال کیا کہ ممکن ہے یہ بات سچ ہو۔ کیونکہ میرے تمام مقرب' ملازم اور متعلقین اس کے مرید و معتقد ہیں۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے۔

متابعند ترا چوں سپہر خورد و بزرگ
مسخرانند ترا چوں زمانہ پیر و جواں

کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے جس سے معلوم ہو جائے کہ فی الواقعہ شیخ صاحب کا دلی مدعا ملک گیری کا ہے یا نہیں۔ اس مطلب کے لیے اس نے ایک مسودہ تیار کیا جس میں امور سلطنت کے متعلق آپ کی رائے اور حکم طلب کیا۔ لکھا کہ چونکہ سلطان المشائخ اہل عالم کے مخدوم ہیں اور دینی اور دنیاوی ضرورت کے وقت آپ سے ملتمس ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے دنیاوی سلطنت کی باگ بندہ کے ہاتھ میں دے رکھی ہے۔ اس لیے مجھے مناسب ہے کہ ہر ایک کام میں آپ کی رائے پر عمل کروں۔ اس واسطے عرض پرداز ہوں کہ جس کام میں میری بہتری ہو' فرماویں تاکہ اس پر عملدرآمد کیا جائے۔ کیونکہ اس پر میری سلطنت اور جان کی حفاظت مبنی ہے' کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے۔

تا کمر خدمت تو بر نہ بست
چرخ بخورشید نشد تاجور

اس واسطے جناب کی خدمت میں چند امور پیش کیے جاتے ہیں۔ آپ خود دست مبارک سے ان کے بارے میں اپنی رائے لکھ بھیجیں تاکہ آپ کے حکم پر عمل کیا جائے۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے۔

اری الاسود المشکلات تمرقت
ظلماتها عن رائه المستوقد

(ترجمہ) میں مشکل امور کو دیکھتا ہوں۔ اس کی عقل کی روشنی سے ان مشکلات کی تاریکیاں دور ہوتی ہیں۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے۔

آسائش و آرائش خلائق جہاں
در طلعت مبارک ورائے متین تست

جب یہ مسودہ تیار ہو چکا تو خضر خان کو جو اس کا بڑا چاہیتا بیٹا اور سلطان المشائخ کا مرید تھا، بلا کر کہا کہ یہ کاغذ لے جا اور میرا سلام عرض کر کے یہ پیش کرنا۔ جب اس نے حاضر خدمت ہو کر وہ کاغذ سلطان المشائخ کے ہاتھ میں دیا، آپ نے مطالعہ کیے بغیر حاضرین کو فرمایا کہ ہم دعا کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ درویشوں کو بادشاہی امور سے کیا واسطہ۔ میں درویش ہوں۔ شہر کے گوشے میں زندگی بسر کرتا ہوں اور مسلمان بادشاہوں کی دعا گوئی میں مشغول ہوں۔ اگر بادشاہ اس بارے میں کچھ لکھے گا تو اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع ہے۔ میں یہاں سے اٹھ کر کسی اور شہر میں بسر کر لوں گا۔ جب خضر خان نے یہ جواب سلطان علاؤالدین کو سنایا تو بادشاہ نہایت خوش ہوا اور کہا، میں جانتا تھا کہ اس کام کو جناب سلطان المشائخ سے کچھ نسبت نہیں۔ لیکن دشمن مجھے مردان خدا سے لڑانا چاہتے تھے۔ اگر یہ بات ہو جاتی تو ملک برباد ہو جاتا۔ بعد ازاں بادشاہ نے سلطان المشائخ سے بار بار معافی مانگی اور کہلا بھیجا کہ میں جناب کا معتقد ہوں۔ میں نے جرات کی ہے، آپ معاف فرما دیں اور آپ اجازت دیں کہ میں آ کر قدم بوسی کا شرف حاصل کروں۔ سلطان المشائخ نے فرمایا، آنے کی کوئی ضرورت نہیں، میں غائبانہ دعا گوئی میں مشغول ہوں اور غائبانہ دعا کا بہت اثر ہوا کرتا ہے۔ سلطان علاؤالدین نے پھر ملاقات کے لیے التماس کی، آپ نے فرمایا کہ میرے گھر کے دو دروازے ہیں۔ اگر ایک سے بادشاہ اندر داخل ہو گا تو میں دوسرے کی راہ باہر نکل جاؤں گا۔

نیز میرے (مصنف) والد بزرگوار فرماتے تھے کہ سلطان جلال الدین انار اللہ

برہانہ نے اپنے عہد سلطنت میں بہتیرا چاہا کہ سلطان المشائخ تشریف لائیں' لیکن میسر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ اس نے امیر خسرو شاعر کو جو اس کا مصحف دار تھا' گانٹھا کہ بغیر اجازت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ امیر خسرو نے بادشاہ کے بھید کو ظاہر کرنے میں اپنی جان کی پرواہ نہ کی اور سلطان المشائخ کو اطلاع دے دی کہ کل بادشاہ قدم بوسی کے لیے حاضر خدمت ہو گا۔ آپ نے سنتے ہی اجودہن جانے کی تیاری کی اور روانہ ہوگئے۔ جب یہ خبر بادشاہ نے سنی تو امیر خسرو پر سخت ناراض ہوا کہ تو نے ہمارا بھید ظاہر کر دیا' سلطان المشائخ کی قدم بوسی سے محروم رکھا۔ امیر خسرو نے کہا' آپ کی ناراضگی سے مجھے جان کا خطرہ ہے' لیکن سلطان المشائخ کی ناراضگی ہونے سے ایمان کے سلب ہونے کا اندیشہ ہے۔ بادشاہ دانا تھا' اس جواب کو پسند فرمایا۔ 1

دوسرا واقعہ

جن دنوں سلطان علاؤالدین **خلجی** کے بیٹے سلطان قطب الدین نے سلطان المشائخ سے جھگڑنا چاہا اور جھگڑے کا ایک باعث یہ تھا کہ سلطان قطب الدین نے ہی جامع مسجد نئی بنوائی اور پہلے جمعہ کو تمام مشائخ اور علماء کو طلب کیا کہ اس جمعہ کی نماز اس مسجد میں ادا کریں۔ سلطان المشائخ نے کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس ہی مسجد ہے اور یہاں جمعہ ادا کرنا زیادہ اچھا ہے۔ ہم یہیں ادا کریں گے۔ چنانچہ آپ نہ گئے۔ دوسرا باعث بس جھگڑے کا یہ تھا کہ رسم تھی کہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو تمام امام اور مشائخ اور امراء و وزراء نئے چاند کی مبارکباد دینے کے لیے بادشاہ کے ہاں جایا کرتے تھے۔ لیکن سلطان المشائخ نہیں جایا کرتے تھے۔ آپ اقبال نامی خادم کو بھیج دیا کرتے۔ حسب معمول جب اقبال آیا' تو مدعیوں اور حاسدوں نے موقعہ پا کر بادشاہ سے کہا کہ دیکھو آپ کے فرمان کے مطابق سلطان المشائخ نے نہ جمعہ کی نماز نئی مسجد میں ادا کی اور نہ مبارکباد دینے کے لیے آئے بلکہ خادم کو بھیج دیا۔ بادشاہ نے بادشاہی کے غرور میں آکر کہا کہ اچھا اگر اگلے مہینے نہ آئیں گے تو ہم جس طرح بلوایا کرتے ہیں' بلوا لیں گے۔ جب سلطان المشائخ نے یہ بات سنی تو آپ نے کچھ نہ کہا اور اپنی والدہ محترمہ کی قبر پر گئے اور عرض کی کہ اس بادشاہ کی نیت مجھے تکلیف پہنچانے کی ہے۔ اگر اگلے مہینے کی پہلی تاریخ تک اس کا کام تمام نہ ہوا تو میں آپ کی زیارت کو نہیں آیا کروں گا۔ آپ نے نازونیاز سے یہ بات اپنی والدہ ماجدہ سے کہی اور گھر چلے آئے۔ آپ کے یار بادشاہ کی بات سے سخت ناراض و مشوش تھے۔ جوں جوں مہینہ قریب ہوتا' مخلصوں کی توجہ

1- سیرالاولیاء (اردو) ص 118 تا 120

زیادہ ہوتی جاتی، لیکن سلطان المشائخ اس بھروسے پر خاطر جمع تھے کہ میں نے والدہ ماجدہ سے کہہ دیا ہے۔ آپ سجادہ کرامت پر قائم تھے کہ دیکھئے غیب سے کیا ظہور آتا ہے۔ جب چاند نکلا اور خلقت اس بات کی منتظر ہوئی کہ صبح بادشاہ کی طرف سے سلطان المشائخ کو بلایا جائے گا تو اسی رات آسمان سے بادشاہ کی جان پر بلا نازل ہوئی۔ یعنی خسرو خاں بلغاک نے سلطان المشائخ کے دشمن کا سر تن سے جدا کیا۔ بدن کو محل پر پھینک دیا اور سر نیزے پر رکھ کر خلقت کو دکھلایا۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے:

اے رو بہک نشستی بجائے خویش
باشیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش 1

1۔ سیر الاولیاء ص 133-134 (اردو ترجمہ)

فصل سوم

صوفیہ کے نزدیک خدمت خلق کی اہمیت

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بتسبیح و سجادہ و دلق نیست

عبادت کا مفہوم

مخلوق خدا کی خدمت کرنا' ان کے کام آنا' ان کے مصائب و آلام کو دور کرنا' ان کے دکھ درد کو بانٹنا اور ان کے ساتھ ہمدردی و غمخواری اور شفقت کرنے پر شریعت نے کتنا زور دیا ہے۔ یہ خدمت خلق اور شفقت علی الخلق کتنی بڑی نیکی اور کتنی بڑی عبادت ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کا کیا مقام ہے' یہ ایک مستقل لمبا چوڑا موضوع ہے' جس کی یہاں قطعاً گنجائش نہیں۔ تاہم اتنی بات عرض کر دینا ضروری ہے کہ قرآن کے مطابق انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت الٰہی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ☆ (سورہ الذاریات: 56)

"اور میں نے جنات اور انسانوں کو پیدا ہی اسی غرض سے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں"۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ عبادت سے یہاں مراد فقہ کی کتاب العبادات والی عبادت پنجگانہ مراد نہیں بلکہ اپنے وسیع و عام مفہوم میں طلب رضاء الٰہی کے مترادف مراد ہے۔ امام رازی نے کہا ہے کہ ساری عبادتوں کا خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک امر الٰہی کی تعظیم دوسرے خلق خدا پر شفقت۔ دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی۔ تفسیر کبیر میں ہے:

ما العبادہ التی خلق الجن والانس لھا قلنا التعظیم لامر اللہ والشفقہ علی خلق اللہ فان ھذین النوعین لم یخل شرع منھما☆

"وہ عبادت کیا ہے جس کے لیے جنوں اور انسان کو پیدا کیا گیا تو ہم کہیں گے کہ یہ امر الٰہی کی تعظیم اور خلق خدا پر شفقت کا نام ہے۔ کیونکہ یہ دو چیزیں ایسی ہیں جن سے کوئی شریعت خالی نہیں رہی"۔ 1

1۔ بحوالہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی: تفسیر ماجدی: 2:45 (تحت آیت)

عبادت کے مفہوم میں وسعت کا اندازہ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ سورہ البقرہ میں ارشاد ہوا:

(ترجمہ): "نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ' قیامت کے دن' فرشتوں' (آسمانی) کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اس کی محبت میں مال صرف کرے قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں' راہگیروں اور سائلوں پر اور گردنوں کے آزاد کر دینے میں"......(سورہ البقرہ:177)

حقیقت عبادت

یہ ملت اسلامیہ کی بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ اس نے صرف نماز' روزہ' حج اور زکوۃ کو ہی عبادت کا حدود اربعہ سمجھ رکھا ہے اور اخلاقیات' معاملات اور معاشرت کو دین کے دائرہ سے نکال دیا ہے۔ حالانکہ یہ بھی جزو دین ہیں اور اسلام کے اندر ان کی بھی اتنی ہی اہمیت ہے' جتنی ایمانیات کی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایمانیات کا تعلق انسان کی ذات سے ہے اور معاملات و اخلاقیات کا تعلق پوری قوم' پورے سماج اور سارے معاشرہ سے ہے جس کی وجہ سے معاملات اور اخلاقیات کو ایمانیات پر فوقیت حاصل ہے۔

نماز' روزہ' حج اور زکوۃ اگرچہ ارکان اسلام میں سے ہیں اور اسلام کی ساری کی ساری عمارت انہی ستونوں پر کھڑی ہے مگر یہ ارکان اسلام بذات خود عبادت نہیں' محض عبادت کی صورتیں ہیں۔ نماز اسلام کا اہم ترین فریضہ ہے۔ اس کے اوقات مقرر ہیں۔ مقررہ وقت پر نماز پڑھنا باعث ثواب ہے اور اس کا نہ پڑھنا گناہ عظیم! لیکن اگر یہی فریضہ عین اس وقت ادا کیا جائے جبکہ سورج طلوع یا غروب ہو رہا ہو یا عین ہمارے سروں پر کھڑا ہو تو اس وقت نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہ نماز پڑھنا عبادت ہے اور نہ ممنوعہ اوقات میں نماز چھوڑنا عبادت ہے بلکہ جس نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اس کا حکم ماننا عبادت ہے۔ ماہ رمضان میں روزہ رکھنا فرض ہے اور اس کا بلاعذر شرعی ترک کرنا گناہ ہے۔ لیکن یہی روزہ اگر عید کے دن رکھا جائے تو حرام ہے جس سے ثابت ہوا کہ نہ روزہ رکھنا عبادت ہے اور نہ ممنوعہ دن روزہ ترک کرنا عبادت ہے۔ بلکہ روزہ کے متعلق حاکم حقیقی کا حکم ماننا عبادت ہے۔ سو عبادت دراصل اطاعت الٰہی کا نام ہے کہ اس نے جس طرح انسان کو زندگی بسر کرنے کا حکم دیا ہے اور اس نے جس قدر حقوق و فرائض مقرر کیے ہیں وہ ان کو کماحقہ ادا کرتا رہے تو اس کی ساری زندگی عبادت ہے' ورنہ بغاوت!

خدمت خلق

غرض کہ اس امر میں اب شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ عبادت صرف

نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج کا نام نہیں بلکہ ہر سانس پر' ہر قدم اور ہر معاملہ میں اطاعت الٰہی کا نام ہے اور اطاعت الٰہی میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں شامل ہیں۔ حقوق اللہ کے مقابلہ میں حقوق العباد کی فہرست بڑی طویل ہے۔ کہیں انسان کی اپنی ذات کے حقوق ہیں' کہیں والدین کے حقوق ہیں' کہیں اساتذہ کے حقوق ہیں' کہیں رشتہ داروں کے حقوق ہیں' کہیں دوستوں کے حقوق ہیں' کہیں ہمسایوں کے حقوق ہیں اور کہیں اہل عالم کے حقوق ہیں۔ یہاں تک کہ جانوروں تک کے حقوق ہیں اور انہی حقوق کی کما حقہ ادائیگی پر معاشرہ کی صحت اور حسن کا دارومدار ہے۔ حقوق اللہ کے مقابلے میں حقوق العباد کی زیادہ اہمیت ہے' کیونکہ یہ مخلوق حق تعالیٰ کی عیال ہے۔ ایک حدیث میں نبی اکرم ؐ نے فرمایا:

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ۔ 1

"ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اس لیے اللہ کے نزدیک تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ آدمی وہ ہے جو اس کے کنبے (مخلوق) کے ساتھ نیکی کرے"۔

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا
کہ ساری مخلوق ہے کنبہ خدا کا

جتنی محبت ایک ماں کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے' اس سے کہیں زیادہ محبت خالق کو اپنی مخلوق سے ہے۔ اور وہ اسی کو زیادہ مقبول رکھتا ہے جو اس کی مخلوق کو محبوب رکھے۔ اس کے دکھ سکھ کو اپنا دکھ سکھ سمجھے اور اس کی حتی الوسع خدمت کرتا رہے۔ اسی لیے علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

مثلاً آپ کا ملازم یا نوکر آپ کی لاکھ تابعداری اور اطاعت گزاری کرے لیکن آپ کی اولاد کو اچھا نہ سمجھے۔ اس سے کبیدہ خاطر رہے' اس کی خدمت کرنے کی بجائے اسے اذیت پہنچائے اور تکلیف دے' تو یقیناً آپ اس کی اطاعت گزاری کے باوجود اسے اچھا نہ سمجھیں گے۔ اس کو بار خاطر ہی سمجھیں گے۔ اسے اپنی نظر شفقت سے محروم رکھیں گے یا اسے نکال دیں گے۔ یہی معاملہ خالق و مالک کا ہے۔ نماز پڑھنا' روزے رکھنا' حج کرنا اور

1۔ مشکوٰۃ ص 425' طبع کراچی۔

زکوۃ دینا تو اسی طرح آپ کے فرائض ہیں جس طرح ایک سرکاری ملازم اپنی ڈیوٹی دیتا ہے۔ اگر وہ اپنے فرضِ منصبی کے علاوہ سوشل سرگرمی دکھاتا ہے اور راعی و رعایا کے تعلقات کو زیادہ خوشگوار بنانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ یقیناً اپنے افسران بالا کی گڈبک میں آ جاتا ہے۔ اس لیے محض فرائض کی ادائیگی آپ کو عنداللہ اتنا محبوب و مقبول نہیں بنا سکتی، جتنا کہ آپ خلق خدا کی خدمت کے ذریعہ محبوب و مقبول بن سکتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ سماج کی فلاح و بہبود، معاشرہ کی تعمیر و تطہیر، مخلوق خدا کی رضاکارانہ خدمت اسلام میں فرائض سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

نوافل کے مقابلے میں فرائض کی حقوق اللہ کے مقابلہ میں حقوق العباد کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ مولا پاک تو غنی ہیں، وہ ہماری عبادت کے محتاج نہیں۔ اس کے پاس پہلے سے ہی فرشتوں کی ایک ایسی معصوم مخلوق موجود ہے جو ہر وقت عبادت میں مشغول رہتی ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

اب ایک حدیث شریف ملاحظہ فرمالیجئے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام میں خدمت خلق کی کتنی بڑی اہمیت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت کے دن ایسا ہو گا کہ خدا ایک انسان سے کہے گا، اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا، مگر تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ متعجب ہو کر کہے گا، بھلا ایسے کیوں کر ہو سکتا ہے اور تو تو رب العالمین ہے۔ خدا فرمائے گا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ تیرے قریب بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی خبر نہیں لی تھی۔ حالانکہ اگر تو اس کی بیمار پرسی کے لیے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ (یعنی اس کی خدمت کرنے ہی میں میرے لیے خدمت گزاری تھی) اسی طرح خدا فرمائے گا، اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، مگر تو نے مجھے نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا، بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے کسی بات کی احتیاج ہو؟ خدا فرمائے گا، کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کر دیا تھا۔ اگر تو اسے کھلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا"۔ 1

1۔ مسلم عن ابی ہریرۃ، مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجنائز باب عیادۃ المریض و ثواب المرض ص 134-133، طبع کراچی۔

یہ "اطعام الطعام" (کھانا کھلانا) صوفیاء کے نزدیک کتنا بڑا عمل ہے؟ اس کا اندازہ غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول سے لگائیے۔ فرمایا:

فتشت الاعمال کلها فما وجدت فیها افضل من اطعام الطعام' اود لو کانت الدنیا بیدی فاطعمها الجیاع۔ 1

"میں نے تمام اعمال کا جائزہ لیا تو ان میں (مخلوق خدا کو) کھانا کھلانے سے بڑھ کر کوئی زیادہ فضیلت والا عمل نہ پایا۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا بھی میرے ہاتھ میں ہوتی تو اسے بھوکوں کے کھانے میں صرف کر دیتا"۔

الغرض یہاں مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ ان صوفیاء کے نزدیک جنہیں عموماً کرامتوں اور خرق عادت واقعات کے مجسمے سمجھا جاتا ہے اور جن کے متعلق یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ نماز' روزے اور اوراد و وظائف کے علاوہ انہیں کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ ان کے نزدیک بندگان الٰہی کی خدمت کیا درجہ رکھتی ہے؟ اور اس خدمت کو انہوں نے اوراد و وظائف اور نفلی عبادات سے کس طرح مقدم سمجھا ہے؟ لوگوں کی راحت رسانی ان کے مسلک میں کیا درجہ رکھتی ہے؟ آگے چل کر خدمت خلق کے سلسلے میں ان کے عملی نمونے بھی عرض کیے جائیں گے اور ثابت کیا جائے گا کہ وہ کس طرح غرباء و مساکین اور زائرین کا خیال رکھتے تھے۔ مگر یہاں صرف صوفیاء کے نزدیک خدمت خلق کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ وہ کس طرح سراپا دلسوزی اور دردمندی تھے۔

محبت الٰہی کی عملی راہ

مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن (2) میں فرمایا ہے:

"خدا کی محبت کی راہ اس کے بندوں کی محبت میں سے ہو کر گزری ہے جو انسان چاہتا ہے کہ خدا سے محبت کرے' اسے چاہیے کہ خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے"۔

1۔ (الف) شذرات الذهب فی اخبار من ذهب: 4:200' طبع قاہرہ 1350ھ

(ب) سیر اعلام النبلاء للذهبی ج 20 (تحت ترجمہ شیخ عبدالقادر جیلانی)

2۔ ترجمان القرآن' ج 1' ص 81 (بحوالہ تاریخ مشائخ چشت ص 45)

صوفیاء کرام نے محبت الٰہی کی اس عملی راہ کو اختیار کیا تھا۔ ان کی زندگیاں خدمت خلق کے لیے وقف تھیں۔ کسی کو تکلیف میں دیکھتے تو دل پریشان ہو جاتا۔ بھوکوں کا خیال آتا تو لقمے حلق میں اٹکنے لگتے۔ ملفوظات مشائخ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہو گا کہ خدمت خلق کو ان بزرگوں نے اپنی زندگی کا اہم ترین فریضہ بنالیا تھا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی جس میں لکھا ہوا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچاؤ کیونکہ مومن کا دل اسرار ربوبیت کا محل ہے۔ ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے ؎

میکوش کہ راحتے بجانے برسد
یادست شکستہ بنانے برسد

اور فرمایا کہ قیامت کے بازار میں کوئی اسباب اتنا مروج اور قیمتی نہ ہو گا، جتنا دلوں کو راحت پہنچانا۔ 1

شاہ سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کی خانقاہ کے دس دروازے تھے، ہر دروازے پر ایک کاتب بیٹھا رہتا تھا جو حاجت مند آتا اس کی حاجت کو لکھ کر دے دیتا۔ (نافع السالکین ص 107) اس پر حضرت کی مہر لگادی جاتی تھی جس کا سجع تھا:

"ذکر مولیٰ از ہمہ اولیٰ"

در رعایت دلہا بکوش
نظام دین بدنیا مفروش

حاجت مند یہ پرچہ جس امیر کے پاس لے جاتا وہ اس کی حاجت براری کو اپنے لیے سعادت دارین سمجھتا تھا۔ خانقاہ کے دروازے ہر شخص کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ 2

1۔ سیرالاولیاء، اردو ترجمہ ص 114-115 مطبوعہ گلے زئی تاجران کتب، لاہور۔

2 تاریخ مشائخ چشت ج 5، ص 160، طبع دلی۔

لازمی اور متعدی نیکی

خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

"طاعت دو طرح کی ہوتی ہے۔ لازمی اور متعدی لازمی وہ ہے جس کا نفع صرف کرنے والے کی ذات کو پہنچے اور یہ نماز' روزہ' حج' ورد اور تسبیح ہے۔ متعدی وہ ہے جس سے اوروں کو فائدہ پہنچے' اتفاق' شفقت۔ غیر کے حق میں مہربانی کرنا وغیرہ اسے متعدی طاعت کہتے ہیں' اس کا ثواب بے شمار ہے"۔ 1

خود حضرت محبوب الٰہی کی حیات طیبہ اس طاعت متعدی کی بہترین مثال ہے۔ حضرت بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ کے ایک عزیز' خواجہ عزیز الدین' ایک دعوت میں شرکت کرنے کے بعد حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے دریافت کیا' کہاں تھے؟ عرض کیا' ایک دعوت میں گیا تھا۔ وہاں لوگ یہ کہتے تھے:

خدمت شیخ نظام الدین عجب فراغ باطنی دارد' و اریچ غمے و اندیشہ ایں جہاں نیست۔

"شیخ نظام الدین کو بڑا فراغ باطنی حاصل ہے' انہیں اس جہاں کا کوئی غم اور فکر نہیں ہے"۔

حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا:

"جس قدر غم و اندوہ مجھے رہتا ہے' کسی کو اس جہاں میں نہ ہو گا۔ اس واسطے کہ اتنی مخلوق میرے پاس آتی ہے' اور اپنے رنج اور تکلیف بیان کرتی ہے۔ ان سب کا بوجھ میرے جان و دل پر پڑتا ہے۔ وہ عجب دل ہو گا جو مسلمان بھائی کا غم سنے اور اس پر اثر نہ ہو"۔ 2

حضرت محبوب الٰہی اور خلق خدا کا غم

مصیبت زدوں اور غریبوں سے سچی ہمدردی صرف وہی کر سکتا ہے جو مصیبت اور غربت کی تمام تکلیفوں کو اپنے اوپر طاری کر سکتا ہو' جس کو پیٹ بھر کر کھانا ملے۔ وہ فاقہ زدوں کی حالت کا کیا اندازہ لگا سکتا ہے' جس کو زندگی کی تمام آسائشیں میسر ہوں۔ وہ کس طرح حاجت مندوں کی بے چینی اور تکلیف کا احساس کر سکتا ہے!

حضرت محبوب الٰہی کی زندگی کے واقعات شاہد ہیں کہ ان کی اخلاقی تعلیم زبان

1۔ فوائد الفواد ص 14-13' سیر الاولیاء (اردو) ص 370

2۔ خیر المجالس' (قلمی نسخہ) مجلس سی ۔ یم 31

تک محدود نہ تھی۔ وہ ان اخلاقی اصولوں کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ گرمی کا موسم تھا' ایک دن حاضرین کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ سائے میں جگہ نہ رہی۔ لوگ دھوپ میں بیٹھنے لگے۔ حضرت محبوب الٰہی کی طبیعت بے چین ہوگئی۔ فرمایا:

"ذرا پاس پاس ہو بیٹھو تاکہ وہ بھی سائے میں بیٹھیں' کیونکہ دھوپ میں بیٹھے تو وہ ہیں اور جلتا میں ہوں"۔ 1

حضرت محبوب الٰہی اکثر روزہ رکھا کرتے تھے' لیکن اس طرح کہ شاذ و نادر ہی کبھی سحری کھائی ہو۔ خواجہ عبدالرحیم جن کے ذمہ سحری کا حضرت کی خدمت میں پیش کرنا مقرر تھا' عرض کرتے: مخدوم! آپ نے افطار کے وقت بہت ہی کم کھانا تناول فرمایا ہے۔ اگر سحری کے وقت بھی تھوڑا سا کھانا تناول نہ کریں گے تو ضعف بڑھ جائے گا اور طاقت سلب ہو جائے گی۔ خواجہ عبدالرحیم کی یہ بات سن کر حضرت محبوب الٰہی زار و قطار رونے لگتے اور فرماتے:

"بہت سے مساکین اور درویش مسجدوں کے کونوں اور دکانوں میں بھوکے اور فاقہ زدہ پڑے ہوئے ہیں۔ بھلا یہ کھانا میرے حلق میں کس طرح اتر سکتا ہے۔ اسی طرح کھانا اٹھالیا جاتا۔ 2

سلسلہ چشتیہ میں اطعام (کھانا کھلانے) کی فضیلت سب سے زیادہ ہے۔ مشائخ نے ہر آنے جانے والے کے لیے لنگر عام رکھا ہے۔ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ درویش کی شان ہی اطعام ہے۔ ایک اور موقعہ پر فرمایا' یہ ہمارے خانوادے کی خصوصیات میں سے ہے۔ حضرت باباصاحب کی خدمت میں کوئی شخص اپنی مصیبت بیان کر کے دعا کرانے یا تعویذ لینے آتا تھا تو آپ اصرار کرتے تھے کہ پہلے کچھ کھالو۔ حضرت محبوب الٰہی کا بھی اس پر عمل رہا۔ آپ نے متعدد بار اپنی مجلسوں میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ

من زار حیا ولم یذق منہ شیئا فکانما زار میتا

"جس نے کسی زندہ شخص سے ملاقات کی اور اس کے ہاں کچھ نہ چکھا تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی"۔ 3

1۔ فوائد الفواد ص 91' سیر الاولیاء (مترجم) ص 532

۲۔ سیر الاولیاء' اردو ترجمہ ص 114' مطبوعہ لاہور۔

3۔ فوائد الفواد ص 233 بحوالہ چشتی تعلیمات از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص 42-43

عیسائی مشنریوں اور صوفیاء کی خدمت خلق میں فرق

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے لکھا ہے: آج دنیا بھر میں عیسائی مشنریاں صرف ایک نعرہ خدمت
(SERVICE OF HUMANITY)
کو لے کر دوسرے مذاہب کو شرمندہ کر رہی ہیں۔ ان کے پاس بڑے مالی وسائل ہیں۔ جنگ کے میدان میں زخمیوں کی خدمت' ہسپتال قائم کر کے مریضوں کا علاج' قحط زدہ علاقوں میں خوراک سے بھوکوں کی امداد' تعلیمی اداروں وغیرہ کا قیام۔ ان کی سرگرمیاں مختلف نوعیت کی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ بائبل کے مواعظ بھی سناتی ہیں' عیسائیت کا لٹریچر مفت تقسیم کرتی ہیں' تبدیل مذہب کا لالچ دیتی ہیں اور ان کا مذہب قبول کرنے والوں کو بہت سی رعایتیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ پسماندہ اور جاہل اور استحصال کے شکار علاقوں میں انہیں خاصی کامیابی ہوئی ہے۔

یہ چشتی صوفیا بھی دراصل اسلام کے مبلغ (MISSIONARIES) تھے مگر کیا ان کے پاس اتنے عظیم فنڈ تھے؟ کیا ان کی تحریک اتنی منظم تھی؟ کیا وہ پروپیگنڈے کے فن سے کام لیتے تھے۔ کیا وہ مظلوموں اور بیکسوں کی امداد کسی ذاتی یا سیاسی غرض سے کرتے تھے؟ بے سروسامانی اور فقر محض کے باوجود ان کی خانقاہوں میں دن رات لنگر جاری تھا۔ فتوح میں نقد آیا تقسیم ہو گیا' نذرانے میں اشرفیاں آئیں لٹ گئیں' ہدیہ میں کپڑا آیا بانٹ دیا گیا۔ دنیا کی کوئی جماعت یا ادارہ یا مشنری یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ انہوں نے ان مشائخ سے زیادہ دلسوزی سے مجروح انسانیت کی خدمت کی ہوگی۔

خواجہ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ کا حال ان کے خلیفہ خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی نے یوں بیان کیا:

از پگاہ تا شام خلق بیامدے۔ نماز خفتن ہم خلق برسیدے۔ اما خواہندہ بیش ازاں بود کہ آرندہ و ہر کہ چیزے بیاوردے چیزے یافتے"۔

یعنی صبح سے شام تک خلق خدا آتی رہتی تھی' عشاء کی نماز کے وقت بھی یہ سلسلہ جاری رہتا تھا مگر مانگنے والوں کی تعداد نذر دینے والوں سے زیادہ ہی ہوتی تھی جو کوئی چیز نذر لاتا تھا وہ کچھ نہ کچھ عطیہ پاتا تھا۔ (خیر المجالس: 257) حضرت بابا فرید گنج شکر کی خانقاہ کے دروازے بھی نصف شب تک کھلے رہتے تھے اور "ہیچ کس بخدمت ایشاں نیامدے کہ اور اچیزے نصیب نہ کردے" (فوائد الفواد: 125)

اور فرماتے تھے کہ "ہر کہ بر من می آید چیزے می آرد۔ اگر مسکینے بیاید

وچیزے نیارد ہر آئینہ مرا چیزے بدو باید داد (فوائد الفواد: 336) 1

شیخ عزیز اللہ کا بے وسیلہ آدمی کی خاطر اعتکاف توڑ دینا۔

زائرین کی خدمت اور ان کی حاجت کو پورا کرنا صوفیاء کے نزدیک کس طرح ضروری اور فوری ہے۔ اس کا اندازہ ملا عبدالقادر کی شنیدہ نہیں بلکہ ان کی اس دیدہ شہادت سے لگایئے جو انہوں نے شیخ عزیز اللہ کے متعلق نقل کی ہے کہ ان کا عام حال یہ تھا:

از جہت شفاعت ہر فقیرے بیچارہ کہ رجوع باو کردے ہرچند در اعتکاف اربعین ہم بودے اگر ہمہ بخانہ بے گانہ از دین بانستے رفت مسافت بعیدہ را پیادہ طے می نمود و بعد از انجاح حاجت آں محتاج باز بحجرہ اعتکاف رفتہ مشغول می شد۔

"جو کوئی محتاج بے وسیلہ آدمی ان کے پاس سفارش کے لیے حاضر ہوتا' شیخ خواہ چلہ ہی میں کیوں نہ بیٹھے ہوں اور کسی ایسے شخص کے پاس ہی سفارش نہ کرنی پڑتی ہو جو دین سے بیگانہ ہوتا' لیکن باوجود ان تمام باتوں کے شیخ پیدل اس شخص کے گھر جاتے مکان اس کا جتنے فاصلہ پر بھی ہو' ضرورت مند کی حاجت جب پوری ہو جاتی تب پھر چلہ کے حجرہ میں واپس ہو کر اپنے اشغال میں مشغول ہو جاتے"۔

ملا صاحب نے لکھا ہے کہ ان کے طرز عمل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سفارش کے لیے چلہ کے اعتکاف سے باہر ہونے کو چلہ کشی کے منافی نہیں خیال کرتے تھے۔ ملا صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

گویا شکستے در اعتکاف واقع نہ شد

"گویا سمجھتے تھے کہ ان کے اعتکاف کا تسلسل اس سے نہیں ٹوٹتا تھا"۔

واللہ اعلم اعتکاف کو پھر نئے سرے سے شروع کرتے تھے' یا نفلی اعتکاف ہونے کی وجہ سے اس قسم کے اربعینات میں وہ اس لیے باہر نکلنے کو جائز سمجھتے تھے' خیر یہ تو فقہ اور تصوف کا علمی مسئلہ ہے امام محمد وغیرہ کی جو رائے نفلی اعتکاف کے متعلق ہے اس کے لحاظ سے گنجائش بھی پیدا ہوتی ہے۔ مجھے اس وقت ان بزرگوں کے نقطہ نظر کو پیش کرنا ہے' قومی ہمدردیوں کے مدعیوں کے لیے اس میں کتنی بصیرتیں ہیں۔ ملا صاحب نے لکھا ہے کہ:

---

1 (الف) بحوالہ چشتی تعلیمات از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی استاذ شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی' ص 37 و 85' طبع ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور۔ (ب) راحت القلوب (ملفوظات بابا فرید گنج شکر مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاء) مجلس دوم

ایں عبادت متعدی را تقدم بر عبادت لازم نہادے۔

"یعنی ان کا خیال تھا کہ کسی غریب آدمی کی حاجت براری کا کام چونکہ ایسی عبادت ہے جس سے دوسرے کو نفع پہنچتا ہے یعنی متعدی ہے۔ اس لیے لازمی عبادت پر جس کے منافع صرف اپنی ذات کی حد تک محدود رہتی ہیں' اس کو ترجیح حاصل ہے۔ اسی لیے سفارش کو چلہ کشی کی عبادت سے مقدم خیال کرتے تھے"۔

ذرا ان بزرگوں کی نگاہ کی بلندیوں کو دیکھئے' صرف یہی نہیں کہ اعتکاف اور چلہ کو توڑ دیتے تھے بلکہ ملا صاحب کا جیسا کہ بیان ہے کسی قسم کا آدمی ہو' دین سے بیگانہ ہی کیوں نہ ہو' فاسق ہو' فاجر ہو' لیکن غریب مسلمان کا کام نکلتا ہے۔ اس لیے ان کو ایسوں کے پاس جانے میں بھی عذر نہیں ہوتا تھا۔ کل کیا دن تھے اور آج ان ہی کے اخلاف کا کیا حال ہے اور بات اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی ہے ملا صاحب نے اس کے بعد جو یہ اضافہ کیا ہے کہ:

گاہے چناں بودے کہ اگر کافرے یا ظالمے مرتبہ اول شفاعتش قبول نہ کردہ یا عمداً از خانہ بدر نیامدہ شیخ تمام روز بر خانہ او نشستے۔

"کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اگر کسی کافر یا ظالم حاکم کے پاس شیخ کی سفارش کارگر نہ ہوتی' اور وہ اس کو قبول نہ کرتا' یا قصداً گھر سے باہر نہ نکلتا تو دن بھر شیخ اس کے دروازہ پر بیٹھے رہتے"۔

سن رہے ہیں' فاسق اور فاجر ہی نہیں کافر اور ہندو عہدہ داروں کے پاس بھی اس غرض کے لیے جانے میں نہیں ہچکچاتے تھے۔ نفس کا یہ حال ہے کہ قصداً عہدہ دار باہر نہیں نکل رہا ہے' لیکن وہ ہیں کہ اس کے دروازے پر اس لیے دھرنے مارے بیٹھے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کا کام نکلتا ہے' نہ عزت کی پروا ہے اور نہ پوزیشن کی کیونکہ شیخ کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ ان کے علمی وقار کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ ملا عبدالقادر جیسے آدمی ان کے شاگرد ہیں' اور اس تلمذ پر ان کو فخر ہے' خود لکھا ہے کہ:

در درس آں صاحب کمال بعضے کتب رسائل تصوف استفادہ نمودہ الحمد للہ۔

"اس باکمال بزرگ کی خدمت میں تصوف کے چند رسالوں کے پڑھنے کا مجھے بھی موقعہ ملا ہے' الحمد للہ"۔

علاوہ علوم باطنی کے ملا صاحب کا بیان ہے:

"در علوم ظاہری ہم کامل و مکمل بود و تفسیر عرائس و عوارف و فصوص الحکم و شروحش بہ تلامذہ درس گفتے' صاحب تصانیف مشہور است"۔

بہرحال اگر عہدہ دار اس دن ہاتھ نہ آتا' یا شیخ کی سفارش نہ سنتا تو شیخ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے' ملا صاحب نے لکھا ہے کہ:

روز دیگر بدر بار او مکرر رفتہ و دم نزدہ و ازیں معنی ہیچ رنگ کدورتے بر آئینہ خاطر غیب نمائش نہ نشستہ۔

"دوسرے دن پھر (اسی کافر یا ظالم عہدہ دار) کے دربار میں جاتے اور کوئی شکوہ یا گلہ نہ کرتے' نہ ان کے دل میں اس طرز عمل سے کوئی کدورت پیدا ہوتی"۔

کچھ اس طرح لپٹ جاتے تھے کہ بالآخر:

تا آنکہ مشفوع عنہ خود شرمندہ و خجلت زدہ درپائے اومی افتاد و حاجت آں فقیر راسمعاً و طاعۃ بر می آورد۔

"وہ شخص جس سے سفارش کی جاتی تھی' خود شرمندہ اور خجل و نادم ہو کر شیخ کے پاؤں پر گر پڑتا اور یوں بخوشی و رضا اس بیچارے غریب کا کام نکل جاتا"۔

اسلام کے ان اکابر کا حال پڑھیے اور اس پر غور کیجئے، آپ کو نظر آئے گا کہ امراء اور غرباء کے درمیان، ان ہی بزرگوں کا وجود حلقہ اتصال بنا ہوا تھا اور میرا خیال ہے کہ ان کی خانقاہوں کے لنگر خانے جہاں اپنے اندر دوسرے اغراض رکھتے تھے، ایک بڑا کام ان سے یہ بھی نکلتا تھا کہ ملک کے غریبوں، مسافروں، بے وسیلوں کی پناہ گاہ یہ خانقاہیں بنی ہوئی تھیں، بلکہ ان ہی کے ذریعہ سے غریبوں تک بھی وہ نعمتیں پہنچ جاتی تھیں، جن کا نام بھی اس زمانہ کے غریبوں نے شاید نہ سنا ہو۔ 1

حاجت مندوں کی حاجت روائی وظائف سے مقدم

خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

"مشائخ طبقات اور اولیاء نے فرمایا ہے کہ اگر فرضاً کوئی شخص وردوں میں یا بندگی میں مشغول ہو اور کوئی حاجت مند آوے اور اس سے ملنا چاہے تو اسے لازم ہے کہ سب کام چھوڑ کر اس کے کام میں مشغول ہو جاوے اور جس قدر مقدور ہو، اس میں کوشش کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی حاجت کو پورا کرتا ہے، خدا تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے اور قیامت کے دن بہشت میں جائے گا اور مہتر آدم علیہ السلام کا ہمسایہ ہو گا"۔ 2

جب کوئی مسافر اور زائر کسی درویش (صوفی) کے پاس پہنچے تو اس صوفی کو زائر و مسافر کی کس طرح خدمت کرنی چاہیے، کس طرح توجہ دینی چاہیے اور اسے کس طرح راحت و سکون پہنچانا چاہیے۔ اس کا اندازہ بابا فریدالدین گنج شکر کے اس بیان سے کیجئے۔

حضرت (بابا صاحب) نے فرمایا کہ اے درویش! خواجہ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز اگر سجادہ پر بھی تلاوت وغیرہ میں مصروف ہوتے اور اس وقت کوئی شخص ان کے پاس آ جاتا تو وہ تلاوت کرنا چھوڑ کر اس کا ہاتھ چومتے اور اس سے بات کرنے لگتے اور وہ جو کچھ بھی اپنی ضرورت پیش کرتا اس کو پوری کرتے اور جب وہ واپس جاتا تو پھر خواجہ تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔

1۔ مولانا مناظر احسن گیلانی ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ص 225 تا 228، طبع حیدر آباد دکن 1944ء

2۔ انیس الارواح اردو ترجمہ (ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی) مرتبہ خواجہ معین الدین اجمیری ص 33، مطبوعہ اللہ والے کی قومی دوکان کشمیری بازار لاہور۔

پھر حضرت (باباصاحب) نے فرمایا کہ اے درویش! صاحب سجادہ اور بزرگوں کو لازم ہے کہ اگر وہ تلاوت کر رہے ہوں اور اس وقت بھی کوئی آنے والا آ جائے تو اس کو چھوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیں اور اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اس لیے کہ مذہب سلوک میں آیا ہے کہ حاجت مندوں کی طرف متوجہ ہونا ورد وظائف سے زیادہ افضل ہے۔ اس لیے کہ حاجت مندوں کے کام میں مشغول ہونے میں سال بھر کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ 1

درویش اور مسافروں کی خدمت

زائرین اور آنے والوں کے ساتھ ایک درویش کا کیا رویہ ہونا چاہیے۔ اس کی کتنی خدمت اور خاطر تواضع کرنی چاہیے' اسے آرام و سکون پہنچانے کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کرے۔ اس کا بیان حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی معروف عالم کتاب **کشف المحجوب** کے اس ایمان افروز اقتباس میں دیکھیے۔ فرماتے ہیں:

"جب کوئی درویش سفر چھوڑ کر اقامت اختیار کر لے تو اس کے ادب کی شرط یہ ہے کہ جب کوئی مسافر اس کے پاس پہنچے تو وہ اس کی عزت کرتے ہوئے اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے اور کامل ادب و احترام سے اس کو قبول کرے اور یوں سمجھے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے باعظمت مہمانوں میں سے ہے اور اس کے ساتھ وہی سلوک کرے جو ابراہیم علیہ السلام اپنے مہمانوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ یعنی تکلف کیے بغیر جو کچھ ہو موجود ہو لا حاضر کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے' **فجاء بعجل سمین** "پس آپ موٹا تازہ بچھڑا بھنا ہوا لے آئے" اور ادب کا خیال رکھتے ہوئے یوں نہ پوچھئے کہ تو کہاں سے آیا ہے؟ یا کہاں جاتا ہے؟ یا تیرا نام کیا ہے؟ پس ان کے آنے کو خدا کی طرف سے اور ان کے جانے کو خدا کی طرف سے اور ان کے نام کو خدا کا بندہ خیال کرے پھر غور کرے کہ اس کو آرام کے لیے تنہائی چاہیے یا صحبت۔ اگر اس کو خلوت پسند ہے تو اس کے لیے خالی جگہ کر دے۔ اگر اس کو صحبت پسند ہے تو بے تکلف ہمدردی اور معاشرہ کے دیگر مراسم کو مد نظر رکھتے ہوئے اس سے گفتگو کرے اور جب مسافر سرہانے پر سر رکھ کر سونے کا ارادہ کرے تو مقیم کو چاہیے کہ اس کے پاؤں دبائے اگر وہ ایسا نہ کرنے دے اور کہے کہ مجھے اس کی عادت نہیں تو اسے چھوڑ دے تاکہ اس کو ناگوار نہ گزرے۔ اور

1 اسرار الاولیاء (مترجم) ملفوظات بابا فرید الدین گنج رحمتہ اللہ علیہ مرتبہ حضرت بدر اسحاق ص 217' طبع نفیس اکیڈمی' کراچی 1971ء

دوسرے دن اسے کسی صاف ستھرے حمام میں لے جائے اور اس کے کپڑوں کو حمام کی ناپاک جگہ سے محفوظ رکھے اور کسی اجنبی خدمت گار کو اس کی خدمت پر مقرر نہ کرے۔ اور چاہیے کہ ایسے اچھے اعتقاد کے ساتھ اس کی خدمت کرے کہ وہ بدن کو صاف کرنے کے ساتھ خود تمام عیبوں سے پاک ہو جائے۔ ضروری ہے کہ اس کی پیٹھ کھجلائے اور اس کے گھٹنوں' تلووٗں اور ہاتھوں کو اچھی طرح ملے اور اس پر اکتفا کرے اور اگر اس مقیم کو اس بات کی دسترس ہو کہ اس کو نئے کپڑے بنوا دے تو یہ بھی کر دے۔ ورنہ تکلف بھی نہ کرے۔ اس کے انہی کپڑوں کو دھو ڈالے تاکہ جب حمام سے نکلے تو ان کو پہن لے اور جب حمام سے واپس آئے تو تین دن اور ٹھہرائے"۔ 1

قرب الٰہی کے لیے سب سے نزدیک راہ

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری دستگیری' حاجت روائی اور راحت رسانی کے متعلق اپنے ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ امراء' ملوک' اصحاب منصب ارباب قدر و منزلت کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کا سب سے نزدیک راستہ یہ ہے کہ وہ عاجزوں کی دستگیری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کریں۔ چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ اللہ کے پاس پہنچنے کی راہیں تو بہت ہیں' لیکن سب سے نزدیک راہ دلوں کا راحت پہنچانا ہے۔ 2

ایک دوسرے مکتوب میں آپ نے ملک خضر کو لکھا ہے:

"اس تاریک دنیا میں قلم زبان' مال اور جاہ سے جہاں تک ممکن ہو' محتاجوں کو راحت پہنچاؤ۔ صوم و صلوٰۃ اور نوافل اپنی جگہ بہت اچھی چیزیں ہیں' لیکن دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ سود مند نہیں"۔ 3۔

دلے دریاب کہ کار آنست

حضرت محبوب الٰہی کی زبانی درویش اور صوفی کا کام سنیے:

مشائخ چشت نے حضرت شیخ عبداللہ ہروی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

نماز گزاردن کار بیوہ زنان است

1۔ کشف المحجوب مترجم ص 509

2۔ بزم صوفیہ ص 371

3۔ بزم صوفیہ مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن ص 373

دروزہ	داشتن	صرفہ	نان	است
حج	کردن	کار	بے	کاران است
دلے	.	دریاب	کہ	کار آنست

شیخ بایزید بسطامی کے پاس ایک شخص نے آکر سوال کیا کہ مجھے معرفت کا سبق دیجئے۔ شیخ نے کھانا منگا کر اس کو کھلایا۔ وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا' اگلے دن پھر آیا اور وہی سوال کیا' شیخ نے پھر کھانا کھلا کر رخصت کر دیا۔ تیسرے دن وہ پھر آیا اور وہی سوال کیا' شیخ نے پھر کھانا منگوایا۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ سے معرفت کا سوال کرتا ہوں اور آپ مجھ کو کھانا کھلاتے ہیں۔ میرے سوال کا جواب تو دیجئے۔ فرمایا:

اے برادر معرفت ہمیں است کہ چیزی پیش بندگان خدائے تعالی بیاری .... و دلہائے شکست گاں را دریابی۔ 1

حضرت باوا فرید گنج شکر نے فرمایا کہ:

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا معمول تھا کہ جس روز ان کے لنگر میں کوئی خوردنی شئے موجود نہ ہوتی' آپ شیخ بدرالدین غزنوی خادم خانقاہ سے ارشاد فرماتے کہ اگر پانی موجود ہے تو اسی کا دور چلاؤ کہ آج کا روز بھی بخشش اور عطا سے خالی نہ جائے۔ پھر بغداد میں خواجہ اجل شیرازی کا یہ چشم دید حال بیان فرمایا کہ وہ کسی آنے والے کو خالی نہ جانے دیتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی آنے والا خالی ہاتھ گیا ہو۔ اگر کچھ اور موجود نہ ہوتا تو آپ خستہ خرما ہی عطا فرما دیتے تھے جو وہ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ 2

صوفیاء کے نزدیک زکوٰۃ کی مقدار

حضرت گنج شکر نے فرمایا کہ اصحاب طریقت اور مشائخ کبار اپنے فوائد میں لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ تین قسم کی ہوتی ہے۔ زکوٰۃ شریعت' زکوٰۃ طریقت اور زکوٰۃ حقیقت' شریعت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اگر چالیس درہم ہوں تو ان میں سے پانچ درہم راہ خدا میں خرچ کرے۔ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ چالیس میں سے پانچ اپنے پاس رکھے اور باقی راہ خدا میں خرچ کرے اور حقیقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ چالیس میں سے کچھ بھی نہ بچائے بلکہ تمام راہ خدا میں

1۔ تاریخ مشائخ چشت ج 1 ص 323' 324 ادارۂ ادبیات دلی۔
2۔ راحت القلوب (ملفوظات باوا فرید گنج شکر)' مجلس دوم۔

تقسیم کر دے اس واسطے کہ درویشی خود فروشی ہے۔ 1

پھر اسی موقعہ کی مناسبت سے فرمایا کہ اس دعاگو نے شیخ شہاب الدین سہروردی کی زیارت کی ہے اور چند روز آپ کی خدمت میں بسر کیے ہیں۔ اس عرصہ میں تقریباً چھ ہزار دینار ہرروز آپ کی خانقاہ میں بطور نذر آئے اور سب راہ خدا میں صرف کیے جاتے اور رات کو ایک پیسہ بھی نہ بچاتے۔ ساتھ ہی یہ فرماتے کہ اگر میں کچھ بچاؤں تو مجھے درویش نہ کہیں گے بلکہ کہیں گے کہ یہ درویش مالدار ہے۔ 2

چشتی صوفیائے کرام نے عملی زندگی میں اسی "زکوٰۃ حقیقت" کے ادا کرنے کا عملی ثبوت دیا ہے۔ کئی لوگ بعض صوفیائے چشت کے حج نہ کرنے پر معترض ہوتے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب زندگی بھران پر زکوۃ شریعت ہی فرض نہیں ہوئی تو حج کہاں سے فرض ہو جائے گا۔ حج کی لازمی شرط "من استطاع الیہ سبیلا" کبھی ان میں پائی ہی نہیں گئی۔

صوفیاء متقدمین میں حضرت ابوبکر شبلی (م 334 ھ) کے ہم عصر ایک عالم ابن بشار نے ایک مرتبہ بطور امتحان ان سے سوال کیا کہ پانچ اونٹوں پر کتنی زکوۃ ہے؟ حضرت شبلی خاموش رہے۔ ابن بشار نے جب اصرار کیا تو آپ نے فرمایا' شریعت میں تو پانچ اونٹوں پر ایک بکری دینا بطور زکوۃ واجب ہے مگر ہم جیسے لوگوں کے لیے پانچ کے پانچ اونٹ دے دینا لازم ہے۔ ابن بشار نے پوچھا' اس مسئلے میں آپ کا کوئی امام (یا دلیل) بھی ہے؟ فرمایا' ہاں۔ انہوں نے پوچھا' کون؟ فرمایا' حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ غزوہ تبوک کے موقعہ پر جب انہوں نے اپنا سارا اثاثہ لاکر راہ خدا میں پیش کر دیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا' آپ نے اپنے اہل و عیال کے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے؟ تو صدیق اکبرؓ نے عرض کیا: "اللہ و رسولہ" "بس اللہ اور اس کا رسول"۔ ابن بشار قبل ازیں لوگوں کو حضرت شبلی کے پاس جانے اور ان کی باتیں سننے سے روکتے تھے مگر اس کے بعد انہوں نے کبھی کسی کو حضرت شبلی کے پاس جانے سے نہ روکا۔ 3

خود را اذیت اوروں را راحت

1۔ راحۃ القلوب ملفوظات بابا صاحب' مرتبہ حضرت محبوب الٰہی اردو ترجمہ ص 6

2۔ راحۃ القلوب ص 6

3 الطبقات الکبری للامام عبدالوہاب شعرانی ص 105 طبع مصر 1954ء

حضرت محبوب الٰہی کے نامور خلیفہ شیخ برہان الدین غوب نے اپنے معتقدین کو تلقین کی کہ لوگوں کی راحت رسانی میں کوشاں رہیں۔ اس سلسلہ میں ایک درخت خود تو دھوپ میں کھڑا رہتا ہے لیکن دوسروں کو سایہ دیتا ہے۔ لکڑی خود تو جلتی ہے لیکن اوروں کو آرام پہنچاتی ہے۔ اسی طرح انسان خود تکلیف اٹھائے اور اپنی تکلیف کا خیال نہ کرے لیکن دوسروں کو فائدہ اور آرام پہنچائے۔ 1

بارگاہ الٰہی میں سب سے زیادہ مقبول عمل

صوفیاء کے نزدیک اللہ کریم کی بارگاہ میں کونسا عمل سب سے زیادہ مقبول و محبوب ہے۔ اس کا پتہ خواجہ سیالوی سے چلایئے۔

شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی نے ایک دفعہ فرمایا کہ باوا فریدالدین گنج شکرؒ اور حمید الدین ناگوریؒ دونوں ہم عصر ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے سے وعدہ لیا تھا کہ جس کا وصال پہلے ہو' دوسرے کو بتائے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کونسا عمل زیادہ مقبول و محبوب ہے۔ چنانچہ جب حضرت باوا صاحب کا وصال ہو گیا تو خواجہ حمید الدین ناگوری قلم دوات' کاغذ لے کر ان کی مزار پر گئے اور حسب وعدہ سرہانے کی طرف غلاف کے نیچے قلم دوات کاغذ رکھ دیئے اور عرض کیا کہ "خواب میں بتایا ہوا یقین نہ کروں گا' اس کاغذ پر لکھ دیں"۔ دوسرے روز کاغذ آکر اٹھایا تو اس پر مندرجہ ذیل شعر لکھا ہوا تھا۔

جملہ فنون شیخ نیر زدبہ نیم خسے
راحت بہ دل رساں کہ ہمیں مشرب است و بس 2

خدمت خلق تعمیر و تزئین مساجد اور نفلی حج سے افضل

صوفیاء کے نزدیک فقراء کی ضعفاء کی دردمندوں اور غم زدہ لوگوں کی اعانت کرنا بظاہر بڑے بڑے نیکی اور عبادت کے کاموں سے بھی افضل ہے۔ امام غزالی نے لکھا ہے کہ بعض لوگ بڑی بڑی مساجد بناتے ہیں' ان کی زیب و زینت اور نقش و نگار پر بڑا پیسہ خرچ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے بہت بڑی نیکی کر لی' ہم نے جنت میں مکان بنا لیا۔ ادھر یہ حال ہوتا ہے کہ ان کے پڑوس میں ان کے محلے اور شہر میں ہزاروں لوگ نان شبینہ

1۔ بزم صوفیہ 285

2 انوار قمریہ ملفوظات خواجہ محمد قمرالدین سیالوی ص 180' 213

کو ترس رہے ہوتے ہیں' ہزاروں بیمار ہسپتالوں میں مناسب علاج نہ کرا سکنے کی وجہ سے کراہ رہے ہوتے ہیں۔ بے شمار لوگ ننگے بھوکے رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ متعدد لوگ افلاس اور تنگدستی کا شکار ہوتے ہیں۔ ان گنت لوگ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کی خاطر مصائب و آلام اور طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان تمام ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کو چھوڑ کر مساجد کی تعمیر و تزئین پر پیسہ خرچ کرنا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ ہاں جب ان لوگوں کی ضروریات پوری ہو جائیں' سب خوشحال ہو جائیں' سب کے مسائل حل ہو جائیں' سب کی پریشانیاں دور ہو جائیں تو اس کے بعد مساجد مدارس وغیرہ کی تعمیر پر خرچ کرنا صدقہ جاریہ اور بہت بڑا کار خیر ہو گا۔

امام صاحب کے الفاظ ہیں:

صرف المال الیہم اہم و افضل و اولی من الصرف الی بناء المساجد وزینتہا۔ 1

"فقراء و مساکین پر پیسہ خرچ کرنا مساجد کی تعمیر اور تزئین پر خرچ کرنے سے زیادہ ضروری افضل اور اولی ہے"۔

بعض دولت مندوں کے متعلق امام صاحب نے لکھا ہے کہ انہیں حج پر روپیہ صرف کرنے کا بڑا شوق ہے۔ وہ بار بار حج کرتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو بھوکا چھوڑ دیتے ہیں اور حج کرنے چلے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صحیح فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں بلاضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی' سفران کو بہت آسان معلوم ہو گا۔ روپیہ کی ان کے پاس کمی نہ ہوگی۔ وہ حج سے محروم و تہی دست واپس آئیں گے۔ وہ خود ریتوں اور چٹیل میدانوں کے درمیان سفر کرتے ہوں گے اور ان کا ہمسایہ ان کے پہلو میں گرفتار بلا ہو گا۔ اس کے ساتھ کوئی سلوک اور غم خواری نہ کریں گے۔ پھر امام صاحب نے لکھا ہے کہ ایک آدمی حضرت بشر بن حارث کے پاس حاضر ہوا اور حج پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ بشر بن حارث نے پوچھا تو نے حج کے اخراجات کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟ اس نے کہا' دو ہزار درہم۔ آپ نے پوچھا تو حج سے کیا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کیا' اللہ کی رضا اور خوشنودی مقصود ہے۔ فرمایا' یہی اللہ کی خوشنودی تمہیں گھر بیٹھے بٹھائے بھی مل سکتی ہے۔ جا یہی پیسہ کسی مقروض و مدیون کے قرض اتارنے میں خرچ کر دے۔ کسی فقیر پر خرچ کر کے اس کی مالی حالت کو بہتر بنا دے' کسی عیالدار کو دے کر اس کی پریشانی دور کر دے یا

1۔ احیاء علوم الدین ج 3' ص 505' طبع قاہرہ 1967ء

کسی یتیم پر خرچ کر کے جنت میں اپنا ٹھکانا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بنا لے' کیونکہ:

فان ادخالک السرور علی قلب المسلم و اعانۃ اللھفان و کشف الضر و اعانۃ الضعیف افضل من ماۃ حجۃ بعد حجۃ الاسلام۔ 1

"تیرا کسی مسلمان کے دل میں سرور و خوشی داخل کرنا کسی غم زدہ کی مدد کرنا' کسی تکلیف میں مبتلا آدمی کی تکلیف کو رفع کرنا اور کسی ضعیف و نادار کی اعانت کرنا' فرض حج کے بعد سو نفلی حجوں سے افضل ہے"۔

1۔ احیاء علوم الدین ج 3' ص 506-507' طبع قاہرہ 1967ء

فصل چہارم

حُسنِ اَخلاق اور تسخیرِ قلوب و اشاعتِ اسلام

انسانی نفسیات

یہ انسان کی طبیعت فطرت اور نفسیات ہے کہ جب کوئی آدمی اس پر بے لوث احسان کرتا ہے' اس کے ساتھ بھلائی کرتا ہے' پیار محبت' شفقت' نرمی اور اخلاق سے اس کے ساتھ پیش آتا ہے تو خواہ وہ کتنا ہی سنگدل ہو' سخت مزاج ہو' ناراض ہو' بالآخر اپنے محسن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ اسی انسانی فطرت پر عربی کا یہ مقولہ صادق آتا ہے کہ:

الانسان عبدالاحسان ("انسان' احسان اور نیکی کا (زر خرید) بندہ ہے")۔

کوئی آدمی اپنے زور سے طاقت سے اقتدار سے تلوار سے کسی کو اپنا گرویدہ نہیں بنا سکتا' اس کی تلوار اور جبر کسی کی گردن اور جسم کو تو جھکا سکتے ہیں مگر اس کے دل کو نہیں جھکا سکتے۔ صرف پیار' نرمی اور حسن خلق ہی کسی کو آپ کے قریب لا سکتا ہے۔ قرآن مجید نے اس کی طرف اشارہ یوں کیا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ☆ (سورہ آل عمران: 159)

"پس یہ اللہ کی رحمت ہی کے سبب سے ہے کہ آپ ان کے لیے موم ہو گئے اور اگر آپ تند خو' سخت طبع اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے اردگرد سے منتشر ہو گئے ہوتے"۔

ایک دوسرے مقام پر اسی انسانی نفسیات کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

"**وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ** ☆ (سورہ حم السجدہ: 34)

"اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی' آپ نیکی سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے تو پھر یہ ہو گا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے' وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے"۔

صوفیاء کے پاس سب سے بڑا ہتھیار

صوفیاء کرام کے پاس سب سے بڑا طاقتور اور مؤثر ہتھیار یہی تیغ اخلاق تھی' یہی نرمی تھی' یہی خود غرضی سے پاک مخلوق خدا کی محبت تھی' یہی ہمدردی تھی' ہر ایک کے لیے

دلسوزی اور غمخواری تھی' جس کے ذریعے وہ لوگوں کے دلوں کو مسخر اور متاثر کرتے گئے۔ ان کے دلوں میں نیکی کا بیج بوتے گئے اور اس طرح اپنے حسن اخلاق سے اشاعت اسلام' تقویٰ' توبہ' رجوع الی اللہ اور نیکی کی ترویج میں وہ خدمات سرانجام دیں کہ بڑے بڑے خلفاء بھی وسائل کے باوجود ایسی دینی خدمات سرانجام نہ دے سکے۔

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ نگاہ کی تیغ بازی وہ سپاہ کی تیغ بازی

تاریخ گواہ ہے کہ یہ کام نہ علماء سے ہو سکا' نہ متکلمین سے' نہ معتزلہ سے' نہ حکماء سے' نہ فقہاء سے۔ یہ کام اگر ہو سکا تو ان بوریہ نشینوں' گدڑی پوشوں اور نفوس قدسیہ سے جن کو صوفیاء اسلام کہا جاتا ہے اور جن کا نام آج بھی لاکھوں کروڑوں انسانوں کے دلوں میں عقیدت اور محبت کے جذبات پیدا کر دیتا ہے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ واقعہ انشاء اللہ آپ آگے پڑھیں گے کہ ایک موقعہ پر خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ نے جب انہیں دہلی سے مستقل طور پر اپنے ساتھ لے جانا چاہا تو خواجہ غریب نواز سے اس فیصلہ پر نظر ثانی کی درخواست کرنے کے لیے ساری دلی امڈ آئی۔ ہزارہا مرد' عورتیں' بوڑھے اور بچے گریہ و زاری کرتے ہوئے آپ کے پیچھے پیچھے شہرپناہ سے باہر تک نکل آئے۔ اس ہجوم میں بوڑھا بادشاہ التمش بھی موجود تھا۔ سب کی یہ حالت دیکھ کر حضرت خواجہ بزرگ نے قطب صاحب کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ فسخ کر دیا۔

اسی واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ بزرگ خانقاہوں میں بیٹھ کر محض انفرادی نجات کے حصول کی کوشش نہیں کر رہے تھے بلکہ انہوں نے اپنے عہد کے سماجی مسائل سے خود کو بہت گہرائی تک وابستہ کر لیا تھا۔ انہوں نے ملوک و سلاطین اور سرکار دربار کو کبھی منہ نہیں لگایا' نہ کبھی دنیا کی دولت حاصل کرنے کی کوشش کی اور اگر وہ آئی تو اسے جمع کر کے نہیں رکھا۔ اس طرح اپنی عملی زندگی سے یہ ثابت کر دیا کہ فقر بھی ایک عظیم دولت و سلطنت ہے۔ وہ غریبوں' مسکینوں' درماندہ حال اور پسماندہ طبقے کے انسانوں کی نمائندگی کرتے تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی متابعت کرتے تھے۔ نبی پاکؐ کی طرح ان کی بھی یہ دعا ہوتی تھی:

اللھم احینی مسکینًا وامتنی مسکینًا واحشرنی فی زمرۃ المساکین ☆ 1

"اے بار الٰہی مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھنا' مسکینی کی حالت میں وفات دینا اور مساکین کے زمرہ میں میرا حشر فرمانا"۔

غریبوں اور مسکینوں سے سچی محبت اور ہمدردی کی مثال اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ اپنی زندگی اور موت اور حشر و نشر بھی ان کی ساتھ طلب کیا جائے۔ آج کوئی دنیا دار یا نام نہاد صوفی ایسی دعا مانگ کر تو دیکھے یہی وجہ ہے کہ بزرگان دین بالخصوص چشتی بزرگوں کی خانقاہوں میں ہمیشہ مفلسوں اور مسکینوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔

صوفیائے کرام جنہوں نے دلوں کی دنیا میں اپنی روحانی حکومت قائم کر رکھی تھی' وہ خود کو عوام اور مساکین کے طبقے ہی سے متعلق سمجھتے تھے اور ان کے مسائل میں براہ راست اور سچی دلچسپی لیتے تھے۔ ان کی خانقاہوں میں جو غریب' نادار' مصیبت زدہ اور مظلوم انسان آتے تھے۔ ان کی ڈھارس بندھتی تھی اور ان کے زخموں پر مرہم لگتا تھا۔ اس لیے عوام پر صوفیائے کرام کا اثر امراء اور بادشاہوں سے کہیں زیادہ تھا۔

یوں تو سبھی سلسلوں کے صوفیاء نے عوام میں مقبولیت حاصل کی ہے اور اپنے حسن اخلاق سے لوگوں کے قلوب مسخر کیے ہیں لیکن خاص طور پر صوفیائے چشت نے جس طرح عام انسانوں کے دلوں کو جیتا ہے' اس کی مثال نہیں ملتی۔ چشتیوں کے سرخیل سلطان الہند خواجہ اجمیری آج بھی "غریب نواز" کہلاتے ہیں۔ کفرستان ہند میں اپنے حسن اخلاق حسن عمل' دلسوزی اور غمخواری کا ایسا نمونہ پیش فرمایا کہ لوگ کھینچے چلے آئے اور 99 ہزار آدمیوں کو براہ راست کلمہ پڑھایا۔

تسخیرِ قلوب بذریعہ حُسن اخلاق اور محبت

غلام دستگیر خان نیموری نے لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

"انہی اخلاق' محبت' ہمدردی اور سچائی سے ہمیشہ دنیا فتح کی گئی ہے' لوہے اور فولاد کی تلوار سے نہیں۔ جیسا کہ بعض متعصب اور جاہل کہتے ہیں یا سمجھتے ہیں۔ آپ بدن پر جبر کر سکتے ہیں مگر جبر سے دل کو درست نہیں کر سکتے۔ اس کی درستی کے لیے تلوار سے نہیں بلکہ دل کی محبت سے کام لینا پڑے گا۔ اگر قلبی محبت' ہمدردی' شفقت علی الخلق اور خیر خواہی کا جذبہ کارفرما نہ ہوتا تو پندرہ بیس سال میں ایک وسیع اور عظیم الشان سلطنت

1- جامع ترمذی ص 340' طبع نور محمد' کراچی۔

(ریاست مدینہ منورہ) کبھی قائم نہ ہوتی اور ہوتی بھی تو دو چار سال کے اندر فنا ہو جاتی۔ خود ہندوستان میں دیکھ لیں، جس قدر یہ ملک خواجہ بزرگ حضرت سلطان الہند غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ، حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر صوفیاء کے پاک نفوس کی برکت سے فتح ہوا، اس قدر تلوار سے نہیں ہوا۔ سفرنامہ ابن بطوطہ دیکھیں ہر جگہ ہر ایک مندر میں ایک نہ ایک صوفی مسلمان لباس تبدیل کر کے چپکے چپکے اشاعت اسلام کا کام کر رہا تھا۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ دیکھیں، اس وقت مکہ میں لا الہ الا اللہ کا کلمہ بلند کرنا گویا مصائب و تکالیف کے طوفان کو دعوت دینا تھا، جس وقت رسول خدا اور آپ کے پیرو کاروں کو طرح طرح کی ایذائیں دی جاتی تھیں، اس وقت وہ کونسی فولاد کی تلوار تھی جس کے خوف سے تھوڑے ہی عرصے میں ایک سو کے قریب مسلمان ہوئے، نہ کوئی تلوار تھی، نہ مال تھا، صرف اسلامی تعلیم کی سادگی اور سچائی تھی، جس سے خود بخود ایسے سرکش لوگ شمع رسالت کے پروانے بنے۔ مدینہ کونسی شمشیر آبدار سے فتح کیا گیا؟ غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ صرف اخلاق سے۔ گویا اخلاق سے اشاعت اسلام ہوئی اور اخلاق کے گر جانے سے خود مسلمان ہی گر گئے۔ ہلاکو خان نے مسلمانوں کو بے دریغ تہ تیغ کیا اور بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی لیکن پھر خود اسی اخلاق اسلامی کی تلوار سے بسمل ہو کر مسلمان ہوئے، پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے،.....

خیر کہنے کا مدعا یہ ہے کہ تلوار سے ہاتھ پاؤں ست کیے جا سکتے ہیں، زبان خاموش کی جا سکتی ہے، آنکھیں بند کی جا سکتی ہیں، کانوں میں روئی ٹھونسی جا سکتی ہے، مگر دل جو منبع انکار و اقرار اور معدن محبت و غم ہے، کبھی بھی جبر سے سیدھا نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تو صرف محبت سے، جو خود غرضی سے مبرا ہو، فتح کیا جا سکتا ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان خود دل بن گیا ہو۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

ہم صرف زبانی اخلاق سے لوگوں کو سدھارنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ اس میں خلوص، نیک نیتی اور عملی ہمدردی نہیں ہوتی"۔ 1

یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی اشاعت اور توسیع ہمیشہ اخلاق ہی کے ذریعے ممکن

---

1 غلام دستگیر خان بیجود، "محبوب سیال" (تذکرہ خواجہ محمد دین سیالوی) ص 12-14

ہوئی۔ اس حقیقت کو شاہ قاسم جہانگیری صاحب نے بڑے عمدہ پیرائے اور خوبصورت الفاظ میں بیان کیا ہے' لکھتے ہیں:

آپ ماضی کے آئینہ میں جھانک کر دیکھئے' عمر رفتہ کو آواز دیجئے' گذشتہ تاریخ پر نظر ڈالیے تو آپ محسوس کریں گے کہ قریہ قریہ' گاؤں گاؤں' شہر شہر اور ملک ملک اسلام کی توسیع اخلاق ہی کا کارنامہ ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اسی ہتھیار سے غیروں کے دلوں میں جگہ پیدا کی' دشمنوں کے دلوں میں گنجائش نکالی گئی' مخالفوں کے منہ بند کیے' معترضوں کی ہوا اکھاڑ دی' غیر مسلموں کے دلوں کو رام کیا' آج بھی زمانہ ان کے گیت گاتا ہے۔

مزید برآں جب ہم ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اولیائے کرام نے بھی حسن اخلاق سے غیر مسلموں کے دل جیت لیے۔ انہی خرقہ پوشوں نے انہیں طاغوتی قوتوں' دیوتاؤں اور دیویوں کے چنگل سے چھڑا کر ایک اللہ کی بارگاہ میں سربسجود کر دیا۔ ان میں اسلام کی وہ روح پھونکی کہ وہ خود اپنے اپنے دور میں روشنی کا مینار بن کے چمکے۔ آج ہر طرف جو مسلمان نظر آرہے ہیں یہ انہی کے مکارم اخلاق کا نتیجہ ہے۔ ہم ذرا بات کو آگے بڑھاتے ہوئے عرض کریں کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اللہ کے ان ولیوں کی بارگاہ اقدس میں ہر قوم ملت اور مذہب سے تعلق رکھنے والے سربسجود نظر آتے ہیں' ان کے گیت الاپتے ہیں' ان کے نغمے گاتے ہیں اور اس طرح انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کا مسلمان یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ اولیائے کرام نے اپنے حسن اخلاق سے اسلام پھیلایا اور اسلام کی پناہ میں آنے والوں کے دلوں پر وہ اخلاقی نقوش چھوڑے کہ آج بھی ان کے دل کی دھڑکنوں سے انہی کی آواز آتی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو ایسے اخلاق کا آئینہ دار ہوں اور خوش نصیب ہیں' وہ لوگ جو ایسے ہی نادر لوگوں کی صحبت کیمیا اثر میں بیٹھ کر حسن اخلاق کی جیتی جاگتی تصویر بن جاتے ہیں۔

خلق جس کا بلند ہوتا ہے
وہ خدا کو پسند ہوتا ہے
پستیوں میں پڑا ہوا انساں
خلق سے سربلند ہوتا ہے[1]

1۔ ماہنامہ فاران' کراچی' جنوری 1989ء

اشاعت اسلام میں صوفیاء کا کردار

خلفائے راشدین کے بعد اسلام کے عام خلفاء اور شہنشاؤں کے مقابلے میں اشاعت اسلام میں ان صوفیاء کا کردار کیا ہے' اس کو مولانا عبدالغفور غوری اور خلیق احمد نظامی کے الفاظ میں دیکھیے:

"صوفیاء کرام مسلمانوں کی سیاست اور سماج کو خاص اسلامی رنگ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ بزرگوں کے اس رویہ سے ملت اسلامیہ کو بڑا فائدہ پہنچا۔ اگر یہ باطنی اصلاح و تربیت تزکیہ نفس اور عبادت پر توجہ نہ دلاتے تو اسلام محض ایک سیاسی پروگرام بن کر رہ جاتا۔ سیاسی ہنگامہ آرائیوں کے زمانہ میں ان بزرگوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دکھایا کہ اسلام صرف ملک اور ملک رانی کا نام نہیں بلکہ یہ اصلاح و تربیت کا ایک مکمل نظام ہے۔ انسان کو ارتقائے روحانی کا راستہ دکھاتا ہے۔ اگر دور اول سے ان بزرگوں کے حالات کو حذف کر دیا جائے تو مسلمانوں کی تاریخ ملک گیری اور جہاں بانی کی داستان بن کر رہ جائے گی۔ واقعات شاہد ہیں کہ اسلام کی تعلیم اور اثرات اموی اور عباسی خلفاء کے ذریعہ نہیں بلکہ ان ہی بزرگوں کے ذریعے پھیلے ہیں۔ خلفاء کا نہ عوام سے کبھی براہ راست تعلق رہا' نہ ان کی زندگی میں کبھی کوئی دینی کشش پیدا ہوئی۔ وہ اسلامی طرز زندگی کے آئینہ دار نہ تھے۔ اس لیے اسلام کی ترویج اور بقاء کا سبب بھی نہ بن سکے۔ اسلام کے دینی نظام کو زندہ رکھنے اور پھیلانے کا کام ان ہی بزرگوں نے انجام دیا اور ان کی بے تعلقی نے خلفاء کو ہمیشہ اس بات کا احساس دلایا کہ حکومت غلط راستہ پر جارہی ہے۔ ان بزرگوں کی بے تعلقی کے اس ردعمل کے علاوہ ان بزرگوں نے موقع سے خلفاء کو ان کے اعمال و افعال پر متنبہ بھی کیا۔ انہیں ڈرایا اور دھمکایا بھی جو شخص اللہ کی ربوبیت پر ایمان کامل رکھتا ہے۔ وہ دنیا کی طاقتوں کے سامنے بڑا بے باک اور حق گو ہوتا ہے۔

اگر ہمارے مذہبی تذکرے اور تاریخی کتابیں کسی حد تک بھی قابل اعتبار ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ ان کو معتبر نہ سمجھا جائے تو اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیے کہ انہیں بزرگوں نے مسلمان فرمانرواؤں کو اسلام کے احکام کو مکمل طور پر فراموش کر دینے سے روکے رکھا جو اپنی طاقت و سطوت کے غرور میں یہ بھول گئے تھے کہ ان سے بھی بالاتر کوئی موجود ہے جو ان سے بھی ان کے اعمال کا حساب لے گا۔ ان بزرگوں نے انہیں ہر موقع پر اس کی یاددہانی کرائی اور ایسے مواقع پر بھی نہ چوکے جب خلفاء اپنے خوشامدیوں کے غول میں بیٹھے داد عیش دیا کرتے تھے اور کسی کو وہاں جرات نہ ہوتی تھی کہ خلیفہ کے مزاج کے خلاف کوئی بات کہہ سکے۔ وقت کے ناخداؤں کے خلاف

آواز حق جب بھی اٹھی تو انہیں فقیروں کے شکستہ جھونپڑوں سے"۔ 1

خواجہ غریب نواز کی آمد اور ہندوستان میں اسلامی انقلاب

سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری کی تشریف آوری سے ہندوستان میں کس طرح انقلاب آیا' اس کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں پڑھیئے۔ لکھتے ہیں:

"بہرحال واقعہ کی جو ترتیب ہو' اس میں شک نہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے محمد غوری کے حملوں کے درمیان اور اسلامی سلطنت کی عمومیت و استحکام سے پیشتر ہندوستان کے قلب اور قدیم ہندوستان کے عظیم سیاسی و روحانی مرکز اجمیر شریف کو اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا۔ یہ فیصلہ ان کی اولوالعزمی عالی ہمتی اور جرات ایمانی کا ایسا تابناک کارنامہ ہے جس کی مثالیں صرف پیشوایان مذہب اور فاتحین عالم کی تاریخوں میں مل سکتی ہیں۔ ان کے استقلال و اخلاص ان کے توکل و اعتماد ان کے زہد و قربانی اور ان کے درد و سوز نے ہندوستان کے لیے دارالاسلام بننے کا فیصلہ کر دیا اور جو سرزمین ہزاروں برس سے صحیح یقین صحیح معرفت سے محروم توحید کی صدا سے ناآشنا تھی وہ علماء و اولیاء کی سرزمین اور علوم اسلامیہ اور کمالات دینیہ کی محافظ و امین بن گئی۔ اور اس کی فضا اذانوں سے' دشت و جبل اللہ اکبر کی صداؤں اور اس کے شہرو دیار **قال اللہ و قال الرسول** کے نغموں سے ایسے گونجے کہ صدیوں سے عالم اسلام گوش بر آواز ہے۔

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

سیرالاولیاء کے مصنف نے بڑی صداقت و بلاغت سے لکھا ہے کہ ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی کنارہ تک کفر و شرک کی بستی تھی۔ اہل تمرد انا ربکم الاعلیٰ کی صدا لگا رہے تھے۔ اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو شریک کرتے تھے۔ اور اینٹ پتھر درخت جانور گائے و گوبر کو سجدہ کرتے تھے۔ کفر کی ظلمت سے ان کے دل تاریک اور مقفل تھے۔ سب دین و شریعت کے حکم سے غافل خدا و پیغمبر سے بے خبر تھے۔ نہ کسی نے کبھی قبلہ کی سمت پہچانی نہ کسی نے کبھی اللہ اکبر کی صدا سنی:

"بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین کہ بحقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار بنور اسلام روشن و منور گشت"۔

1۔ (الف) اسلام کی زندہ تحریک چشتیت ص 52-53 از عبدالغفور غوری' مطبوعہ بار گاہ ادب اکبر روڈ' کراچی نمبر 1 (ب) تاریخ مشائخ چشت ص 78-79

آفتاب اہل یقین حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے قدم مبارک کا اس ملک میں پہنچنا تھا کہ اس ملک کی ظلمت نور اسلام سے منور ہوگئی۔ ان کی کوشش و تاثیر سے جہاں شعائر شرک تھے' وہاں مسجد و محراب و منبر نظر آنے لگے جو فضا شرک کی صداؤں سے معمور تھی۔ وہ نعرہ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔ اس ملک میں جس کو دولت اسلام ملی اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے مشرف ہو گا نہ صرف وہ بلکہ اس کی اولاد در اولاد' نسل در نسل سب ان کے نامہ اعمال میں ہوں گے' اس میں قیامت تک جو بھی اضافہ ہوتا رہے گا اور دائرہ اسلام وسیع ہوتا رہے گا' قیامت تک اس کا ثواب شیخ الاسلام حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی کی روح کو پہنچتا رہے گا۔ انشاء اللہ العزیز 1

ہندوستان کے سب سے بڑے سماجی اور اسلامی انقلاب کا یہ بانی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک پھٹی ہوئی دھوتی میں لپٹا ہوا بیٹھا رہتا تھا' پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی بھی افطار میں میسر نہ آتی لیکن نظر کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جس کی طرف دیکھ لیتے' معصیت کے سوتے اس کی زندگی میں خشک ہو جاتے۔ رسالہ احوال پیران چشت میں لکھا ہے:

نظر شیخ معین الدین بر ہر فاسقے کہ افتادے در زماں تائب شدے باز گرد معصیت نگشتے۔ (تاریخ مشائخ چشت:22)

ہندوستان کی سرزمین میں توحید' اسلام ایمان اور شریعت کا یہ پودا جو حضرت غریب نواز نے بڑی محبت اور اخلاص سے لگایا تھا' اس کی آبیاری ان کے محبوب خلیفہ حضرت قطب صاحب نے کی اور حضرت باوا صاحب (خلیفہ حضرت قطب صاحب) کے عہد میں وہ ایک چھتنار درخت بن گیا جس کے سائے میں خلق خدا کو راحت ملی۔ پھر حضرت محبوب الٰہی کے زمانے میں اس کے پھل ہی عام لوگوں تک نہیں پہنچے بلکہ اس کی قلمیں بھی دور دور تک لگ گئیں جن کا فیض آج تک ہم سب کو پہنچ رہا ہے۔

حضرت باوا صاحب کی قبولیت عامہ

ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے فیض عام کا ایک دوسرا ایمان افروز واقعہ ملاحظہ ہو:

فوائد الفواد میں ہے'2 اوچ شریف اور ملتان کے لوگ تو بڑی کثرت سے ان

1۔ تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم' 29-28-27 (بحوالہ سیرالاولیاء ص 47)

2 فوائد الفواد ص 189-188' طبع نول کشور 1302ء

کے حلقہ ارادت میں شامل تھے۔ ایک مرتبہ ناصرالدین محمود کا لشکر اجودھن سے گزرا تو لشکریوں نے جس عقیدت کا اظہار کیا وہ شیخ نظام الدین اولیاء کی زبانی سننے کے قابل ہے:

"جن دنوں سلطان ناصرالدین اوچہ اور ملتان کی طرف روانہ ہوا تو اجودھن پہنچ کر سارا لشکر شیخ کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ شیخ اتنا انبوہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ شیخ کی آستیں گلی کی طرف لٹکائی گئی۔ لوگ آکر بوسہ دیتے اور چلے جاتے۔ وہ آستین بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ پھر مسجد میں آکر مریدوں کو حکم دیا کہ میرے گرداگرد حلقہ باندھ لو تاکہ لوگ اندر نہ آسکیں اور دور ہی سے سلام کر کے چلے جائیں۔ مریدوں نے ویسا ہی کیا۔ ایک بوڑھا فراش آکر مریدوں کے حلقہ سے گزرا، شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور پائے مبارک بوسہ دینے کے لیے کھینچا، شیخ کو یہ بات اچھی نہ معلوم ہوئی۔ اس فراش نے کہا، شیخ المشائخ حضرت شیخ فریدالدین آپ کیوں تنگ آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اس سے بھی اچھا شکر ادا کرو جب فراش نے یہ کہا تو شیخ نے نعرہ مارا، فراش کے حال پر نوازش فرمائی اور اس سے معافی مانگی"۔ 1

حضرت بابا صاحب کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی تھی کہ ہر وقت عقیدت مند پروانوں کی طرح سے ان کے گرد جمع رہتے تھے۔ آدھی رات تک ان کی خانقاہ کا دروازہ کھلا رہتا تھا۔ ہر قسم کے لوگ خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء کا بیان ہے:

"بخدمت شیخ الاسلام فریدالدین از ہر جنس درویش وغیرآں برسیدے" 2

ہندو جو لوگ بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ بابا صاحب ہر شخص سے اس کی صلاحیت اور سمجھ کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ امیر و غریب کا ان کے یہاں کوئی امتیاز نہ تھا۔ ہر نئے آنے والے سے اس طرح ملتے تھے گویا برسوں کا آشنا ہے۔

ہندوستان میں تسخیر قلوب کی وجوہات

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفرستان ہند میں آخر عام لوگ بالخصوص غریب اقوام کے لوگ کیوں صوفیاء کی طرف کھینچے چلے آئے اور دامن اسلام سے وابستہ ہوگئے؟ صوفیاء کے

1۔ فوائدالفواد، ص 46-145

2۔ فوائدالفواد ص 5

پاس کونسی ایسی مقناطیسی قوت تھی جو جدی پشتی کفار کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی؟ ظاہر ہے' اس میں کوئی مالی مفاد نہ تھا۔ صوفیاء کی طرف سے انہیں کوئی چقمہ نہیں دیا جا رہا تھا' کوئی سبز باغ نہیں دکھائے جا رہے تھے' کوئی خوش کن جذباتی نعرہ نہ تھا' کسی قسم کے دنیوی انعام و اکرام پلاٹ و لائسنس کا لالچ نہیں دیا جا رہا تھا اور نہ ہی کوئی پر کشش اور پرفریب وعدہ تھا جس کی وجہ سے لوگ کشاں کشاں اسلام کی طرف کھینچے چلے آ رہے تھے۔ دراصل غرباء و مساکین اور چھوٹے لوگوں کو اسلام اور صوفیاء کی طرف لانے میں اسلام کی حقانیت اور صداقت کے علاوہ جو وجوہات اور محرکات کار فرما تھے۔ ان میں دو چیزیں بڑی نمایاں اور انسانی طبیعت و فطرت کے عین مطابق نظر آتی ہیں:

پہلی وجہ

ایک تو اسلام کی وہ ازلی و بنیادی تعلیمات تھیں جن میں سارے انسانوں کو بحیثیت انسان برابر کا محترم و مکرم قرار دیا گیا ہے۔ اسلام کسی ذات پات اور طبقاتی تقسیم مثلاً برہمن' کھتری' شودر کی تقسیم کا روادار نہیں' اس میں کسی منصب' امارت' دولت مندی اور ذات برادری کو وجہ فضیلت نہیں بنایا گیا۔ یہاں کوئی آدمی محض اس لیے قابل احترام نہیں کہ وہ کسی بڑے خاندان یا اونچی ذات سے تعلق رکھتا ہے یا اس کے پاس دولت کا انبار لگا ہوا ہے اور کوئی غریب و نادار آدمی صرف اس وجہ سے کمتر اور گھٹیا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس کے پاس دولت نہیں یا کسی نچلے طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ بلکہ یہاں تو ایک بدکردار خاندانی اور امیر و غنی آدمی اپنی دولت کے ڈھیر ہوتے ہوئے بھی اس فقیر و کنگال سے کمتر ہو سکتا ہے' جسے اللہ کریم نے قول و فعل کی صداقت اور ایمان و خلوص کے خزانوں سے مالا مال کر رکھا ہو۔ اسلام میں ہر چھوٹے بڑے انسان کی عزت نفس اس کی تکریم ذات' اس کے انسانی جذبات قلبی احساسات اور اس کی جملہ ضروریات کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ یہاں کوئی رنگ نسل اور خاندان کا امتیاز نہیں' اسلام میں کسی بھی حکومتی عہدے دار اور منصب دار حتیٰ کہ امیرالمومنین اور خلیفتہ المسلمین تک کو کوئی خصوصی استحقاق حاصل نہیں۔ عوام کے مقابلے میں وہ کوئی وی آئی پی کا درجہ نہیں رکھتا۔ ہندوستان کی سرزمین پر' جہاں غریب شودر لوگوں کو دوسرے درجہ کا انسان گردانا جاتا' جن کی کوئی تعظیم' تکریم اور کوئی استحقاق نہ تھا' جنہیں امراء و روساء اور وڈیرے لوگ انسان سمجھنے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ جن کے جذبات اور احساسات کو مسلسل کچلا جا رہا تھا اور جن کا کوئی پرسان حال نہ تھا وہاں'

ولقد کرمنا بنی آدم ☆ (سورہ بنی اسرائیل: 70)

"اور ہم نے تمام بنی آدم کو عزت دی ہے"۔ اور

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم☆ (سورہ التین: 4)

"بلاشبہ ہم نے ہر انسان کو بہترین انداز میں پیدا کیا ہے"۔

کے جانفزا خدائی اعلان میں بلا کی کشش اور جاذبیت تھی۔ اس کے ساتھ ہی پیغمبر اسلام کی زبان سے جاری ہونے والا مساوات انسانی کا مستقل ضابطہ اور قانون "الناس کا سنان المشط" (سارے انسان کنگھی کے دانوں کی طرح برابر ہیں) (قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقوق المصطفے 78:1 طبع دوم) اور

المسلمون تتکافاء دماء ھم ویسعی بذمتھم ادناھم۔ (ایضا)

"تمام مسلمانوں کا خون برابر ہے اور ادنی مسلمان بھی دوسروں کا ذمہ اٹھا سکتا ہے"۔

ان کے اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لینے کا داعیہ بن رہا تھا۔ فقیروں، معاشی دھکوں کے ماروں، پریشان حالوں، مظلوموں، کمزوروں، مجبوروں، غریبوں، مسکینوں، غلاموں اور بردوں کے ستائے ہوئے لوگوں کے گویا یہ دل کی آواز تھی۔ صوفیاء ان کے قلبی جذبات و احساسات کی ترجمانی کر رہے تھے، یہاں ان کے انسانی جذبات کا پورا پورا احساس کیا جا رہا تھا۔ اس لیے ان غریب لوگوں کا اسلام کے دامن میں پناہ لینا ایک فطری امر تھا۔

یہی اسلامی تعلیمات تھیں جو غریب و کمزور لوگوں کو ہمیشہ اسلام اور نبیوں کے قریب لانے کا سب سے بڑا سبب بنیں۔ حضرت نوح علیہ السلام پر پہلے پہل ایمان لانے والے غریب اور کمزور لوگ ہی تھے۔ جنہیں آپؑ کی قوم کے نخوت شعار امراء "اراذل" اور "ارذلون" کے ہتک آمیز الفاظ اور ناموں سے یاد کرتے تھے۔ (سورہ ہود: 27) حضرت صالح علیہ السلام پر ابتداء ہی میں ایمان لانے کی سعادت حاصل کرنے والے بھی کمزور لوگ تھے۔ (الاعراف: 75) اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے ابتدائی ماننے والے غریب مچھیرے ہی تھے اور ایک قول کے مطابق دھوبی 1

اور یہی وہ دین اسلام کی احترام آدمیت اور انسانی عظمت و مساوات کی تعلیم تھی جس نے فارس کے سپہ سالار رستم کے دربار میں غریب کمزور اور نچلے طبقے کے لوگوں کو متاثر کیا جس کا قصہ یوں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں فارس (ایران) کے ساتھ جنگ کے دوران ایک مرتبہ معروف صحابی حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سفیر بن کر رستم کے دربار میں تشریف لے گئے، دربار کو سفیر اسلام پر رعب ڈالنے کے لیے بڑے اہتمام سے

1۔ امام فخرالدین رازی: تفسیر کبیر: 7:67، طبع مصر، 1938ء / 1375ھ

سجایا گیا تھا۔ جس آدمی کے دل میں خدا تعالیٰ کا خوف سما جائے وہ دنیا کی کسی طاقت سے بھلا مرعوب کیوں ہو گا۔ حضرت مغیرہؓ بڑے دھڑلے اور بے باکی سے رستم کے ساتھ اس کے مرصع تخت پر بیٹھ گئے۔ درباری چیچوں نے حضرت مغیرہؓ کا یوں رستم کے برابر بیٹھنا رستم کی توہین سمجھا۔ انہوں نے آپؓ کو نیچے اتار لیا۔ اس موقع پر حضرت مغیرہؓ نے بڑے پر جوش اور موثر انداز میں عربوں اور مسلمانوں کے اندر پائی جانے والی انسانی عظمت اور انسانی مساوات کو بیان کیا۔ درباریوں پر اس تقریر کا ردعمل یہ ہوا کہ:

فقالت السفلة صدق واللہ العربی، وقالت الدھاقین واللہ لقد رمی بکلام لایزال عبیدنا ینزعون الیہ، قاتل اللہ اولینا ما کان احمقھم حین کانوا یصغرون امر ھذہ الامۃ۔
(ابن جریر طبری: تاریخ الطبری: 3:522 طبع مصر، 1962ء)

(نیچے کے لوگوں نے کہا، خدا کی قسم اس عربی نے سچ بات کہی ہے۔ سرداروں نے کہا، قسم بخدا! اس آدمی (حضرت مغیرہؓ) نے ایسی بات پھینکی ہے کہ ہمارے سب غلام اس کی طرف کھنچے چلے جائیں گے۔ خدا ہمارے پہلوں کو غارت کرے، وہ کس قدر احمق تھے۔

دوسری وجہ

غریب، کمزور اور نچلے درجے کے تصور کیے گئے لوگوں کے صوفیاء کے دامن سے وابستہ ہونے اور ایمان لانے کی دوسری بڑی وجہ صوفیاء کا ان لوگوں کے ساتھ ذاتی اور عملی رویہ تھا۔ صوفیاء انسانی عظمت و مساوات، احترام آدمیت اور غریب و کمزور لوگوں کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی اور غمخواری کا محض زبانی کلامی لیکچر نہیں دے رہے تھے۔ خالی خولی جلسے کرنا جلوس نکالنا اور جذباتی و جوشیلی تقریریں کرنا ان کا معمول نہیں تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ خالی تقریر اور شعلہ بیانی سے بھوکے آدمی کا پیٹ نہیں بھر سکتا۔ اس کی غربت کا علاج نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کے معاشی دکھوں کا مداوا ہو سکتا ہے۔ ان کا کام آفت زدوں کے نام پر چندے کرنا یا مظلوموں کے نام پر جلسے کرنا نہیں بلکہ مظلوموں کی عملی داد رسی تھا۔ وہ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ مظلوموں کے نام پر جلسے کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص زخمی ہو جائے اور آپ اس کو ہسپتال یا ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی بجائے ایک شاندار "زخمی کانفرنس" منعقد کرنے کے لیے دوڑ پڑیں۔ ان کی مجلس میں کوئی درجہ بندی نہیں تھی۔ وہ جس نگاہ سے شرفاء کو دیکھتے تھے اس سے کہیں زیادہ پیار و محبت رافت و رحمت اور شفقت کی نگاہ سے غریب مسلمانوں کو دیکھتے تھے۔ وہ ان غریبوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، ان کے ساتھ کھانے پینے اور ان کے ساتھ چلنے پھرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ ان کے دکھ درد اور خوشی و غمی میں برابر کے شریک تھے۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں اور ہمارا اس بات پر عقیدہ ہے کہ ہدایت و گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی کی توفیق سے یہ غریب اور کمزور لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ انہیں دین اسلام کی طرف لانے میں ان کے ازلی مقدر و نصیب کا بھی دخل تھا تاہم ان غریب لوگوں کے اسلام قبول کرنے میں یقیناً صوفیاء کی محبتوں' کرم نوازیوں' اور بندہ نوازیوں کا بھی بڑا دخل اور حصہ ہے۔ اگر وہ ان غریب لوگوں کی تکالیف کو رفع نہ کرتے ہوتے' ان کے زخموں پر مرہم نہ رکھتے ہوتے' ان کے بوجھوں کو نہ اٹھاتے ہوتے اور ان کی ہر طرح کی مشکلات کو حل نہ کرتے ہوتے جس کی عملی مثالیں آگے آ رہی ہیں تو شاید وہ صورت حال نہ ہوتی جو آج تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ کسی حیوان سے بھی پیار کیا جائے تو وہ پیار کرنے والے سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا اور دم ہلا ہلا کر اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ یہ تو عقل و شعور سے عاری حیوان کا حال ہے۔ ظاہر ہے جب کسی انسان سے پیار کیا جائے گا' اس پر احسان کیا جائے گا' اس کے ساتھ بے لوث ہمدردی اور خیرخواہی کی جائے گی تو وہ اپنے محسن کا کیونکر ممنون نہیں ہو گا اور کیونکر اس کی غلامی کا دم نہیں بھرے گا۔ احسان کے بدلے میں غلامی اور عبدیت کا اظہار تو انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ بڑے لوگوں' صاحب ثروت اور اصحاب جاہ و مال کی تو ہر کوئی عزت کرتا ہے۔ مگر غریب آدمی کو کون عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ صوفیاء نے ان غریبوں کو عزت دی' انہیں پیار دیا' ان کی اہمیت بنائی' معاشرے میں انہیں بلند مرتبہ عطا کیا۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے وجود مسعود کی روحانی برکات

معروف مورخ ضیاء الدین برنی نے "تاریخ فیروز شاہی" میں سلطان علاؤالدین خلجی کے عہد حکومت کے اندر خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے وجود مسعود کی برکات اور معاشرے میں لوگوں پر ان کے اثرات کی شنیدہ نہیں بلکہ دیدہ شہادت اور بڑی ایمان افروز تفصیل بیان کی ہے۔ خواجہ موصوف کی برکت اور دم قدم سے اس زمانے میں اسلام' ایمان' نیکی' تقویٰ' پارسائی عبادت گزاری' قیام اللیل' نوافل' علم دین' کتابوں کے مطالعے' نماز کے شوق اور دینی رجحان کو کتنا فروغ ملا۔ عوام و خواص' امیروں غریبوں اور حاکموں محکوموں کو ہر قسم کی برائی سے کس قدر نفرت ہوگئی اس کی تفصیل برنی کی زبانی ہی ملاحظہ فرمایئے:

.....دوسری طرف اسی زمانے میں شیخ الاسلام نظام الدین نے' بیعت عام کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ گنہگار لوگ ان کے سامنے اپنے گناہوں کا اقبال کرتے اور ان سے توبہ کرتے اور وہ ان کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیتے۔ خواص و عوام' مالدار و مفلس' امیر و فقیر' عالم و جاہل' شریف و رزیل شہری و دیہاتی' غازی و مجاہد' آزاد و غلام' ان سب سے وہ توبہ کراتے اور ان کو طاقیہ [1] اور مسواک صفائی کے لیے دیتے۔ ان لوگوں میں سے کثیر تعداد (جماہیر) جو خود کو شیخ کے مریدوں میں شمار کرتی تھی' بہت سے ان کاموں سے پرہیز کرنے لگتی تھی جو کرنے کے لائق نہیں ہوتے۔ اگر شیخ کی خانقاہ میں حاضر ہونے والوں میں سے کسی سے کوئی لغزش ہوتی' تو اس کو تجدید بیعت کرنا پڑتی اور شیخ از سرنو اس سے اقبال گناہ اور توبہ کراتے۔ شیخ کے مرید ہونے کی شرم لوگوں کو بہت سے گناہوں (منکرات) سے ظاہر اور مخفی طور پر باز رکھتی۔ چنانچہ عام لوگ دوسروں کی تقلید میں یا خود اپنے اعتقاد کی بنیاد پر عبادت اور بندگی کی طرف راغب ہوگئے تھے' اور مرد اور عورتیں' بوڑھے اور جوان' سوداگر اور عام لوگ' غلام اور نوکر اور کم عمر بچے' سب نماز پڑھنے لگے تھے۔ ان ارادت مندوں کی اکثریت نماز چاشت و اشراق کی پابند ہوگئی تھی۔ مخیر اور مہربانیاں کرنے والے لوگوں نے شہر سے غیاث پور تک متعدد مقامات پر لکڑیوں کے چبوترے بندھوا دیئے تھے' یا چھپر ڈال دیئے تھے اور کنوئیں کھدوا دیئے تھے' اور مٹھ (مٹکھا؟) اور پانی کے گھڑے اور مٹی کے لوٹے تیار رہتے تھے' اور چھپروں میں بوریے بچھے رہتے

1۔ طاقیہ: ٹوپی مگر یہاں ایک خاص قسم کی ٹوپی مراد ہے جو مرشد اپنے مریدوں کو عطا فرماتے ہیں۔

تھے۔ ان چبوتروں اور چھپروں میں حافظ اور خادم مقرر کر دیئے جاتے تھے تاکہ شیخ کے مریدوں اور تائبوں کو اور دوسرے نیک لوگوں کو ان کے آستانے پر آتے اور جاتے وقت وضو کرنے اور وقت پر نماز ادا کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ ان چبوتروں اور چھپروں میں سے ہر ایک میں نفل نماز ادا کرنے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔ گناہوں کے ارتکاب اور ان کے متعلق لوگوں میں بہت کم بات چیت ہوتی تھی بلکہ ان میں اکثر بیشتر جو گفتگو ہوتی' وہ نماز چاشت و اشراق کے متعلق ہوتی اور یہ لوگ یہی دریافت کرتے رہتے کہ زوال' اوابین اور تہجد کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اور ہر رکعت میں قرآن کی کون سی سورت پڑھنی چاہیے اور یہ کہ پانچوں وقت کی نماز میں نفلوں کے بعد کون سی دعائیں آئی ہیں۔ آستانہ شیخ میں نئے آنے والے شیخ کے پرانے مریدوں سے دریافت کرتے کہ رات کے وقت شیخ کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک پر وہ کتنی مرتبہ درود بھیجتے' اور شیخ فرید اور شیخ بختیار دن رات میں کتنی بار درود بھیجتے تھے اور کتنی بار سورہ قل ھو اللہ پڑھتے تھے۔ شیخ کے نئے مرید ان کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوال دریافت کرتے اور روزوں' نفلوں اور کم کھانے کے متعلق معلوم کرتے رہتے تھے۔ اس نیک زمانے میں کثرت سے لوگ قرآن یاد کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں کی صحبت میں رہتے اور قدیم مریدوں کو بندگی و عبادت' ترک و تجرید' سلوک کی کتابیں پڑھنے اور مشائخ اور بزرگوں کے حالات اور واقعات کا ذکر کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہ تھا۔ نعوذ باللہ کہ یہ لوگ دنیا اور دنیا داروں کا ذکر اپنی زبان پر لاتے' یا دنیا کے کارخانے کی طرف نظر کرتے' یا دنیا اور اہل دنیا کے قصے سنتے۔ ان سب چیزوں کو وہ معیوب' بلکہ معاصی میں شمار کرتے تھے۔ اس بابرکت زمانے میں لوگوں کا کثرت سے نفل پڑھنا اور اس کو قائم رکھنا اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ سلطانی دربار سے منسلک امراء' سلاح داروں' محرروں (نویسندگان) سپاہیوں اور بادشاہ کے غلاموں میں سے بہت سے لوگ جو شیخ کے مرید تھے' چاشت اور اشراق کی نماز ادا کرتے تھے۔ کوئی محلہ ایسا نہ تھا جہاں پر مہینہ' بیس روز کے بعد نیک لوگوں کی مجلس نہ ہوتی اور صوفیہ کا سماع نہ ہوتا اور اس میں گریہ و رقت نہ ہوتے۔ شیخ کے کئی مرید ایسے تھے جو مسجد میں یا گھروں پر نماز تراویح میں ختم (قرآن) کراتے اور ان لوگوں میں سے جو (ان عبادات وغیرہ میں) مستقیم الحال تھے' اکثر و بیشتر رمضان میں اور جمعہ اور مواسم (موسم حج) کی راتوں میں قیام کرتے تھے۔ صبح تک جاگتے اور پلک پر پلک نہیں مارتے تھے۔ ان بزرگوں میں سے بہت سے حضرات ایسے تھے' جو دو تہائی یا تین چوتھائی رات تمام سال قیام اللیل

میں گزارتے۔ اور بعض عبادت گزار تو عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔ شیخ کے مریدوں میں سے چند کو تو میں جانتا ہوں جو شیخ کی نظر کرم کی بدولت صاحب کشف و کرامات ہوگئے تھے۔ شیخ کے مبارک وجود' ان کے مبارک انفاس کی برکت اور ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس علاقے کے اکثر مسلمان عبادات' تصوف اور ترک و تجرید کی طرف مائل اور شیخ سے مرید ہونے کے خواہش مند ہوگئے تھے۔ سلطان علاؤالدین بھی مع اپنے خاندان کے لوگوں کے شیخ کا معتقد ہوگیا تھا۔ خواص و عوام کے دل نیکی اور نیکوکاری کی طرف راغب ہوگئے تھے۔ حاشا و کلا! کہ عہد علائی کے آخری چند سال میں اکثر و بیشتر مسلمانوں میں سے کسی کی بھی زبان پر شراب و شاہد' فسق و فجور' قمار بازی' فحش حرکات' واطت یا بچہ بازی کا ذکر تک بھی آتا۔ بڑے بڑے جرائم اور کبیرہ گناہ لوگوں کے نزدیک بہ منزلہ کفر ہوگئے تھے۔ مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خوری اور احتکار کے مرتکب نہ ہوتے تھے۔ اور خوف و ہراس کی وجہ سے دوکانداروں میں جھوٹ' کم تولنا' مکاری و دغا' دھوکا دہی اور نادانوں کا روپیہ مار لینا' سب قطعی طور پر ختم ہوگئے تھے۔ علم حاصل کرنے والے اور اشراف و اکابر جو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے' زیادہ تر سلوک کی کتابوں اور ان صحیفوں کا مطالعہ کرتے رہتے تھے جن میں طریقت کے احکام ہوتے تھے۔ چنانچہ قوت القلوب 1' احیاء العلوم 2' احیاء العلوم کا ترجمہ عوارف 3' کشف المحجوب 4' شرح تعرف 5 رسالہ قشیریہ 6 مرصاد العباد 7 مکتوبات عین القضاۃ 8 لوائح و لوامع قاضی

1- اس کتاب کا پورا نام یہ ہے: قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب و وصف طریق المرید الی مقام التوحید۔ مصنف کا نام: ابوطالب محمد بن علی بن عطیہ الحارثی الواعظ المشہور بابی طالب المکی (متوفی 386ھ)

2- احیاء علوم الدین امام غزالی (451-505ھ) کی مشہور تصنیف ہے۔

3- عوارف المعارف مصنف شیخ شہاب الدین سہروردی (539-632ھ)

4- شیخ علی ہجویری المشہور بہ حضرت داتا گنج بخش (متوفی 465ھ) کی تصنیف ہے۔

5- امام ابوبکر محمد بن ابراہیم البخاری الکلاباذی (متوفی 380ھ) کی تصنیف تعرف لمذہب التصوف کی فارسی شرح ابراہیم بن اسماعیل بن محمد بن عبداللہ المستملی نے کی۔ دیکھو مقدمہ شرح رسالہ قشیریہ از خواجہ سید محمد حسینی گیسو دراز مطبوعہ حیدرآباد دکن' 1361ھ صفحہ 9۔

6 رسالہ قشیریہ' مصنف ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ بن محمد

حمیدالدین ناگوری (۹) اور فوائد الفواد امیر حسن کے شیخ کے ملفوظات کی وجہ سے' بہت زیادہ خریدار پیدا ہو گئے تھے۔ لوگ کتاب فروشوں سے زیادہ تر سلوک اور حقائق پر کتابوں کے متعلق دریافت کرتے رہتے تھے اور کوئی روماں ایسا نظر نہ آتا جس میں مسواک اور کنگھا لٹکا ہوا نہ ہوتا۔ صوفیوں کی خریداری کی زیادتی کی وجہ سے لوٹے (آفتابہ) اور چمڑے کی کشتیاں (طشت چرمی) مہنگی ہو گئی تھیں۔

در حقیقت اللہ تعالیٰ نے شیخ نظام الدین کو اس آخر زمانے میں جنید اور بایزید کی مثل پیدا کیا تھا اور اپنی ذات کے عشق سے جس کی کیفیت انسانی عقل میں نہیں آ سکتی' آراستہ و پیراستہ کیا تھا۔ شیخ ہونے کے کمالات کی ان پر مہر لگا دی تھی اور ہدایت کے فن کو ان پر ختم کر دیا تھا:

زین	فن	مطلب	بلند	نامی
کاں	ختم	شدہ	است	بر نظامی

(ترجمہ: اس فن میں شہرت کی خواہش نہ کر کیونکہ وہ نظامی پر ختم ہو چکی ہے۔)

پنجم ماہ محرم کو جو شیخ الاسلام شیخ فریدالدین کے عرس کی تاریخ ہے' شیخ کے گھر (یعنی خانقاہ) میں دہلی اور مملکت کے دوسرے علاقوں سے لوگ اتنی زیادہ تعداد میں آکر جمع ہو جاتے اور سماع میں شرکت کرتے کہ اس کے بعد اتنی جمعیت کسی کو یاد نہیں کہ کبھی ہوئی ہو۔ شیخ کے ان عجیب معاملات کی وجہ سے شیخ کا زمانہ ایک عجیب زمانہ گزرا ہے۔ (10)

تعلیمات صوفیاء کی کشش اور ان کے نتائج

صوفیاء کی کیا تعلیمات تھیں' ان میں کس قدر کشش تھی اور پھر ان کے کیا نتائج نکلے؟ اس کے متعلق مولانا اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں:

القشیری (متوفی 465ھ)

7 مرصاد العباد من المبداء الی المعاد' تصنیف شیخ نجم الدین دایہ ابوبکر ابن عبداللہ ابن محمد ابن شاہوار (متوفی 654ھ)

8 مکتوبات عین القضاۃ: ابوالمعالی عبداللہ بن محمد ہمدانی (متوفی 525ھ)

9 قاضی حمیدالدین ناگوری (متوفی 678ھ)

10 تاریخ فیروز شاہی ص 500، 506

صوفیا اپنی تعلیمات میں پابندئ اخلاق پر زور دیتے تھے اور خدمت خلق کو اس کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ٹھہراتے تھے۔ صوفیہ کے مسلک میں خدمت خلق کو نہایت اہمیت حاصل تھی۔ یہاں تک کہ وہ دل جو بنی نوع انسان کے جذبہ محبت و خدمت سے خالی ہو' اس کے ایمان کو بھی ناقص بتاتے تھے۔

صوفیائے کرام شریعت و طریقت کو ہم آہنگ کر کے شرافت' امن' سالمیت اور احترام انسانیت کا درس دیتے تھے۔ انہوں نے تصوف کو عوامی تحریک بناکر عوام سے گہرا ربط پیدا کر کے عوام کے داخلی اور خارجی مسائل انداز فکر اور رویوں کو سمجھ کر ان کے معاملات اور مسائل کو سلجھانے کی کوشش کی۔ ان کو مساوات' اسلامی کی نئی راہ دکھاکر روحانی انداز میں ان کے الجھے ہوئے مسائل کا اتنا عمدہ حل پیش کیا کہ عوام نے ان کی تعلیمات میں ایک دل آویز کشش محسوس کی' اور وہ ان میں اس طرح جذب ہوئے کہ عوام کی حمایت اور طاقت نے ان کو ناقابل تسخیر قوت بنا دیا۔ یہاں تک کہ فرمانرواؤں کا اقتدار اور شوکت ان کے فقیرانہ انکسار کے سامنے ہیچ ہو کر رہ گئی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور صوفی تھے' ایک مرتبہ رقہ تشریف لائے۔ اتفاق سے اس زمانے میں مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید بھی رقہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کی تشریف آوری کی خبر سن کر شہر کی ساری آبادی ان کے استقبال کے لیے نکل پڑی۔ ہارون کی ایک کنیز بھی بالاخانے سے یہ منظر دیکھ رہی تھی' ہارون نے اس کنیز سے پوچھا' کیا بات ہے کہ لوگ بے تحاشا دوڑے ہوئے جوق در جوق چلے جا رہے ہیں؟ کنیز نے جواب دیا کہ خراسان کے مشہور عالم اور صوفی عبداللہ بن مبارک اس شہر میں تشریف لائے ہیں ان کے استقبال کے لیے دنیا ٹوٹ رہی ہے' یہ ہارون کی بادشاہت نہیں کہ بغیر ڈنڈے اور پولیس کے لوگ جمع ہی نہیں ہوتے۔ اس چھوٹے سے واقعہ سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صوفیائے کرام کس طرح اپنی تعلیمات سے عوام کے قلوب کو فتح کر کے فاتح زمانہ فرمانرواؤں پر سبقت لے گئے۔ 1

تبلیغ دین کے لیے صوفیاء کا طریق کار

اسلام کے فروغ اور دین کی تبلیغ کے لیے صوفیاء کا طریق کار کیا تھا؟ اس کا پتہ شیخ محمد اکرام کے الفاظ میں لگایئے:

1۔ اقبال کے محبوب صوفیہ ص 121 و 122' مرتبہ اعجاز الحق قدوسی۔

پاک و ہند میں اسلام زیادہ تر صوفیائے کرام نے پھیلایا' لیکن ان کا مطمع نظراور طریق کار دور حاضر کے مشنریوں اور مبلغوں سے بالکل مختلف تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو فقط غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کے لیے وقف نہ کر رکھا تھا بلکہ تبدیلی مذہب تو (سوائے بعض اسماعیلیوں اور سہروردیوں کے) شاید ان کا مقصد اولین ہی نہ تھا۔ ان کے دروازے ہر ایک کے لیے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان' امیر ہو یا غریب کھلے تھے۔ اور ان کا کام ہر ایک میں بلا کسی تفریق کے "ارشاد و ہدایت" تھا۔ ایک ہندو کے قبول اسلام سے انہیں جتنی خوشی ہوتی تھی' شاید اس سے زیادہ ایک مسلمان کے ترک گناہ سے ہوتی۔ صوفیہ کے اس جامع نقطہ نظر کو سلسلہ الذہب کے مصنف نے ایک مشہور سہروردی بزرگ (شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی) کا ذکر کرتے ہوئے خوب واضح کیا ہے اور ان کی نسبت لکھا ہے۔

(ترجمہ) لوگوں کی ارشاد و ہدایت میں کفر سے ایمان کی طرف گناہ سے عبادت کی طرف' نفسانیت سے روحانیت کی طرف ان کا بڑا مرتبہ تھا۔ مشائخ کبار کے سامنے یہی مطمع نظر تھا جو سلسلہ الذہب کے بیان کے مطابق شیخ بہاؤالدین کا تھا۔ وہ ہر ایک کو خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان' ایک بلند تر روحانی زندگی کا پیغام دیتے اور اس کا عملی نتیجہ یہ تھا کہ کفار اسلام کی طرف راغب ہوتے اور عام مسلمان ایک پاک اور بے عیب زندگی کی طرف!

خانوادہ چشتیہ کے مشہور بزرگ شیخ کلیم اللہ شاہجہان آبادی نے بھی اپنے مکتوبات میں اس نقطہ نظر کی ترجمانی کی ہے۔

"دراں کوشید کہ صورت اسلام وسیع گردد و ذاکرین کثیر"۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"بہرحال در اعلائے کلمتہ الحق کوشید و از مشرق تا مغرب ہمہ اسلام حقیقی بر کنید"۔ 1

صوفیاء اور سلاطین ہند کی دو متوازی حکومتیں

صوفیائے چشت نے بالخصوص اور دیگر بزرگان دین نے بالعموم مختلف مقامات پر اپنے خلفاء کو متعین کیا۔ یہ بزرگان دین اور خلفاء مختلف مقامات پر اس لیے مامور کیے گئے تھے کہ وہ شمع اسلام روشن کر کے ہندوستان کے ظلمت کدہ کو منور کر دیں اور جب سلاطین دہلی تخت و تاج کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ فوج کشی میں مشغول تھے تو خانقاہ کے یہ بوریہ نشین انسانوں کے قلوب کی تسخیر کر رہے تھے۔ رفتہ رفتہ دو متوازی حکومتیں قائم

1۔ شیخ محمد اکرام: آب کوثر 191-190

ہوگئیں' ایک تو ان کی تھی جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں' نیزے و بھالے تھے' اسلحہ تھے جن کے پاس خدم و حشم اور نوکر چاکر تھے' کرسی و اقتدار تھا جن کے پاس دولت کی ریل پیل اور سونا چاندی کے انبار لگے ہوئے تھے اور ایک حکومت ان کی تھی جن کے گھروں میں فاقہ تھا لیکن انہی فقیروں کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کی عظمت اور شوکت قائم ہوئی۔

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ نگاہ کی تیغ بازی وہ سپاہ کی تیغ بازی

ہندوستان میں صوفیائے چشت نے ہندوؤں کو کس طرح متاثر کیا ہے' ہندوؤں کو مائل بہ اسلام کرنے کے لیے انہوں نے ہمیشہ کس اصول کو اپنایا؟ اس اصول کو خلیق احمد نظامی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کا ایک اہم اصول یہ رہا ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ شگفتہ تعلقات رکھے جائیں۔ نافع السالکین میں لکھا ہے:

"حضرت" قبلہ (خواجہ شاہ سلیمان تونسوی) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے سلسلے کا یہ اصول ہے کہ مسلمان اور ہندو دونوں سے صلح رکھنی چاہیے اور یہ بیت پڑھا کرتے تھے۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن باخاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

ان کے نزدیک یہ تقاضا سماج اور سیاست کا نہ تھا بلکہ اخلاق و انسانیت کا مطالبہ تھا۔ وہ عملاً **الخلق عیال اللہ** کے قائل تھے اور چاہتے تھے کہ عقائد و نظریات کے اختلافات انسانی برادری کے رشتہ پر اثر انداز نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان:

وکونوا عباد اللہ اخوانا۔ "اے خدا کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ"۔

ان کا ایمان تھا۔ وہ مہر و محبت' خلوص و مروت' ہمدردی و رواداری' انسانی قلوب کو ایک رشتہ الفت میں پرونے کی کوشش کرتے۔ ایک شخص نے بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں قینچی پیش کی تو آپ نے فرمایا' مجھے تو سوئی دو' میں کاٹتا نہیں' جوڑتا ہوں۔1

1۔ تاریخ مشائخ چشت ص 297-298

آخر میں ہماری زبان پر بے اختیار چودھری خوشی محمد ناظر کے یہ اشعار آ رہے ہیں، کتنی سچی تصویر کھینچی ہے ؎

ہیں خاک ہند میں کچھ نقش پا ان رہ نوردوں کے
ادب سے چومتے جن کو ہیں دشت و کوہسار اب تک
کوئی تھا گنج بخش ان میں کوئی گنج شکر ان میں
خزانے معرفت کے ہیں نہاں زیر مزار اب تک
ہوا ہندوستان جنت نشاں جن کی فضاؤں سے
نہ آئی جا کے ان باغوں میں پھر فصل بہار اب تک
(تاریخ مشائخ چشت ص 235)

تسخیر قلوب بذریعہ سماع نہیں بلکہ بذریعہ حسن اخلاق

بعض لوگ دانستہ یا نادانستہ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہندوستان میں صوفیاء چشت نے سماع کو اس لیے رواج دیا کہ وہ اس طرح ہندوؤں کو اسلام کی طرف راغب اور متاثر کر سکیں۔ مگر یہ بات حقیقت سے بعید ہے۔ صوفیائے چشت نے گانے بجانے، قوالیوں سارنگیوں اور خوارق و کرامات سے نہیں بلکہ اپنے حسن اخلاق اور حسن صحبت سے ہندوؤں کو متاثر کیا ہے۔ اس کا بیان مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے درد بھرے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

''اس زمانہ میں چشتی اور چشتیت کے مفہوم کو گانے بجانے، چنگ و نے، دف و چغانہ کے ساتھ کچھ اس طرح لازم کر دیا گیا ہے کہ لفظ چشتی کے بولنے کے ساتھ ہی گویا مخاطب کا ذہن رقص و سرود کے ان ہی سامانوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

تصوف کو جوگیت قرار دینے والے تو خیر وہ لوگ تھے جنہیں صوفیاء اور تصوف سے ہمدردی نہیں ہے لیکن اس غریب تصوف کے غم گساروں نے بھی غم گساری کا جو فرض ادا کیا ہے اس کی ایک مثال وہی توجیہ ہو سکتی ہے جو ''طریقہ چشتیہ'' میں گانے بجانے کے رواج کو پا کر اس زمانہ میں بکثرت مختلف الفاظ میں مختلف دائروں کی طرف سے پیش کی جاتی ہے، یعنی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان ایک خاص قسم کا ملک تھا یہاں کے عام باشندوں میں موسیقی سرود و نغمہ وغیرہ کا شدید میلان پایا جاتا تھا' باشندگان ملک میں رقاصی اور نغمہ نوازی کے اسی میلان کو دیکھ کر بزرگان چشت نے ان کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے یہ مناسب خیال کیا کہ ان کے اسی مذاق سے نفع اٹھایا جائے اور یوں چشتی طریقہ میں اسی

مصلحت سے گانے بجانے کو مروج کیا گیا' نادان دوستوں کی ذہانت کی داد دینی چاہیے اور اس سے بھی زیادہ اس ہمت کی کہ بنیاد ہو یا نہ ہو' لیکن دماغ میں جو خیال آ گیا' اس کے آگے بڑھانے میں ان لوگوں کو کوئی جھجک نہیں ہوتی۔

کچھ نہیں تو کم از کم ایک ہی واقعہ سہی' ان لوگوں کو کہیں ایسا مل جاتا کہ ایک ہندو محض صوفیوں کی محفل کے گانے سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا تو کہا جا سکتا تھا کہ اس زمانہ میں اس قسم کے جزئیات سے کلیات بنانے کا جب عام رواج ہی ہے تو کیا مضائقہ ہے کہ ایک جزئی واقعہ سے کلی توجیہ پیدا کر لی گئی' مگر میں جانتا ہوں اس سلسلہ میں ان کے پاس ایک واقعہ بھی تو نہیں ہے۔ اب اسے میں صرف شاعری نہ سمجھوں تو اور کیا سمجھوں' اور شاعری میں بھی بہرحال تشبیہ اور استعارہ کی وجہ شبہ ہوتی ہے' یہاں تو وہ بھی نہیں"۔

"واقعہ یہ ہے کہ "تبلیغ اسلام" کا مسئلہ نہ اتنا آسان تھا اور نہ ہے کہ صرف چند غزلوں کے الاپنے سے اس میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہو اور نہ ہندو اتنے بے وقوف تھے کہ وہ صرف گانے پر شیفتہ ہو کر اپنے آبائی دین اور دھرم کو چھوڑ دیتے' گانا بجانا تو بڑی چیز ہے۔ آپ جن بزرگوں کو متہم فرما رہے ہیں کہ انہوں نے تبلیغ اسلام کی راہ یہ نکالی تھی' اس کی تائید میں تو کوئی چیز آپ پیش نہیں کر سکتے لیکن میں آپ کی خدمت میں تجربہ کی وہ بات پیش کرتا ہوں جو ہندو قوم کے نفسیات کا مطالعہ کرنے کے بعد "طریقہ چشتیہ" کے رکن اعظم حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا تھا' فوائد الفواد میں ہے' (ایک غلام جو مسلمان تھا وہ حضرت کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا اور "یک ہندوے در برابر خود آورد و گفت کہ ایں برادر من است" (ایک ہندو آیا اور کہا یہ میرا بھائی ہے) جب دونوں بیٹھ گئے تو جامع ملفوظات لکھتے ہیں کہ "خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر ازاں غلام پرسید کہ ایں برادر تو ہیچ میلے بہ مسلمانی دارد" (خواجہ صاحب نے اس لڑکے سے پوچھا ای تمہارا یہ بھائی مسلمان ہونے کی بھی کچھ خواہش رکھتا ہے؟) جواب میں اس مسلمان غلام نے عرض کیا کہ "او را تحت اقدام بجہت ایں معنی آوردہ ام تا بہ برکت نظر مخدوم مسلمان شود" (اس کو اسی مقصد کے لیے لایا ہوں تاکہ جناب کی برکت سے مسلمان ہو جائے) اس مسلمان غلام سے یہ سننا تھا کہ جامع ملفوظات کہتے ہیں' "خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر چشم پر آب کرد" حضرت والا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ کیا خیال آیا' ظاہر ہے کہ اس غریب ہندو بے چارے کے انجام کا خیال آیا اور اسی کے ساتھ اپنی بے بسی کا' جس کا اظہار حضرت ہی ان الفاظ میں فرماتے ہیں' "فرمود کہ ایں قوم را چنداں بگفت کسے دل نہ گردد" یعنی صرف باتوں سے کوئی چاہے کہ ہندو قوم کے دل کو ان کے دھرم سے پھیر دے یہ مشکل ہے۔)

یہ تھی پتہ کی وہ بات جو وہی کہہ سکتا ہے جسے اس راہ کا کچھ تجربہ ہو' اور کچھ دن اس مسئلہ کو اس نے سوچا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے عوام اپنے خواص کے ہاتھوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہر انقلابی اقدام میں ان کی نظر ان ہی لوگوں پر رہتی ہے' جن کے ہاتھ میں اس ملک کی باگ ہے' میری مراد برہمنوں سے ہے اور برہمنوں کا حال یہ ہے کہ ان کو کوئی گا بجا کر کیا مسلمان کر سکتا ہے۔ ان کا تو کسی کی تقریر اور تحریر سے بھی متاثر ہونا آسان نہیں ہے۔ آپ ان کے سامنے مذہب کو جس حد تک بھی فلسفہ بنا کر پیش کیجئے' وہ آپ کے سامنے اس سے زیادہ فلسفیانہ گفتگو شروع کر دیں گے۔ اس قسم کی مذہبی اور دینی تقریروں کی اس ملک میں کیا کمی ہے' ان برہمنوں کو ہزارہا ہزار سال اطمینان کے ساتھ روٹی کھانے کا موقع ملا ہے۔ ان پر نہ حکومتوں کے بدلنے کا اثر پڑتا تھا' نہ سلطنتوں کے' کیونکہ ایک راجہ کو مار کر دوسرا راجہ اگر گدی پر بیٹھتا تھا تو برہمن کی خدمت اس پر اسی طرح واجب ہوتی تھی جتنی پہلے پر' اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ مذہب کو فلسفہ بنانے کا کام ہندوستان میں بڑے اطمینان سے انجام دیا گیا ہے۔ اپنشد جسے دیکھ کر آج یورپ بھی حیران ہے وہ کیا ہے؟ کیا واقعی کوئی خالص فلسفہ ہے؟ یقیناً وہ مذہب ہے جسے فلسفہ بنایا گیا ہے' وہ وہ لن ترانیاں ہیں اور دور کی کوڑیوں کے لانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آج ہندو فلسفہ کی کتابو ہے ہر اس فلسفہ کا طلسم کھڑا کیا جا سکتا ہے' جو یونانیوں نے بلکہ آج میٹافزکس (مابعد الطبیعات) کے مسائل میں یورپ نے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح اگر آپ مذہب کو قصہ کہانی کی شکل میں جس میں خوارق اور عجائب کا ذکر ہو' اگر ان کے سامنے پیش کریں گے تو وہ آپ کے آگے اس سے بھی عجیب تر چیزوں کو اپنے پرانوں اور مہابھارت' رامائن وغیرہ سے اخذ کر کے رکھ[1] دیں گے۔ اور عام طور پر غلط طریقہ سے مذہب کی تبلیغ کی جب کوشش کی گئی ہے تو عموماً یہی دو راہیں اختیار کی جاتی ہیں' مذہب کو فلسفہ بنایا جاتا ہے یا مذہب کو خیالی افسانوں' محیر العقول خوارق اور اعجوبہ طرازیوں سے بھر کر پیش کیا جاتا ہے' ہندوؤں کا حال یہ ہے کہ ان میدانوں میں وہ آگے بڑھے ہوئے ہیں بلکہ اس ملک کے عام باشندے جن برہمنوں کے پنجوں میں ہزارہا ہزار سال سے گرفتار ہیں' اس کی وجہ ہی یہ ہے۔ یہی دو حربے ہیں جن میں

1۔ کچھ نہیں تو مہابھارت ہی پڑھ لیجئے۔ جا بجا کسی درخت کا اچانک آدمی ہو جانا' آدمی کا درخت ہو جانا' لڑکوں کا جوان' جوانوں کا لڑکوں کی صورت اختیار کرنا' لکڑی کا تلوار کی صورت' تلوار کا لکڑی بن جانا' غرض ہر ناممکن کو ممکن ہی نہیں بلکہ قدم قدم میں واقعے کی شکل اختیار کرتے ہوئے آپ اس کتاب میں پائیں گے۔

اپنشد اسے تو سوچنے والے ارباب فکر کو گھیر لیا جاتا ہے' ان کے سامنے وہ آسمان و زمین کی باتیں سنائی جاتی ہیں کہ بہرحال انہیں اپنی عقلی پرواز کی درماندگی کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور پرانوں کے عجیب و غریب قصوں کا پھندا عوام کے گلوں میں پڑا ہوا ہے' بڑے سے بڑا معجزہ بڑی سے بڑی کرامت جو سوچی جا سکتی ہے' وہ آپ کو ان کی کتابوں کے ورق ورق پر ملیں گی۔ بھلا حامیوں کا جو گروہ ان کو سنے ہوئے ہے' اس پر واقعی معجزات اور کرامات کا کیا اثر پڑ سکتا ہے' آپ تو واقعہ بیان کریں گے اور وہاں یہ کیا گیا ہے کہ جس قسم کے مستحیلات و ناممکنات عقل سوچ سکتی ہے' سب ہی کے متعلق لکھ دیا گیا ہے کہ ہمارے یہاں واقع ہو چکا ہے' خیال کرنے کی بات ہے کہ جس قوم کی نفسیاتی حالت یہ ہو' اس کے متعلق یہ بات کتنی پھسپھسی اور بودی ہوگی کہ چشتی فقراء کا بجاکر ان کو مسلمان کرنا چاہتے تھے' یا اس ذریعہ سے ان کو مسلمان کرنے میں وہ کامیاب ہوئے' مگر یہ تو آپ فرماتے ہیں' یعنی جنہوں نے بھی یہ سوچا ہی نہیں کہ اس ملک کے غریب ہندوؤں کے متعلق ہم پر کوئی فریضہ عائد ہوتا ہے بھی یا نہیں۔

پر جس کا سینہ نسل آدم کی اتنی بڑی تعداد کی گمراہیوں کو دیکھ کر شق ہوا جاتا تھا' آپ نے دیکھا کہ ذکر کے ساتھ ہی وہ اپنے آنسوؤں کو ضبط نہ کر سکا' اور اس قوم کے متعلق جو صحیح تشخیص ہو سکتی تھی' اس کا اظہار ان مختصر الفاظ میں کیا گیا' یعنی صرف باتوں سے ان کو مسلمان کرنا آسان نہیں ہے' باتوں کی تو ان کے یہاں بھی کوئی کمی نہیں ہے اور ہر طرح کی باتوں کی' یہ تو اس قوم کے متعلق منفی رائے ہوئی۔ رہی یہ بات کہ پھر اسلام سے روشناس کرانے کی آج کوئی تدبیر ہندوؤں کے لیے ہے بھی' یا نہیں۔ سلطان المشائخ نے اس کے بعد اس کا بھی جواب دیا ہے' اسی کے بعد ارشاد ہے:

"اما اگر صحبت صالحے بیابد امید باشد کہ بہ برکت صحبت او مسلمان شود"۔ 1

(ہاں اگر کسی صالح آدمی کی صحبت پالے تو امید ہے کہ اس کی صحبت کی برکت سے مسلمان ہو جائے۔)

1۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت: 2: 62-66' طبع حیدر آباد دکن

فصل پنجم

صوفیاء کے نزدیک کرامت کا درجہ

کرامات۔۔ برحق

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صوفیاء اور اہل اللہ سے کرامت اور خرق عادت کا ظہور برحق ہے۔ کرامات کا برحق ہونا براہ راست قرآن و سنت اور آثار صحابہ سے ثابت ہے۔ جمہور علماء اہل السنت والجماعت' فقہاء محدثین' متکلمین' اصولین اور مشائخ صوفیاء سب ظہور کرامات کے قائل ہیں۔ ہماری عقائد کی کتابوں میں ہے:

کرامات الاولیاء حق 1

"اولیاء کی کرامتیں برحق ہیں"۔

حدیث نبوی: اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔ 2

"مؤمن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔

اور حدیث قدسی: **فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا** 3

"میں اپنے محبوب بندے کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے"

کے مطابق جب مؤمن اور مقرب الٰہی اللہ کے نور سے دیکھتا ہے' اس کی سماعت سے سنتا ہے۔ اس کی عطا کردہ قوت بازو سے پکڑتا ہے تو کیا کچھ نہیں دیکھ سکتا' کیا نہیں سن سکتا اور کہاں تک اس کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔

چنانچہ کرامات اولیاء پر علماء کی مستقل کتابیں مثلاً جامع کرامات الاولیاء ... یوسف نبہانی وغیرہ موجود ہیں۔

1۔ شرح عقائد نسفی مع شرح نبراس ص 450' طبع لاہور۔

2۔ (الف) ترمذی (کتاب التفسیر) ص 447 طبع کراچی۔

(ب) تاریخ بغداد للخطیب بغدادی: 7:242 تحت ترجمہ **جنید بغدادی**

(ج) کنزالعمال حدیث نمبر 30730

3۔ صحیح بخاری (کتاب الرقاق) ج 2' ص 963' کراچی۔

امام قشیری نے کرامات کے باب میں کوئی 122 بزرگان دین کی مختلف کرامات لکھی ہیں۔ امام شعرانی نے الطبقات الکبری میں لکھا ہے کہ کرامات کے ثبوت میں آیات احادیث اور اتنے آثار ہیں جن کا شمار ہی نہیں۔ اسی طرح ابن تیمیہ نے متعدد صحابہ اور اولیاء کرام کی کرامات درج کی ہیں۔ 1

کرامت کا اصطلاحی معنی ہے ایک خرق عادت انعام و اکرام جس کو اللہ اپنے اولیاء کے حفظ و حمایت کا ذریعہ بناتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

یا ایسا خرق عادت یا خلاف عادت واقعہ جو کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی متبع کامل سے صادر ہو۔ اگر ایسا واقعہ کسی غیر متبع نبی سے صادر ہو تو وہ اصطلاح میں کرامت نہیں بلکہ استدراج ہے۔ کوئی عادت کے خلاف واقعہ کرامت اسی وقت کہلائے گا جب اس کا محل صدور مومن، متبع سنت کامل التقوٰی ہو۔

(التکشف عن مہمات التصوف، ص 43)

مگر دیکھنا یہ ہے کہ جن کرامات کو بزرگان دین کی زندگیوں میں جیسا کہ مقدمہ (ضرورت تالیف) میں عرض کیا گیا، سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے، خود بزرگان دین کی نظر میں ان کا کیا مقام اور اہمیت ہے؟ راہ سلوک اور تصوف و طریقت کی منازل میں اظہار کرامت کا کونسا درجہ ہے؟ اور صوفیاء نے اس چیز کو کن نگاہوں سے دیکھا ہے؟ چنانچہ معروف صوفی حضرت علی الخواص رحمہ اللہ نے فرمایا:

الکمل یخافون من وقوع الکرامۃ علی ایدیھم و یزدادون وجلا و خوفا لاحتمال ان تکون استدراجا۔ 2

"باکمال لوگ اپنے ہاتھوں کرامت کے وقوع سے بہت خائف رہتے ہیں کہ کہیں یہ استدراج نہ ہو"۔

بوقت ضرورت کرامت کا اظہار

صوفیاء نے کرامت کے اخفاء کو واجب قرار دیا ہے۔ 3 **البتہ** جب کوئی ایسی

---

1 الفرق بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان ص 61 تا 65

2 الیواقیت والجواہر لعبدالوہاب الشعرانی، ج 2، ص 113، طبع مصر 1305ھ

3 بحوالہ حقائق عن التصوف للشیخ عبدالقادر عیسی ص 465، طبع ناروے انگلینڈ / رسالہ قشیریہ (اردو) ص 616، باب نمبر 50

ضرورت پیش آ جائے یا ایسا سبب موجود ہو جو کرامت کا تقاضا کرے تو اظہار میں کوئی حرج نہیں ہے۔ 1 مثلاً کفار و معاندین کے سامنے شریعت کی نصرت کا معاملہ ہو یا گمراہ اور جھوٹے جادوگروں کے جادو کو توڑنے کا مسئلہ ہو یا جہاں طالبین حق و مریدین کے ایمان و یقین میں مزید پختگی کا معاملہ ہو' یا غیب سے اذن ہو یا حالت اس قدر غالب ہو کہ اس میں قصد و اختیار باقی نہ رہے۔ وہاں صوفیاء نے اظہار کرامت کو جائز بھی رکھا ہے اور ایسے مواقع پر صوفیاء نے اپنے خداداد تصرفات اور طاقت کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پر فتوحات مکیہ میں ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی کے سامنے جب ایک ملحد فلسفی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کے ٹھنڈا ہو جانے کا انکار کیا اور یہ اشکال پیش کیا کہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آگ کے جلانے کی طبعی صلاحیت ختم ہو جائے تو آپ نے اس کے دامن میں انگارے ڈال دیئے' وہ خود کافی دیر تک انہیں اپنے دامن میں الٹتا پلٹتا رہا مگر اس کے کپڑے کو آنچ تک نہ آئی تب جا کر وہ منکر معترف ہوا۔ 2

الاستقامۃ فوق الکرامۃ:

صوفیاء کے نزدیک کسی ولی اللہ کی سب سے بڑی کرامت شریعت پر استقامت ہے۔ صوفیاء کے امام ابوالقاسم قشیری نے فرمایا:

اعلم ان من اجل الکرامات التی تکون للاولیاء دوام التوفیق للطاعات والحفظ من المعاصی والمخالفات۔ 3

"جان رکھو' اولیاء اللہ کی سب سے بڑی کرامت اطاعت الٰہی پر ہمیشگی اور معاصی و منکرات شریعت سے محفوظ رہنا ہے"۔

معروف صوفی ابوالعباس احمد بن محمد بن سکی کے قول کے مطابق تمام افعال و

1۔ (الف) الموافقات للشاطبی (اردو ترجمہ) ج 2' ص 350' مطبوعہ مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور 1993ء

(ب) التکشف عن مہمات التصوف از مولانا اشرف علی تھانوی ص 45' طبع لاہور 1960ء

2۔ الفتوحات المکیہ (باب نمبر 185) ج 2: ص 371' طبع مصر 1329ھ بحوالہ حقائق عن التصوف للشیخ عبدالقادر عیسی ص 465' طبع انگلینڈ۔

3۔ (الف) الرسالۃ القشیریہ ص 160' طبع مصطفیٰ البابی مصر' 1330ھ

(ب) رسالہ قشیریہ (اردو) ص 623' طبع ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد۔

اخلاق اور اوامر میں نبی اکرم ؐ کی متابعت سے بڑھ کر کوئی افضل و برتر مقام نہیں۔ 1

امیر خورد کرمانی نے لکھا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی رحمہ اللہ کے نامور خلیفہ مولانا حسام الدین نے ایک دفعہ سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں عرض کی کہ مخدوما! خلقت مجھ سے کرامت طلب کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

الکرامۃ ھی الاستقامۃ علی باب الغیب

"دروازہ خدا پر استقامت سے کام لینا ہی کرامت ہے۔ تم اپنے کام میں لگے رہو' کرامت کے طالب کب تک بنو گے"۔ 2

اصل یہ ہے کہ قرب الٰہی صرف ایمان و عمل صالح کا نتیجہ ہے اور قرب کی منازل صرف عقائد حقہ کی تحسین کے ساتھ اعمال صالح کی تعمیل و تکمیل سے طے ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ ائمہ سلوک اور محقق صوفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ کشف و کرامات قرب ربانی کا قطعاً ذریعہ و نشان نہیں۔ مقاصد تصوف سے ان کا کوئی تعلق نہیں اگر یہ چیزیں کتاب و سنت کے مطابق ہوں تو محمود اور موہبت الٰہی ہیں لیکن مقصود ہرگز نہیں کہ اصل مقصد رضائے حق ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے روح المعانی میں حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ کے ضمن میں ان امور پر قابل دید بحث کی ہے اور محقق صوفیہ کے اقوال نقل کر دیئے ہیں' جن کا حاصل انہی کے الفاظ میں یہ ہے:

ان تلک الغیوب والمکاشفات بل سائر ما یحصل للصوفیۃ من التجلیات لیست من المقاصد بالذات ولا یقف عندھا الکامل ولا یلتفت الیھا۔ 3

"یہ تمام غیبی باتوں کی اطلاع اور مکاشفات بلکہ وہ تمام چیزیں جو کہ صوفیہ کو تجلیات کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں' اصلا مقاصد سلوک میں سے نہیں اور نہ سالک کامل ان چیزوں کا دھیان و پرواہ کرتا ہے"۔

اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ کسی آدمی کے ہاتھ پر حسی کرامات کا ظہور اس کی افضلیت کی دلیل نہیں۔ (نشر المحاسن الغالیہ لعبداللہ یافعی ص 119' مصر 1329ھ)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کے تذکروں مثلاً طبقات ابن سعد' اسد الغابہ'

1۔ شذرات الذہب: 2:257' طبع قاہرہ 1350ھ

2۔ سیر الاولیاء (اردو) ص 229-230

3۔ تفسیر روح المعانی' ج 15' ص 123

الاصابہ فی تمیز الصحابہ وغیرہ میں بے شمار ایسے صحابہ کرام ہیں جن سے کسی حسی کرامت اور خرق عادت واقعے کا ظہور نہیں ہوا۔ اس کے باوجود پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی صاحب کرامت بڑے سے بڑا تابعی' غوث' ولی' قطب کسی ادنی سے ادنی صحابی کے مقام کو نہیں پا سکتا۔ چنانچہ معروف محدث اور فقیہ حضرت عبداللہ بن مبارک سے جب پوچھا گیا کہ حضرت امیر معاویہ ؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ میں سے کون افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: قسم بخدا! وہ غبار جو حضور اکرم ﷺ کی معیت میں امیر معاویہ کے ناک میں داخل ہوا' عمر بن عبدالعزیز ؒ سے ہزار درجہ زیادہ افضل ہے۔ 1

خیر یہاں عرض یہ کرنا ہے کہ خود صوفیاء کے نزدیک حسی کرامتوں کی اتنی اہمیت نہیں جتنی کہ ہم لوگوں نے سمجھ لی ہے اور کرامت کو ہی معیار ولایت ٹھہرا لیا گیا ہے۔ آج جس آدمی کے دم سے بیمار تندرست ہو جائے' جس آدمی کے تعویذ سے کسی کے گھر میں اولاد ہو جائے' جس کی دعا سے قاتل پھانسی سے اور مجرم جیل سے چھٹکارا پا جائے وہ سب سے بڑا ولی اور "پہنچا ہوا" تصور کیا جاتا ہے' حالانکہ یہ دم جھاڑ پھونک اور تعویذ وغیرہ حتی کہ ہوا میں اڑنا بھی ولایت کا معیار نہیں۔ بقول حضرت بایزید بسطامی ولایت کا معیار تو سراسر اتباع شریعت' اوامر و نواہی کی پابندی' حدود الہی کی محافظت اور اتباع سنت ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی ایک سنت کا بھی تارک ہے تو وہ ولایت کے درجہ پر فائز نہیں ہو سکتا۔ 2

ہر خرق عادت کرامت نہیں

بعض دفعہ بظاہر کوئی چیز کرامات کی طرح معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ کرامت نہیں ہوتی بلکہ شیطانی عمل ہوتا ہے۔ مثلاً مشکوٰۃ شریف باب العلامات بین یدی الساعۃ و

1۔ وفیات الاعیان لابن خلکان : 2 : 238' طبع مصر 1948ء (تحت ترجمہ عبداللہ بن مبارک)

2۔ (الف) وفیات الاعیان لابن خلکان : 2 : 213' طبع مصر 1948ء (تحت ترجمہ ابو یزید بسطامی)

(ب) البدایہ والنہایہ لابن کثیر (اردو) ج 11' ص 124' طبع کراچی (تحت ترجمہ ابو یزید بسطامی)

(ج) شذرات الذہب فی اخبار من ذہب : 2 : 143' طبع قاہرہ (تحت ترجمہ ابو یزید بسطامی)

(د) رسالہ قشیریہ (اردو) ص 142' طبع اسلام آباد۔

ذکر الرجال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ دجال کے متعلق اپنی امت کو پیشگی مطلع فرماتے ہوئے اس کذاب کے ہاتھوں کئی خرق عادات واقعات کے ظاہر ہونے کی تفصیل بیان فرمائی ہے حتیٰ کہ وہ مردوں کو بھی زندہ کرے گا۔ اب احیاء موتی سے بڑھ کر کون واقعہ خلاف عادت ہو سکتا ہے مگر اس کے باوجود پوری امت کا اجماع ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اسم بامسمی' سب سے بڑا کذاب اور گمراہ ہوگا۔

اسی طرح شاطبی نے قاضی عیاض کے حوالے سے فقیہ ابو میسرہ مالکی کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ ایک رات اپنے محراب میں نماز ادا کر رہے تھے اور دعا و گریہ زاری کر رہے تھے کہ ان پر رقت طاری ہوگئی۔ اسی وقت اچانک محراب پھٹ گئی جس سے بہت بڑی روشنی نکلی جو چاند کی طرح بن گئی اور اسے کہنے لگی: اے ابو میسرہ! میری طرف جی بھر کے دیکھ کیونکہ میں تمہارا بلند و برتر پروردگار ہوں۔ ابو میسرہ نے اس روشنی پر تھوک دیا اور کہا' اے لعین یہاں سے چلا جا تجھ پر اللہ کی لعنت۔ 1

اور جیسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ انہیں سخت پیاس لگی' اچانک ایک بدلی نمودار ہوئی اور ان پر جیسے پھوار برسنے لگی حتیٰ کہ آپ نے پانی پیا۔ پھر اس بدلی سے ندا آئی' اے عبدالقادر! میں تیرا پروردگار ہوں' میں نے تیرے لیے محرمات کو حلال کر دیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا: "اے لعین چل دور ہو"۔ پھر وہ بدلی کھل گئی' لوگوں نے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ ابلیس تھا؟ فرمایا: اس کی اس بات سے کہ "میں نے محرمات کو تیرے لیے حلال کر دیا۔ 2

اب دیکھتے ہیں کہ خود صوفیاء جن کو ہم عام طور پر کرامات کے حوالے سے ہی جانچتے ہیں' کے نزدیک کرامات کا کیا درجہ اور کیا حیثیت ہے۔ چنانچہ

ابو سعید ابوالخیر کے نزدیک کرامت کی حیثیت

مولانا اعجازالحق قدوسی نے نفحات الانس کے حوالے سے معروف بزرگ ابوسعید ابوالخیر (م 440ھ) کی زبانی کرامت کی حیثیت و وقعت یوں بیان کی ہے:

"آپ تصوف کے رموز و نکات کو نہایت دل آویز طریقے سے بیان کرتے۔

1۔ الموافقات للشاطبی (اردو ترجمہ) ج 2' ص 352' مطبوعہ مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور۔

2۔ ایضاً

ایک دفعہ لوگوں نے ان سے کہا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔ فرمایا' یہ کوئی خاص بات تو نہیں' مرغ اور ممولا بھی تو پانی پر چلتے ہیں۔ پھر لوگوں نے کہا' فلاں شخص ہوا میں اڑتا ہے' فرمایا یہ بھی کوئی خاص بات نہیں۔ چیل اور مکھی بھی ہوا میں اڑتی ہے' پھر لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص ایک لمحے میں ایک شہر سے دوسرے شہر چلا جاتا ہے' فرمایا شیطان بھی ایک دم میں مشرق سے مغرب چلا جاتا ہے' تصوف میں ایسی باتوں کی زیادہ قدر نہیں' مرد تو وہ ہے کہ لوگوں میں بیٹھے معاملات کرے' شادی کرے اور معاشرے میں ملا جلا رہے اور لمحے کے لیے بھی خدا سے غافل نہ ہو"۔ 1

کشف بر سرا و کفش

صوفیاء کے نزدیک کشف و کرامت کی کیا حیثیت ہے' اس کا اندازہ ماضی قریب کے ایک نامور بزرگ اور اہل اللہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمرالدین سیالوی کے اس بیان سے لگایئے کہ آپ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ کشف کوئی چیز نہیں۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کو جب کشف نصیب ہوا تو دعا مانگی کہ مولا کریم! یہ مجھ سے لے لے تو کشف جاتا رہا۔ فرمایا' یہ تو ہندوؤں کو بھی مل جایا کرتا تھا بلکہ بعض جانور بھی جانتے ہیں۔ چنانچہ گھوڑا سمجھ لیتا ہے کہ میرا مالک مر گیا ہے یا کہیں چلا گیا ہے۔ گدھا بھی یہ چیز معلوم کر لیتا ہے' اسی بناء پر بزرگان عظام نے فرمایا ہے' "کشف بر سرا و کفش" 2

کرامت کا چھپانا فرض

صوفیاء نے کرامت کے چھپانے کو فرض کے درجے میں قرار دیا ہے اور اس کے اظہار کو سخت ناپسند کیا ہے۔ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے فرمایا ہے:

فرض اللہ تعالی کتمان الکرامۃ علی اولیائہ کما فرض علی انبیاء ہ اظہار المعجزۃ۔ 2

"اللہ تعالی نے اپنے اولیاء پر کرامت کا چھپانا اسی طرح فرض کیا ہے جیسے اپنے

1۔ اقبال کے محبوب صوفیہ ص 46-47

2۔ انوار قمریہ (ملفوظات خواجہ محمد قمرالدین سیالوی) مولفہ قاری غلام احمد صاحب ص 316

3۔ (الف) فوائد الفوائد (مترجم) ص 251

(ب) اردو ترجمہ سیرالاولیاء ص 311' مطبوعہ لاہور

انبیاء پر معجزہ کا ظاہر کرنا فرض کیا ہے"۔

ٹھیک اسی مفہوم اور ان ہی الفاظ سے ملتا جلتا ایک قول حضرت ابو عمرو دمشقی (م 320ھ) کا شعرانی نے بھی نقل کیا ہے۔ (الطبقات الکبری ص 101)

پس اگر کوئی ولی کرامت کو ظاہر کرتا ہے تو گویا وہ فرض کو ترک کرتا ہے۔ سو فرض کا چھوڑنا ایک برا فعل ہے۔ سلوک کے سو درجے ہیں جن میں ستروان درجہ کشف و کرامت کا ہے' اگر سالک اسی میں رہے تو باقی کے تراسی کیونکر حاصل کر سکتا ہے۔ 1

اس لیے مشائخ اس بات کا بطور خاص خیال رکھتے تھے کہ ان کے خلفاء میں اظہار کرامت کا جذبہ پیدا نہ ہو' ان کا کہنا تھا کہ کشف و کرامات "حجاب راہ" ہیں۔ ان سے روحانی شخصیت ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔ ایک دن مولانا حسام الدین نے اپنے پیر سے عرض کیا' "مخدوم! خلق' طالب کرامت ہے"۔ فرمایا: "کرامت کے طالب نہ بنو تم اپنے کام میں ثابت قدم رہو' استقامت ہی کرامت ہے"۔ 2

اظہار کرامت پر حضرت جنید بغدادیؒ کی ناراضگی

امیر حسن علاء سجزی اور امیر خورد کرمانی دونوں نے حضرت محبوب الٰہی کی ایک مجلس کی گفتگو نقل کی ہے' جس میں آپ نے فرمایا:

کرامت دکھانا کوئی بڑا کام نہیں۔ ایک راست رو مسلمان کو چاہیے کہ وہ گدائے بیچارہ ہو۔ اس موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ خواجہ ابوالحسن نوری دریائے دجلہ کے کنارے پر پہنچے' وہاں انہوں نے ایک ماہی گیر مچھلیاں پکڑتے دیکھا' آپ نے اس سے کہا' جال پانی میں ڈال اور مچھلی پکڑ۔ اگر میں صاحب ولایت ہوں تو جال میں ایک مچھلی آئے گی جو پورے ڈھائی من کی ہوگی' نہ اس سے کم اور نہ زیادہ ہوگی۔ ماہی گیر نے جال پانی میں ڈالا' اس میں ایک مچھلی آگئی جب اسے تولا گیا تو ٹھیک ڈھائی من کی تھی۔ یہ خبر جب حضرت جنید بغدادی تک پہنچی تو آپ نے فرمایا' کاش اس جال میں ایک سیاہ سانپ آجاتا جو ابوالحسن کو کاٹ کھاتا اور اسے ہلاک کر دیتا۔ لوگوں نے پوچھا' آپ ایسا کیوں فرما رہے ہیں؟ فرمایا' اگر جال میں سانپ آتا اور اس کے کاٹنے سے وہ ہلاک ہو جاتے تو شہید

1۔ سیرالاولیاء (اردو) ص 311

2۔ سیرالاولیاء (فارسی) ص 262' بحوالہ تاریخ مشائخ چشت: 1: 371' طبع ادارہ ادبیات دلی۔

مرتے چونکہ ایسا نہیں ہوا۔ اب معلوم نہیں غرور کرامت کی وجہ سے ان کا انجام کیا ہو۔ 1

شیخ سعید الدین حمویہؒ کے نزدیک کرامت کی حقیقت

خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے بیان کیا ہے کہ شیخ سعید الدین حمویہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک مرتبہ شہر کا حاکم حاضر ہوا۔ آپ اٹھ کر خندہ پیشانی سے پیش آئے اور دونوں ایک جگہ اکٹھے بیٹھ گئے' پاس ہی ایک باغیچہ تھا۔ شیخ صاحب نے حکم دیا کہ سیب لاؤ جب دونوں صاحب کھانے لگے تو اس تھال میں ایک بڑا سیب دیکھ کر بادشاہ نے خیال کیا کہ اگر شیخ فی الواقعہ صاحب کرامت ہیں تو یہ سیب مجھے دیں گے۔ آپ اس خیال سے مطلع ہوتے ہی اس سیب کو اٹھا کر فرمانے لگے کہ ایک دفعہ سفر کرتا ہوا جب میں ایک شہر میں پہنچا تو دیکھا کہ ایک مداری تماشا کر رہا ہے۔ اس کے پاس ایک گدھا تھا جس کی آنکھیں کپڑے سے باندھ کر ناظرین کو کہا کہ تم میں سے کوئی صاحب یہ انگشتری لے لیں' میرا گدھا فورا پہچان لے گا کہ کس کے پاس انگشتری ہے۔ چنانچہ ایک شخص کو انگشتری دے دی اور گدھا چھوڑ دیا' گدھے نے ایک ایک کر کے سونگھنا شروع کیا۔ آخر جس آدمی کے پاس انگوٹھی تھی' اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ شیخ صاحب نے یہ نظیر پیش کر کے بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آدمی اگر کرامت دکھلائے تو اس گدھے کی طرح ہے اور اگر نہ دکھلائے تو کہتے ہیں کہ اس شخص میں صفائی نہیں۔ یہ کہہ کر سیب بادشاہ کی طرف پھینک دیا۔ 2

خواجہ قطب اور سلوک کے کل درجات میں کرامت کا درجہ

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ سلوک کے کل کتنے درجات ہیں اور ان میں کرامت کا کونسا درجہ ہے۔ چنانچہ خواجہ قطب صاحب نے ارشاد فرمایا کہ مشائخ و اولیائے طریقت نے بالاتفاق سلوک کے ایک سو اسی درجہ رکھے ہیں لیکن اولیاء طریقہ جنیدیہ نے سو درجہ اور اولیاء طریقہ ذوالنون نے ستر درجے رکھے ہیں اور طبقہ ابراہیم اور بشر حافی میں کل پچاس درجے شمار کئے جاتے ہیں اور خواجہ بایزید بسطامی و عبداللہ مبارک اور خواجہ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ سلوک کے کل پینتالیس درجے ہیں اور اولیائے طریقہ شاہ شجاع کرمانی

1 فوائد الفواد (اردو) ص 37-336' سیر الاولیاء (اردو) ص 313

2 سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص 313-314' مطبوعہ لاہور

دسمنون محب اور خواجہ مرتعش کے نزدیک سلوک میں بیس ہی درجے ہیں۔ مگر ہمارے مشائخ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ دراصل سلوک میں پندرہ ہی درجے ہیں' اس کے بعد اپنے ارشاد فرمایا کہ ان درجات میں ایک درجہ کشف و کرامت کا ہے' چاہیے کہ اس درجہ میں اپنی ذات کو پوشیدہ رکھے جس نے اپنی ذات کو درجہ کشف و کرامت میں ظاہر کیا وہ آئندہ ترقی درجات سے بے بہرہ رہے گا۔ تفصیل درجہ کشف و کرامت اس طرح پر ہے جن کے نزدیک سلوک میں ایک سو اسی درجے ہیں۔ ان میں اسی کا درجہ کشف و کرامت کا ہے۔ طبقہ جنیدیہ میں ستر واں درجہ کشف و کرامت کا ہے' طبقہ بصریہ میں بیسواں درجہ اور طریقہ ذوالنون مصری میں پچیسواں درجہ کشف و کرامت کا ہے اور شاہ شجاع کرمانی کے نزدیک دسواں درجہ کشف و کرامت کا ہے اور خواجگان چشت کے نزدیک پانچواں درجہ کشف و کرامت کا ہے۔ پس مرد وہی ہے کہ مرتبہ کشف و کرامت میں اپنی ذات کو ظاہر نہ کرے کہ سلوک کے کل درجات حاصل ہو جاویں۔ کشف و کرامت کے اظہار سے بقیہ درجات سے محروم رہنا پڑے گا۔ اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اہل سلوک نے یہ درجات اس واسطے رکھے ہیں کہ رہرو راہ سلوک کو آسانی ہووے اور وہ اپنے حالات و مقامات سے واقف ہو کر اس کی ایزادی میں کوشش کرے جب حضرت خواجہ قطب الاسلام ادام اللہ بقاوہ یہ تمثیل بیان فرما چکے۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ امت محمدی میں ایسے ایسے مرد ہو گزرے ہیں اور موجود ہیں کہ ان درجات کو حاصل کر کے اور ہزارہا درجات انہوں نے حاصل کیے ہیں اور ایک ذرہ اسرار دوست کا باہر نہیں نکالا اور مطلق اس امر کا خیال نہیں کیا کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں۔ 1

خواجہ نظام الدین اولیاء کے نزدیک کرامت کا درجہ

خواجہ نظام الدین نے ارشاد فرمایا کہ بعض مشائخ طبقات رحمہم اللہ نے سلوک کے سو مرتبے مقرر کیے ہیں اور ان میں سترہواں درجہ کشف و کرامات کا قرار دیا ہے۔ پس جس نے اپنی ذات کو مرتبہ ہفتدہم میں کشف کیا وہ سعادت دیگر مراتب سے محروم ہو گا۔ مرد کامل وہ ہے جو اپنی ذات کو اس مرتبہ میں پوشیدہ رکھے کہ ۔ مراتب سلوک اس کو حاصل ہوں۔ لیکن شاہ شجاع کرمانی اور خواجہ بایزید رحمتہ اللہ علیہما نے پچاس مرتبے

1۔ فوائد السالکین (ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی مرتبہ بابا فرید گنج شکر) شامل در مجموعہ ملفوظات خواجگان چشت ص 120' طبع دہلی 1324ھ

سلوک کے قرار دیئے ہیں اور اس میں دسواں مرتبہ کشف و کرامت کا رکھا ہے۔ ان کے نزدیک جو شخص نو مراتب طے کر کے دہم میں داخل ہوا وہ کرامت دکھا سکتا ہے مگر ہمارے خواجگان چشتؒ کے نزدیک سلوک کے پندہ درجے ہیں اور اس میں پانچواں مرتبہ کشف و کرامت کا ہے جو شخص اپنی ذات کو پانچویں مرتبہ میں ہویدا کرے گا وہ بقیہ دس درجوں کو حاصل نہ کر سکے گا۔ ہمارے نزدیک مرد کامل وہ ہے جس کو جمیع مراتب و مدارج سلوک حاصل ہوں اور وہ اپنی ذات کو کشف نہ کرے۔ حضرت خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر یہ بیان فرما رہے تھے کہ خواجہ شمس الدین یحییٰ نے زمین ادب چوم کر اور اجازت لے کر عرض کی کہ مشائخ متقدمین نے سلوک کے جو سو درجے قرار دیئے ہیں اور ہمارے مشائخ نے پندرہ مرتبہ قرار دیئے ہیں اس کا کیا سبب ہے' جب بات ایک ہی ہے تو اس تفاوت کا کیا باعث ہے۔ حضرت خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ اس کا جواب مجھ سے سنو۔ انبیاء علیہم السلام کی عمر دراز ہوتی تھی۔ ہزار برس کی بعض بعض کی عمر ہوئی ان کا مشاہدہ و مجاہدہ ان کی عمر کے اندازہ پر تھا البتہ نعمت کم حاصل ہوتی تھی مگر جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تولد ہوئے اور بعد گزرنے چالیس سال کے آپ کو نبوت عطا اور بے شمار معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت ہوئے کہ اندازہ ان کا نہیں ہے اور عمر شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کم ہوئی' فقط تریسٹھ برس کی عمر میں وصال ہوا۔ آپ کی نعمت تمام امت مرحومہ پر شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مشائخ خواجگان چشتؒ چونکہ مشائخ متاخرین ہیں ان کو نعمت زیادہ عطا ہوئی ہے۔ مجاہدہ اور مشاہدہ جو اولیاء متقدمین رحمتہ اللہ علیہم کو حاصل تھا' اتنا ہمارے مشائخ رحمہم اللہ کو حاصل نہیں کیونکہ عمر ان کی اتنی نہیں ہوئی لیکن نعمت اور کرامت بے اندازہ حاصل ہوئی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں جمیع مراتب سلوک کو انہوں نے طے کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہی حکایت دربارہ سلوک زمانہ خواجہ قطب الدین مودود چشتی میں آپ کے روبرو ہوئی۔ خواجہ قطب الدین نے ارشاد فرمایا کہ مرد کامل راہ سلوک میں وہ ہے جو کل پندرہ مدارج طے کر جائے اور بالکل کشف و کرامت کا اظہار نہ کرے۔ اس وقت اسے اس قدر استعداد حاصل ہوتی ہے کہ اگر اس کا سانس مردہ سے متصل ہو' البتہ مردہ زندہ ہو جائے۔ بفرمان خدائے عز و جل حضرت خواجہ قطب الدین مودود یہ بیان فرما رہے تھے کہ اس وقت ایک بڑھیا زار و نالاں خدمت شریف میں حاضر ہوئی اور رو کر عرض کی کہ اس نحیفہ کے اکلوتے فرزند کو بادشاہ شہر نے بلاوجہ و بے موجب ناحق قتل کر ڈالا۔ اے خواجہ آپ میرا انصاف فرمائیں۔ حضرت خواجہ مودود یہ سنتے ہی مع جمیع یاران اٹھ کر بر سردار تشریف لے گئے اور اس

لڑکے کی لاش سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ اگر تو بلاوجہ و بے خطا مارا گیا ہے' پس بحکم خدائے عزوجل کھڑا ہو جا' لڑکا اسی وقت زندہ ہو گیا اور آپ نے اسی وقت تمام خلق اللہ اور گفتگو کرنے والوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ مرتبہ کمال مرد کا ہے جو تم نے دیکھا۔ جب مرد جمیع مدارج تصوف و سلوک طے کر جاتا ہے' اس کا مرتبہ سوائے ذات باری تعالی کے کوئی نہیں جانتا۔ 1

1۔ راحت المحبین (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء و تبراء خسرو) شامل در مجموعہ ملفوظات خواجگان چشت ص 312-313' طبع دہلی 1324ھ (مجلس سیزدہم)

باب اول

حسن اخلاق / بدی کا بدلہ نیکی

خواجہ ابراہیم بن ادھمؒ اور ایک شرابی گویا

حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ ایک بار راہ میں جاتے تھے۔ ایک مست جوان گھوڑے پر سوار پیش آیا اور خواجہ کو زور سے کوڑا مار کر کہا' یہ شراب کا مٹکا سر پر اٹھالے خواجہ صاحب سر پر مٹکا اٹھا کر چل دیئے اور اس کے گھر پہنچا دیا۔ وہاں ایک گویا سارنگی بجا رہا تھا۔ جب خواجہ نے شراب کا مٹکا اتارا تو اس جوان نے طنبورہ گویے کے ہاتھ سے لے کر خواجہ صاحب کے سر مبارک پر اس زور سے مارا کہ نہ صرف سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا بلکہ گوشہ طنبورہ بھی ٹوٹا۔ خواجہ صاحب باہر آئے اور دریائے دجلہ پر جاکر کپڑے اور سر خون آلودہ دھویا۔ درویشوں کی شان ہی نرالی ہوتی ہے' ان کی سوچ بھی دنیا سے الگ ہوتی ہے اور ان کے ذہن کی پرواز بھی عام ذہنوں سے بہت بلند ہوتی ہے۔ اب خواجہ صاحب کو اپنے سر پھٹنے کی کوئی فکر یا غم نہ تھا بلکہ غم تھا تو یہ تھا کہ میری وجہ سے بیچارے گویے کا طنبورہ ٹوٹ گیا اور کچھ تھا نہیں۔ گھر آکر اپنا مصلیٰ لیا اور بازار میں لے جاکر بیچا۔ پھر اس جوان کے گھر جاکر نصف قیمت مصلیٰ اس کے نذر کی اور کہا تم نے جو طنبورہ میرے سر پر اٹھاکر مارا مبادا تمہارے ہاتھ کو کچھ رنج پہنچا ہو۔ یہ اس کا شکرانہ قبول کیجئے جب جوان نے یہ خوش خلقی خواجہ صاحب کی دیکھی اپنی پگڑی گردن میں ڈال کر قدموں میں گر پڑا اور خالص دل سے توبہ کی۔ پھر جناب خواجہ صاحب وہاں سے اس گویے کے گھر گئے اور باقی نصف قیمت مصلیٰ کی اس کے روبرو رکھی اور فرمایا میرے سر کی وجہ سے تمہارا طنبورہ ٹوٹا یہ شکرانہ عوض اس کا قبول ہو۔ اس نے بھی جب جناب خواجہ صاحب کا خلق حسن دیکھا۔ رویا اور آپ کے قدموں پر گر کر تائب ہوا۔

(خیر المجالس ملفوظات حضرت خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی' ص 174)

شیخ نجیب الدین سہروردی اور قیدی لوگ

حضرت شیخ نجیب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ (عوارف المعارف میں "ضیاء الدین ابوالنجیب" نام ہے) ایک بار سفر میں تھے۔ اصفہان پہنچے' ان کی میزبانی بہت بڑی سعادت تھی' وہاں کے حاکم نے آپ کی تشریف آوری کا حال سن کر خوان کھانے کے'

قیدیوں کے سروں پر بطریق دعوت بھیجے۔ اکیلے کھانا درویشوں کی صفت نہیں۔ آپ نے فرمایا' دستر خوان بچھا دیں اور سب حاضرین کو کھانا کھانے کو کہیں' سب کے بعد میرے ہاتھ دھلائیں میں بھی سب کے ساتھ کھاؤں گا۔ کیونکہ درویشوں کے نزدیک "الھدایا مشترکہ" تحفے اور ہدیے مشترک ہوتے ہیں۔ یہ بات سنت اسلام اور راہ سلوک کے منافی ہے کہ میں تنہا اور علیحدہ بیٹھ کر کھاؤں اور حاضرین میرے منہ کی طرف دیکھتے رہیں۔ خادموں نے عرض کیا' حاضرین میں یہ مجرم گنہگار اور قیدی لوگ ہیں جو کھانا اٹھا کے لائے ہیں۔ فرمایا' مجرم قیدی ہیں تو کیا انسان بھی نہیں۔ نفرت مرض سے ہوا کرتی ہے مریض سے نہیں۔ نفرت مرض گناہ سے ہونی چاہیے نہ کہ گناہ میں مبتلا مریض سے۔ مریض تو زیادہ ہمدردی اور توجہ کا مستحق ہے۔ لہٰذا قیدیوں کو بھی ساتھ کھانے کے واسطے کہو۔ غرض دسترخوان آراستہ کیا گیا اور تمام حاضرین مع قیدیوں کے بیٹھ گئے۔ شیخ صاحب ہاتھ دھو کر جب آئے تو آپ کا گزر قیدیوں کی طرف سے ہوا۔ شیخ نے قیدیوں سے کوئی نفرت نہیں کی۔ اپنے آپ کو ان سے بہتر تصور نہیں کیا' کمال محبت اور پیار سے انہی کے درمیان بیٹھ گئے اور ان کے ساتھ مل کر کھانا تناول فرمایا۔ بھلا کوئی گیا گزرا انسان ایسا ہو سکتا ہے جو اس قسم کے اخلاق عالیہ دیکھنے کے بعد بھی متاثر نہ ہو اور اپنے رویے پر نظر ثانی نہ کرے۔

(1) (عوارف المعارف' ص 241 طبع بیروت۔ لبنان)

(2) (خیر المجالس نصیرالدین محمود چراغ دہلوی رحمہ اللہ' ص 175)

حضرت فضیل بن عیاض اور ایک مسافر

ایک بار کوئی قافلہ ان کی حد میں جہاں (قبل توبہ) لوٹا کرتے تھے گزرا' تو شب کے ان کے خوف سے ہر شخص نے اپنا مال نکال کر اس جنگل میں جا بجا گاڑ دیا۔ ایک جوان دور تک گیا کہ مال کہیں جنگل میں چھپا آئے۔ دیکھا ایک درخت تلے چھپر ہے اور اس میں ایک شخص مصلی بچھائے مشغول وظیفہ ہے۔ اس نے دل میں کہا' یہ مرد پارسا معلوم ہوتا ہے' اس سے بہتر کون ہو گا۔ بہتر یہ ہے کہ مال اس کے پاس امانت رکھ دوں۔ غرض ان کے پاس جا کر کہا' خواجہ یہ مری امانت رات بھر کے لیے رکھ لو کہ مجھ کو یہاں خوف راہ زنوں کا ہے۔ انہوں نے کہا' تم اپنے ہاتھ سے میری اس چٹائی کے نیچے رکھ دو اور بے خوف جا کر رات گزارو۔ جوان وہ زر ان کی چٹائی کے نیچے رکھ گیا' ادھر رات کو خواجہ فضیل کی جماعت کے ڈاکو آئے اور قافلہ لوٹا اور مال و اسباب لے گئے۔ مگر نقد مال جو جو بجا گڑا تھا ان کے ہاتھ نہ آیا۔ صبح کے وقت جب قافلہ کے لوگ جمع ہوئے اور جا بجا اپنا گڑا

ہوا مال نکال لائے تو وہ جوان بھی اپنا مال لینے کو جنگل میں ان بزرگ کے پاس گیا' وہاں دیکھا کہ چند آدمی اور بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور قافلے کا لوٹا ہوا مال باہم بانٹ رہے ہیں۔ جوان نے افسوس کیا کہ میں نے خود اپنا مال چوروں کے افسر کو دے دیا ہے' بڑی بے وقوفی کی۔ اب یہ میری امانت کب واپس دے گا۔ یہ سوچ کر ڈر سے لوٹنا چاہا' خواجہ نے لوٹتے دیکھ کر پکارا کہ اے جوان کہاں جاتا ہے۔ خوف مت کر اور اپنی امانت اسی جگہ سے **نکال** کر لے جا۔ جوان حیران ہو کر ان کے پاس گیا اور چٹائی کے نیچے سے اپنی امانت نکال لی۔ خواجہ نے کہا' خوب دیکھ لے میں نے امانت میں خیانت نہیں کی' میں جھوٹ نہیں بولتا۔ اگر تیری امانت **بجنسہ** نہ ہو تو میں خائن اور دروغ گو ہوں گا۔ (شاید ان کا یہی وصف اور حسن اخلاق رب کریم کو پسند آگیا تھا کہ آگے چل کر انہیں توبہ کی توفیق ہوئی اور صوفیاء میں بلند مقام پایا۔)

(خیرالمجالس ملفوظات حضرت خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی' ص 212)

شیخ عبداللہ انصاری اور تمام لوگوں سے محبت

خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی نے یہ حکایت بیان کی کہ شیخ عبداللہ انصاری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جو فرقہ آتا وہ ان سے ایسا ملتے کہ وہ سمجھتے شیخ ہمارے دین و مذہب میں ہے۔ مثلاً اگر قلندر آتے تو ان سے اس محبت سے موافق باتیں کرتے کہ وہ کہتے کہ شیخ صورت میں صوفی ہے لیکن درحقیقت قلندر ہے۔ اور اگر جوالقی آتے وہ بھی ایسا ہی خیال کرتے۔ اگر علماء آتے ان سے بھی یہی معاملہ ہوتا' وہ کہتے شیخ تو بڑا عالم ہے۔ صورت صوفیہ بنالی ہے۔ سوداگر بھی مل کر یہی کہتے' اور ہر قوم کا قبرستان جدا ہوا کرتا تھا۔ قلندر اگر مرتا تو اس کو مقابر قلندراں میں دفن کرتے' اسی طرح صوفی صوفیوں میں اور جوالقی جوالقیوں میں اور عالم عالموں میں وعلی ہذالقیاس اگر حاکم یا سوداگر یا طباخ یا قصاب مرتا تو اپنے جنس کے لوگوں میں دفن ہوتا' جب شیخ کی رحلت کا وقت قریب ہوا تو فرزندوں کو بلا کر کہا' میرا آخری وقت ہے مگر میں نے اپنی زندگی اس خوش اخلاقی سے بسر کی ہے کہ ہر طائفہ آکر کہے گا' شیخ عبداللہ انصاری ہمارے گروہ سے تھا تم اب لے کر کیا کرو گے۔ صاحب زادوں نے کہا جو شیخ فرمادیں ہم اس پر عمل کریں گے۔ فرمایا' میری وفات کے بعد جنازہ درست کر کے گھر سے باہر رکھ دینا اور ہر گروہ سے کہنا کہ جنازہ اٹھائے جس کے ہاتھ جنازہ اٹھے میں اسی طائفہ سے ہوں' اسی گروہ میں دفن کرنا۔ غرض جب شیخ نے رحلت کی' سب گروہ حاضر ہوئے ہر گروہ شیخ کو اپنی جماعت سے بتاتا تھا۔ شیخ کے فرزندوں نے جنازہ گھر سے باہر لا کر رکھ

دیا اور کہا ہر گروہ آ کر اٹھائے جس کے ہاتھوں سے جنازہ اٹھے وہ اپنے قبرستان میں لے جا کر رکھے۔ اول قلندروں نے آ کر اٹھایا مگر جنازہ نہ ہلا۔ گویا زمین سے سلا ہوا ہے۔ وہ لوٹ گئے جوالقی آئے' پھر دولت مند اور سوداگر اہل کلاہ ہر ایک جدا جدا آئے مگر کسی سے جنازہ نہ اٹھا۔ آخری گروہ صوفیاء کا آیا' ان کے ہاتھ لگاتے ہی جنازہ اٹھا' وہ لے گئے۔

(خیرالمجالس ملفوظات حضرت خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی' ص 102)

حضرت بایزید بسطامی اور ایک بربط بردار

حضرت بایزید ایک مرتبہ قبرستان سے تشریف لا رہے کہ ایک بسطامی نوجوان مستی میں بربط بجا رہا تھا۔ آپ نے اس شیطانی کام کو دیکھ کر لاحول پڑھی تو اس نوجوان نے اندھی جوانی میں بربط کو اتنی زور سے آپ کے سر پر دے مارا کہ سر پھٹ گیا اور بربط ٹوٹ گیا۔ حضرت بایزید کو اتنا رنج اپنے سر پھٹنے کا نہ ہوا جتنا اس کے بربط ٹوٹ جانے کا ہوا آپ نے گھر واپس آ کر اس نوجوان کو بربط کی قیمت اور کچھ حلوہ وغیرہ بھیجتے ہوئے پیغام دیا کہ اس رقم سے دوسرا بربط خرید لو اور حلوہ وغیرہ خوب کھاؤ تاکہ شکستہ بربط کا غم دور ہو جائے۔ وہ نوجوان برائی کے بدلے میں حضرت کی اس نیکی اور شر کے بدلے میں خیر اور بدی کے بدلے میں اس احسان اور حوصلے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ اپنے دل ہی دل میں ندامت اور پشیمانی سے گھلا چلا جا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں کس قدر سراپا شر اور وہ کس قدر سراپا خیر و بھلائی ہیں۔ حضرت کے اخلاق حسنہ کی تلوار اس پر چل چکی تھی' پرنم آنکھوں سے حاضر خدمت ہوا اور حاضر ہو کر معذرت طلب کی۔ حضرت تو پہلے ہی تہہ دل سے معاف کر چکے تھے۔ فرمایا' بیٹا کوئی بات نہیں اس طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ اور اس کا ایک ساتھی دونوں تائب ہو گئے اور اللہ کے پسندیدہ اور پاک بندوں میں شامل ہو گئے۔

(شیخ عطار: تذکرۃ الاولیاء (اردو) ص 94)

حضرت ابو عثمان حیری اور ایک شرابی

کوئی شرابی برہنہ پا بربط بجاتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اچانک آپ سے ملاقات ہو گئی' آپ کو دیکھتے ہی احتراما میں بربط تو بغل میں چھپا لیا اور سر پر ٹوپی اوڑھ لی۔ حضرت ابو عثمان حیری بھی اس کے اس احترام اور عقیدت مندی کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ قریب پہنچے تو دیکھا کہ اس کے منہ سے رالیں ٹپک رہی ہیں اور شراب کی بو آ رہی ہے۔ شیخ نے ذرہ بھر اس سے نفرت نہ کی' ناک بھوں نہیں چڑھائی بلکہ اس کی اس عقیدتمندانہ روش کی وجہ سے

بہت خوش ہوئے اور کمال شفقت سے اپنے ہمراہ گھر لے آئے اور غسل کروا کے اپنا خرقہ پہناتے ہوئے بارگاہ ایزدی میں دعا فرمائی کہ اے اللہ میں نے اپنا اختیاری کام تو انجام دے لیا' اب جو تیرے اختیار میں ہے اس کی تکمیل فرما دے۔ اس کے دل کی دنیا تو پہلے ہی بدل چکی تھی۔ وہ سچی توبہ کر چکا تھا۔ اس دعا کے ساتھ ہی اس شرابی میں ایسا روحانی کمال پیدا ہو گیا کہ آپ خود بھی متحیر رہ گئے۔ اس وقت حضرت ابو عثمان حیری آپ کے یہاں پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ آج میں رشک کی آگ میں عود کی طرح سلگ رہا ہوں اور اللہ کی کمال عطا اور بخشش پر حیران ہوں کہ جس کمال کے حصول میں میری اتنی عمر ختم ہوگئی وہ کمال بلا طلب ایسے شخص کو عطا کر دیا گیا جس کے منہ سے شراب کی بدبو آ رہی ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ فضل خداوندی کا انحصار صرف عمل پر نہیں بلکہ قلبی کیفیات سے متعلق ہے۔

شیخ عطار: تذکرۃ الاولیاء (اردو) ص 214)

حضرت جنید اور ایک دعوت کنندہ

ایک شخص نے کچھ لوگوں کو کھانے کی دعوت دی۔ اس کے بیٹے نے بغیر اس کی اطلاع کے حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کو مدعو کر لیا۔ دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ آپ نے کمال محبت سے وعدہ کر لیا مگر جب آپ اس کے دروازے پر پہنچے تو اس (باپ) نے داخل ہونے سے روکا۔ بغیر الجھے چپکے سے واپس ہو لیے۔ لڑکے نے پھر بلایا' لیکن باپ نے پھر نہ آنے دیا۔ آپ واپس آ گئے۔ اس طرح متواتر چار بار آئے اور واپس ہوئے۔ اس عمل سے ان کا مقصد اس لڑکے کو خوش کرتا تھا اور واپس اس لئے چلے گئے کہ لڑکے کا باپ خوش ہو۔ کیونکہ دلوں کو خوش کرنا ہی اصل تصوف ہے۔ آپ ہر اقرار و انکار کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے۔ لہٰذا خود کو تکلیف نہ ہوتی تھی۔ تسلیم و رضا ہی راہ سلوک کی بنیادی تعلیم ہے۔

راضی برضا ہو تو مزہ دیکھ
دنیا ہی میں بیٹھے جنت کی فضا دیکھ

کیمیائے سعادت' ص 247

حضرت جنید اور چند گویے

حضرت جنید ایک روز مسجد میں تھے۔ ایک شخص آیا اور کہا کہ حضرت آپ کا وعظ شہر ہی میں کام کرتا ہے یا جنگل میں بھی کچھ اثر کرتا ہے' آپ نے حال پوچھا' اس نے

عرض کیا کہ چند اشخاص فلاں مقام پر جنگل کے اندر مصروف رقص و سرود اور دور شراب سے مخمور ہیں۔ آپ نے اسی وقت منہ لپیٹ کر جنگل کی راہ لی۔ جب آپ قریب پہنچے تو وہ لوگ بھاگنے لگے فرمایا' "بھاگو مت میں بھی تمہارا ہم مشرب ہوں۔ ہمارے لیے بھی لاؤ۔ شہر میں تو پی نہیں سکتے' پوشیدہ طور پر یہاں آئے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا' "افسوس ہے کہ اس وقت شراب نہیں رہی۔ فرمائیں تو شہر سے منگوا دی جائے"۔

حضرت جنید نے فرمایا' "کیا تمہیں کوئی ایسی بات نہیں آتی کہ شراب خود بخود آ جایا کرے"۔ وہ بولے صاحب یہ کمال تو ہم میں نہیں فرمایا کہ آؤ تم کو ایک ایسی بات سکھا دوں کہ شراب خود بخود آ جائے۔ پھر شراب کا مزا دیکھو وہ سب مشتاق ہوئے کہ یہ کمال تو ضرور بتا دیجئے۔ کہا! کہ اچھا اول نہاؤ پھر کپڑے بدل کر میرے پاس آؤ۔ سب نے غسل کیا' کپڑے بدلے' کپڑے دھوئے اور پاک و صاف ہو کر آ موجود ہوئے۔ تب فرمایا کہ سب دو رکعت نماز پڑھو جب وہ نماز میں مشغول ہوئے تو آپ نے دعا مانگی کہ خدایا! میرا تو اتنا ہی کام تھا کہ تیرے حضور کھڑا کر دیا۔ اب تجھے اختیار ہے' خواہ ان کو گمراہ کر خواہ ہدایت بخش۔ چنانچہ حضرت کی دعا منظور ہوئی اور سب ہدایت کامل سے مستفیض ہوئے۔

مخزن اخلاق' ص 308

حضرت مسلم بن زیاد اور ایک دعوت ولیمہ

حضرت مسلم بن زیاد ایک دعوت ولیمہ میں مدعو تھے۔ آپ کو دیر ہوگئی۔ جب آپ گئے تو صاحب ولیمہ نے آپ کو دیکھ کر کہا' آپ نے دیر کی لوگ کھا کر چلے گئے' اب کھانا نہیں رہا۔ "مسلم نے لجاجت بھرے انداز میں کہا' "پیالوں میں شاید کچھ لگا ہو' میں وہی صاف کر لوں گا"۔ اس نے کہا' برتن ہم نے دھو ڈالے ہیں۔ آپ نے فرمایا' "شاید دیگ میں کچھ لگا ہو"۔ صاحب خانہ نے کہا' "وہ بھی دھو چکے ہیں"۔ آپ نے کہا' "شاید روٹی کا ٹکڑا بچا ہو"۔' مالک نے کہا' "وہ بھی فقراء میں تقسیم کیا جا چکا ہے اب ایک لقمہ بھی نہیں ہے"۔ مسلم بن زیاد ہنسے اور واپس چلے گئے۔ لوگوں نے کہا' "بڑے عجیب آدمی ہیں' اس بات سے رنجیدہ نہیں ہوئے بلکہ ہنس رہے ہیں"۔ آپ نے فرمایا' اس نے نیک نیتی سے بلایا تھا' اب نیک نیتی سے واپس کیا ہے' خفگی کیوں ہو؟ اصل چیز تو انسان کا اخلاص' محبت اور چاہت ہے' کھانا پینا تو کوئی چیز نہیں۔ لوگ آپ کے اس حسن اخلاق سے انتہائی متاثر ہوئے اور یقیناً اس وقت ملائک آسمانی بھی اس حلم و برداشت' محبت و مروت' بے نفسی اور حسن اخلاق پر رشک کر رہے ہوں گے۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

(1) مخزن اخلاق' ص 242
(2) اخلاق صالحین ترجمہ تنبیہہ المغترین' ص 259

حضرت ابو سعید ابوالخیر اور شرابیوں کی توبہ

تصوف کا مسلک صلح کل ہے' حضرت سلطان ابو سعید ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ ہر ایک سے خواہ وہ کسی مذہب و مسلک سے تعلق رکھتا ہو' نہایت خندہ پیشانی اور محبت سے پیش آتے تھے اور ان کو نہایت شفقت و محبت سے اسلام کی خوبیاں سمجھاتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ اپنے مریدوں کے ساتھ عیسائیوں کے ایک گرجے میں گئے' عیسائیوں کو آپ کی آمد سے نہایت مسرت و حیرت ہوئی اور آپ کا یہ طریقہ کار اتحاد و الفت کا سبب بنا۔

اس زمانے میں کہ شیخ ابو سعید نیشا پور میں تھے۔ ایک روز حیرہ کے قبرستان میں اپنے مریدوں کے ساتھ تشریف لے گئے' ایک شیخ کی قبر پر دیکھا' لوگ شراب پی رہے ہیں اور دف بجا رہے ہیں۔ آپ کے مریدوں کو سخت غصہ آیا اور ان کے مارنے کے لیے دوڑے لیکن شیخ نے اس سے ان کو روکا اور خود ان کے پاس گئے اور ان کے لیے دعائے خیر کی' کیونکہ نفرت مرض سے ہوا کرتی ہے نہ کہ مریض سے۔ مریض تو الٹا زیادہ پیار توجہ محبت اور خیال کا مستحق ہوتا ہے۔ شیخ کا یہ خلوص اور انوکھا انداز تبلیغ اپنا کام کر چکا تھا' وہ لوگ آپ کے اس طرز عمل سے بے حد متاثر ہوئے اور دوڑ کر آپ کے گھوڑے کے قدموں میں گرے اور تائب ہو کر تمام شراب گرا دی' دف توڑ دیئے اور تمام لوگوں کی زندگی کا رخ بدل گیا۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

(اقبال کے محبوب صوفیہ ص 47-48' بحوالہ تاریخ ادبیات ایران ص 117)

حضرت احمد حضرویہ اور ایک چور

رات میں آپ کے یہاں چور آ گیا۔ درویش کی کٹیا میں کیا رکھا ہوتا ہے۔ جب کوئی ظالم کسی شریف آدمی کے زندگی بھر کے اندوختہ اور خون پسینہ کی کمائی اور پونجی پر ہاتھ

صاف کرنے لگے تو کون اسے معاف کرتا ہے‘ کون اسے گلے لگاتا ہے‘ کون اس کے ساتھ شفقت و نرمی کا برتاؤ کرتا ہے۔ شریف سے شریف آدمی کا بھی بس چلے تو اسے زندہ نہ جانے دے مگر صوفیاء نے اپنے بدخواہوں‘ اپنے ساتھ زیادتی کرنے والوں اور گھر کی چیزوں کو اڑا لے جانے والوں کے ساتھ بھی انتہائی نرمی اور حسن سلوک کا مظاہرہ کیا جس سے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کے زر خرید غلاموں کی مانند بن گئے۔

حضرت احمد حضرویہ ایک معروف صوفی ہیں۔ ایک رات آپ کے ہاں چور آ گیا۔ درویش کی کٹیا میں کیا رکھا ہوتا ہے۔ کافی تلاش کے بعد جب خالی ہاتھ جانے لگا تو آپ نے فرمایا‘ خالی ہاتھ نہ جاؤ‘ کسی کو خالی ہاتھ لوٹانا درویش کی شان کے خلاف ہے۔ میرے ساتھ رات بھر عبادت کرو اور اس کا جو صلہ مجھے ملے گا وہ میں تمہیں عطا کر دوں گا۔ چنانچہ وہ رات بھر آپ کے ہمراہ مشغول عبادت رہا اور صبح کو جب کسی دولت مند نے بطور نذرانہ سو دینار بھیجے تو آپ نے اس چور کو دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو صرف ایک شب کی عبادت کا معاوضہ ہے۔ چور کے دل کی کایا پہلے ہی پلٹ چکی تھی‘ یہ سن کر اس نے کہا‘ صد حیف میں نے آج تک اس خدا کو فراموش کیے رکھا۔ جس کی ایک رات عبادت کرنے کا یہ صلہ ملتا ہے‘ پھر توبہ کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہو گیا اور بہت بلند مراتب حاصل کیے۔

(شیخ عطار: تذکرۃ الاولیاء (اردو) ص 168)

شیخ احمد نہروانی اور ایک چور

ایک رات ایک چور شیخ احمد نہروانی علیہ الرحمۃ والرضوان کے گھر میں چوری کرنے کے لیے گیا‘ یہ شیخ احمد کپڑے بننے کا کام کرتے تھے۔ چور ان کے پورے گھر میں گھوما پھرا‘ لیکن اسے کوئی چیز نہ ملی‘ وہ واپس جانا چاہتا تھا‘ شیخ نے چور کے خالی ہاتھ لوٹنے کو خلاف مروت جانا‘ اسے آواز دی۔ اس کی پیٹھ پر شفقت کا ہاتھ پھیرا‘ اور دل موہ لینے والے انداز میں اس سے فرمایا‘ بھئی! خدارا ذرا ٹھہر جایئے۔ اس وقت شیخ احمد نے کپڑا بننے کی ”کھڈی“ میں ہاتھ ڈالا‘ اس میں سوت کی وہ تانی تھی جس میں کپڑا بن رہے تھے۔ کوئی سات گز کپڑا بنا ہوا رکھا تھا‘ شیخ احمد نے وہ سات گز کپڑا سوت سے کاٹ کر چور کی طرف بڑھایا اور اسے کہا کہ یہ لے جاؤ۔ اس وقت فقیر کے پاس کل دنیا یہی ہے اگر مزید ہوتا تو دینے سے دریغ نہ کرتا۔ سر دست یہی حقیر سا نذرانہ میری طرف سے قبول کر لو۔ چور نے وہ کپڑا لیا اور بوجھل قدموں سے گھر کی طرف چل پڑا‘ مگر شیخ کے حسن اخلاق کی تلوار اپنا کام کر چکی

تھی۔ وہ شیخ کے کریمانہ اخلاق کے مقابلے میں اپنے رویے اور غلط کردار پر انتہائی نادم تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو موتی بن کر بہہ رہے تھے' اپنی ندامت کے آنسوؤں سے دل کی طہارت حاصل ہوا کرتی ہے۔ دوسرے روز چور اس کی ماں' اس کا باپ سب آئے۔ انہوں نے شیخ کے قدموں پر سر رکھے اور اس کام سے توبہ کی۔ ؎

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

فوائد الفواد' ص 472
سیر العارفین (مترجم) ص 215

حضرت ابو عثمان حیری اور ایک دعوت

صوفیاء حلم و برداشت کے پہاڑ اور عجز و انکساری کے مجسمے ہوا کرتے ہیں۔ برائی کا بدلہ ہمیشہ بھلائی سے دینا ان کا عام معمول اور اپنے آپ کو تمام مخلوقات سے کمتر درجے کا تصور کرنا ان کی پہچان ہوتی ہے۔ اپنے ساتھ زیادتی پر غصہ تو ان کے نزدیک سے بھی نہیں گزرتا۔ ایک اور اپنے آپ کو تمام مخلوقات سے کمتر درجے کا تصور کرنا ان کی پہچان ہوتا ہے۔ اپنے ساتھ زیادتی پر غصہ تو ان کے نزدیک سے بھی نہیں گزرتا۔ ایک صوفی کا حوصلہ دیکھئے' حضرت ابو عثمان حیری رحمتہ اللہ علیہ کی ایک شخص نے محض آزمائش کے لیے دعوت کی۔ جب آپ اس کے دروازے پر پہنچے تو بے رخی سے کہنے لگا کہ اب کھانے کو کچھ نہیں رہا۔ فرمایا کوئی بات نہیں اور خوشی سے واپس لوٹ آئے۔ جب کچھ دور نکل آئے تو وہ پیچھے پیچھے گیا اور پھر بلایا' بڑی محبت سے ساتھ چل پڑے اور جب پھر دروازے پر پہنچے تو اس نے دوبارہ روک دیا۔ اسی طرح اس نے چند مرتبہ یہ عمل کیا' آپ جاتے اور واپس ہوتے رہے اور چہرے پر کوئی ملال نہ آیا۔ آخر میں وہ شخص کہنے لگا کہ اے بزرگ' دعوت دینا مرا مقصود نہیں تھا۔ میں تو آپ کا امتحان لے رہا تھا۔ واقعی آپ انتہائی بامروت انسان ہیں۔ فرمایا' یہ کوئی کمال نہیں جو کچھ میں نے کیا یہ تو کتے بھی کرتے ہیں کیونکہ کتوں کی عادت بھی یہی ہے کہ جب للکار دو' بھاگ جائیں گے اور جب بلاؤ گے تو آ جائیں گے۔ یہ تو کوئی اونچا اخلاق نہیں ہے۔ اب وہ آدمی آپ کی اس مروت اور اخلاق کریمانہ کا معترف ہو چکا تھا' ہمیشہ کے لیے آپ کے عقیدت مندوں اور نیاز مندوں میں شامل ہو گیا۔

کیمیائے سعادت' ص 408

خواجہ نظام الدین اولیاء اور ادائیگی حقوق العباد

خواجہ صاحب کو شیخ کبیر (خواجہ فرید الدین گنج شکر) نے ارادت و خلافت کے ساتھ کئی بار یہ تاکید کی تھی کہ مخالفین کو خوش کرنے کی پوری کوشش کرنا' اور اہل حقوق کو راضی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھنا۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں دہلی چلا' تو مجھے یاد آیا کہ مجھے 20 جیتل ایک شخص کے دینے ہیں' اور ایک کتاب میں نے کسی سے مستعار لی تھی' وہ کھو گئی ہے۔ میں نے بدایوں کے قیام میں یہ عزم کر لیا کہ میں جب پہنچوں گا تو ان اہل معاملہ کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا۔ جب میں اجودھن سے دہلی واپس آیا تو جس شخص کے میں نے بیس جیتل دینے تھے' وہ بزاز تھا۔ میں نے اس سے کپڑا خریدا تھا' کسی وقت بیس جیتل میرے پاس جمع نہیں ہوئے کہ میں اس کو پہنچا دیتا۔ معاش کی بڑی تنگی تھی' کبھی پانچ جیتل ہاتھ آئے کبھی دس۔ ایک مرتبہ دس جیتل ملے' میں اس بزاز کے دروازے پر پہنچا' اس کو آواز دی وہ باہر آیا۔ تو میں نے اسے کہا کہ تمہارے بیس جیتل میرے ذمہ ہیں۔ ایک مرتبہ تو مجھے دینے کی طاقت نہیں۔ یہ دس جیتل لایا ہوں اس کو لے لو۔ دس انشاء اللہ اس کے بعد پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے یہ سن کر کہا کہ ہاں معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے پاس سے آ رہے ہو۔ اس نے وہ دس جیتل تو لے لئے اور کہا کہ میں نے دس جیتل معاف کئے۔

اس کے بعد میں اس کے پاس گیا' جس کی کتاب میں نے لی تھی۔ اس نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں نے کہا کہ صاحب' میں نے آپ سے ایک کتاب لی تھی' وہ کھو گئی ہے۔ اب میں اس کی نقل تیار کر کے آپ کو دوں گا۔ میں بالکل اسی طرح لکھوا کر آپ کو پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے کہا' ہاں تم جہاں سے آ رہے ہو' وہاں کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ میں نے وہ کتاب تم کو بخشی۔

(بحوالہ فوائد الفوائد' ص 14
(1) تاریخ دعوت و عزیمت' حصہ سوم' ص 70
(2) شیخ محمد اکرام' آب کوثر' ص 222' طبع فیروز سنز)

مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور ایک عرب

ایک بار ایک عرب حضرت سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کی خدمت میں حاضر ہوا' اور اس نے کہا کہ میں لکھنؤ جانا چاہتا ہوں' مجھ کو زاد راہ اور کپڑے دیجئے۔ اسی وقت ایک مرید طشت بھر کر مصری تحفہ میں لایا' حضرت سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت

نے عرب سے کہا کہ تم لے لو۔ اس نے لے لیا' پھر کپڑے کا طلب گار ہوا۔ جسم پر جو کپڑا تھا وہ کسی نے عاریتاً پہنا دیا تھا' کہ تبرک ہو جائے۔ اس لیے عرب سے فرمایا' یہ کپڑے میرے ہوتے تو میں تم کو دے دیتا۔ لیکن وہ عرب کسی طرح راضی نہیں ہوتا تھا' خادموں نے اس پر غصہ کا اظہار کیا۔ عرب نے کہا' اے مخدوم! آپ کے خادم مجھ کو مارنا چاہتے ہیں' فرمایا' اگر وہ تمہیں ماریں تو مجھے مار ڈالنا' میں نے اپنا خون تجھے معاف کر دیا' اور اپنی گردن جھکا دی۔ عرب یہ اخلاق دیکھ کر بے حد متاثر ہوا اور قدموں پر گر پڑا۔ حضرت سید جلال الدین نے اس کو اپنی بغل میں لے لیا اور اپنی ٹوپی پہنا کر رخصت کیا۔

ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں' ص 143

سلطان المشائخ اور مولانا ضیاء الدین سنامی

علماء و مشائخ کے ضمن میں مولانا ضیاء الدین سنامی کا ذکر یہاں ضروری ہے جو نصاب الاحتساب کے مصنف تھے اور شدت سے احکام شرعی پر عامل تھے۔ کہتے ہیں کہ شیخ شرف الدین بو علی قلندر کی مونچھیں بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ ان سے مونچھوں کے کٹوانے کی فرمائش کرتا۔ مولانا صاحب کو پتہ چلا تو قینچی لے کر پہنچے اور اپنے ہاتھ سے قلندر صاحب کی مونچھیں کاٹ دیں۔ وہ سماع کی بناء پر حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء پر معترض تھے' لیکن ان کے زہد و تقویٰ اور دیانت داری کے وجہ سے حضرت سلطان المشائخ ہمیشہ ان کا ادب کرتے تھے۔ جب وہ مرض الموت میں مبتلا تھے تو حضرت شیخ عیادت کے لیے گئے۔ مولانا صاحب نے اپنی پگڑی سلطان المشائخ کے پاؤں میں ڈال دی اور اپنی درشتی اور سخت گیری کی معافی چاہی۔ سلطان المشائخ سمجھتے تھے کہ خواجہ صاحب کی یہ سختی کسی ذاتی عناد اور عداوت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ محض غیرت شرعی اور "**الحب للہ والبغض للہ**" کے لیے تھی۔ یہ پگڑی کوئی معمولی پگڑی نہ تھی' ایک باغیرت عالم باعمل اور شریعت مصطفوی کے ایک خادم اور عاشق کی پگڑی تھی۔ سلطان المشائخ نے وہ پگڑی اٹھا کر کمال محبت سے اپنی آنکھوں سے لگائی اور جب خواجہ ضیاء الدین وفات پا گئے تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہنے لگے:

"یک ذات بود حامی شریعت حیف کہ آن نیز نماند"۔

(ایک ہی آدمی شریعت کا حامی تھا' افسوس وہ بھی نہ رہا)

(تاریخ مشائخ چشت: 1:423 طبع دلی' شیخ محمد اکرام' آب کوثر ص 176)

حضرت زکریا ملتانی کا فقیروں کے ساتھ مل کر کھانا

غریبوں، مسکینوں اور کم حیثیت لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا پینا تو بہت دور کی بات ہے۔ بڑے لوگ ان کے ساتھ راہ و رسم، بڑھانے، اٹھنے بیٹھنے اور میل جول کو بھی ہتک تصور کرتے ہیں۔ مگر صوفیاء نے دولتمندوں اور امراء کے مقابلے میں چھوٹے لوگوں کو ہمیشہ ترجیح دی۔ ان کی اتنی عزت افزائی فرماتے کہ ان کے غربت و افلاس کے زخم مندمل ہو جاتے اور ان کے زخمی دلوں پر ایک پھاہا سا لگ جاتا۔ خواجہ زکریا ملتانی کے ساتھ ایک دفعہ فقراء کی ایک بہت بڑی جماعت کھانے میں شریک تھی۔ آپ نے از راہ شفقت ہر درویش کے ساتھ ایک لقمہ کھایا، ایک درویش کو دیکھا کہ روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا ہے۔ اس کی عزت افزائی اور تمام حاضرین کی اخلاقی تربیت کے لیے فرمایا، سبحان اللہ ان سب فقیروں میں یہ فقیر کھانا خوب جانتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ "ثرید کو کھانوں پر وہی فضیلت ہے جو مجھ کو تمام انبیاء پر اور حضرت عائشہ صدیقہ کو تمام عورتوں پر ہے"۔

(اعجاز الحق قدوسی: تذکرہ صوفیائے پنجاب، ص 122، بحوالہ سیر العارفین و فوائد الفواد)

شیخ سماء الدین اور ایک شرابی

وہ فاسق کو امر معروف کے اظہار کے بغیر نہایت شیریں الفاظ سے فسق و فجور کے راستے سے ہٹا کر نیکی اور اعتقاد کے سجادے پر لے آتے۔ ایک دن سلطان بہلول لودھی کے فرمان نویس شہاب خان کالڑ کا جس کا نام محمد تھا، ان کی مجلس میں آیا۔ ایک روایت میں ہے کہ شراب پیئے ہوئے مستی کے عالم میں آیا اور یہ درویش جمالی (مرتب) بھی موجود تھا۔ میں نے چاہا کہ اس کو مجلس سے باہر کر دیا جائے۔ حضرت شیخ سماء الدین نور باطن سے فقیر جمالی کے اس ارادے سے واقف ہوگئے۔ فوراً میری طرف رخ کیا اور خواجہ حافظ کا یہ شعر ارشاد فرمایا:

همه کس طالب یار اند چه هشیار چه مست
همه جا خانه عشق است چه مسجد چه کنشت

شیخ نے خواجہ حافظ کا یہ شعر کمال محبت اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے پڑھا تھا۔ ظاہر ہے جو بات خلوص کے ساتھ دل سے نکلتی ہے، اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی۔
اس شعر کے سنتے ہی شیخ محمد مذکور پر جو ایک فاسق شخص تھا، حالت طاری ہوگئی۔

اس نے فوراً اس نے زمین پر سر رکھ دیا' توبہ کی اور حضرت کا مرید ہو گیا۔ اس کے بعد سے جب تک زندہ رہا' گناہ کے پاس نہ پھٹکا۔ اس نے نیکی کا طریقہ اختیار کر لیا اور وہ مقبولان حق سے ہوا۔ شیخ کے حسن اخلاق نے اس شرابی آدمی کو ہمیشہ کے لیے راہ راست پر ڈال دیا۔ اگر کوئی خشک ملا ہوتا تو لٹھ لے کے اس کے پیچھے پڑ جاتا اور وہ دین کے طرف آنے کے بجائے الٹا دین سے متنفر ہو جاتا۔

(سیر العارفین "مترجم" ص 252)

خواجہ فخرالدین دہلوی اور ایک غریب ہندو

حضرت شیخ الاسلام الحاج الحافظ خواجہ قمرالدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت مولانا فخر جہاں رحمتہ اللہ علیہ چند غلاموں کے ساتھ باہر تشریف لے گئے' کچھ ہندو برہمن بیٹھے دیکھے' ان میں سے ایک بالکل علیحدہ بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے ساتھیوں سے فرمایا' تم ٹھہرو میں اس برہمن سے مل کر آتا ہوں۔ چنانچہ وہاں کھڑے کھڑے ہی آپ کا لباس تبدیل ہو گیا اور ہیئت بھی ہندو جیسی ہو گئی۔ جنجو بھی پہنا ہوا ظاہر ہو گیا۔ اس اکیلے برہمن کے پاس جا کر فرمایا' مجھے اشنان کا طریقہ سمجھا دیں۔ اس نے سمجھا کہ ہمارا اپنا ہی کوئی ہندو مجھ سے اشنان سمجھنے آیا ہے۔ اس لیے ہاتھ منہ دھونے اور غسل وغیرہ کی صورت بتائی۔ وہاں سے اٹھتے وقت آپ نے پانچ روپے اس کو دیئے۔ اس بیچارے کے پاس بہت تھوڑے گاہک آتے تھے۔ وہ بہت خوش ہوا کیونکہ دوسروں کو ایک ٹکہ روزانہ ملتا تھا' اس کو پانچ روپے مل گئے۔ اسی طرح دوسرے دن تشریف لے گئے اور اٹھتے وقت دس روپے اس کے پاس رکھ دیئے اور پھر تیسرے دن 15 روپے جب رکھ کر اٹھے تو ہندو سمجھ گیا کہ کوئی حکمت ہے۔ وہ آپ کے پیچھے ہو لیا' جب آپ کے ساتھیوں میں پہنچا تو مولانا فخر جہاں رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ دیکھ کر برہمن قدموں میں گر گیا اور عرض کی حجور (حضور) جو مجھے یاد تھا' میں نے آپ کو بتا دیا۔ اب جو آپ کو یاد ہے مجھے فرما دیویں۔ آپ نے اسے مشرف باسلام فرما کر غلاموں میں شامل فرما لیا۔ بعد میں یہ آیت تلاوت فرمائی:

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ ☆

(انوار قمریہ' ص 225' طبع اول)

شاہ فخر دہلویؒ اور پردہ پوشی

اکثر ایسا ہوا کہ لوگ آپ کے قطب خانے سے کتابیں چرا کر لے گئے۔ کوئی

اجنبی شخص ان کو فروخت کرنے کے لیے بھی حضرت ہی کی خدمت میں آ گیا' تو کبھی آپ نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ کتاب تمہیں کہاں سے ملی۔ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے کپڑے اور چاقو وغیرہ چرا کر لے گیا۔ چور کا پتہ چل گیا لیکن آپ نے اس کے منہ پر قطعاً اس کا اظہار نہیں فرمایا۔ کشمیر کے صوبے دار بلند خان نے آپ کی خدمت میں ایک ہزار روپے بطور نذر بھیجے۔ لانے والے نے صرف کر لیے' بلند خان کو معلوم ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ صوبہ دار اس کو سزا دے' آپ نے لکھ دیا کہ اسی کی قسمت کے تھے۔ اس سے کچھ نہ کہنا' "قسمت او بود ہیچ نگوئید"۔

ایک مرتبہ نواب خیرالنساء بیگم ہمشیرہ شاہ عالم نے کچھ ظروف نقرئی' اور بارہ سو روپے آپ کی خدمت میں روانہ کیے۔ ملازم نے آپ کو اطلاع بھی نہ کی اور اپنے پاس رکھ لئے۔ کچھ مدت کے بعد بیگم کو شبہ ہوا اور ملازم سے رسید طلب کی۔ ملازم سخت حیران و پریشان ہوا۔ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی چاہی۔ آپ نے فوراً سید احمد کو حکم دیا کہ جو کچھ سامان یہ شخص بیان کرے وہ لکھ دو۔ اس کے بعد مہر لگا کر اس کو دے دی۔ اخلاق کی یہ بلندیاں لوگوں کے دلوں پر اثر کرتی تھیں اور اکثر ان کی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو جاتا تھا۔

(تاریخ مشائخ چشت: ص 488-489 بحوالہ مناقب فخریہ)

خواجہ فخرجہاں دہلوی اور ایک حملہ آور

ایک افغانی خانقاہ میں آیا اور آپ پر حملہ کیا۔ خدام نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ آپ نے ہاتھ چھوڑ دینے کا حکم دیا اور اپنا سر زمین پر رکھ کر فرمایا:

ما حاضریم ہرچہ بخاطر شما است بکنید

"ہم حاضر ہیں جو کچھ تمہارے جی میں ہے کرو"۔

اس وقت تو وہ شخص شرمندہ ہو کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دو آدمیوں کے ساتھ آیا۔ اس کو دیکھتے ہی آپ تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا' "صاحب بخیر و عافیت؟" ان الفاظ کا زبان سے نکلنا تھا کہ اخلاق کا وہ ہتھیار جو پہلی بار اچٹتا ہوا لگا تھا' اپنا کام کر گیا اور ان لوگوں نے "سنگ ہائے حویلی" پر اپنا سر اور پیر کوٹ کوٹ کر معافی مانگی۔

(تاریخ مشائخ چشت: ج 5' ص 203-204 بحوالہ مناقب فخریہ)

خواجہ فخرجہاں دہلوی اور ایک طائفہ

خواجہ محمد قمرالدین سیالوی کے استاذ المکرم مولانا اجمیری نے فرمایا کہ مولانا فخر جہان صاحب کی ایک کرامت میں بھی خوب جانتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس وقت شیعہ لوگ بھی بہت تھے جو آپ کے غلاموں سے کثرت سے حسد کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ آپ کے غلام کم ہو جائیں اور لوگ آپ سے متنفر ہوں۔ اس وجہ سے انہوں نے ایک طوائف کو تیار کیا کہ جب آپ عصر کی نماز کے لیے شاہی مسجد میں تشریف لے جائیں تو یہ کھوٹہ روپیہ ان کے سامنے آکر پیش کرنا اور کہنا مولانا یہ روپیہ جو آپ نے مجھے رات کو دیا تھا کھوٹا ہے۔ کم از کم دیکھ کر تو دیتے شیعہ لوگوں نے یہ موقع اس لیے مقرر کیا تھا کہ اس وقت شاہی مسجد کے آس پاس والے بازار اور سیڑھیاں آپ کی زیارت کے لیے بھرتی تھیں۔ لہٰذا یہ طوائف دیکھ کر اور اس کا یہ بہتان سن کر لوگ متنفر ہو جائیں گے۔ اس طوائف کو بہت سی رقم دے کر تیار کیا گیا تھا۔ چنانچہ جب فاحشہ عورت نے اتنے بڑے ہجوم میں کھوٹا روپیہ نکال کر مذکورہ الفاظ کہے تو آپ نے اپنی جیب سے ایک روپیہ نکال کر فرمایا کہ یہ کھرا لے لے، رات تھی معلوم نہیں ہوا۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ وہ فاحشہ عورت آپ کے قدموں پر گر گئی۔ معافی مانگی اور بتا دیا کہ مجھے تو ان لوگوں نے بہکایا تھا۔ آپ کی غلام بن گئی، آپ نے فرمایا:

لایخافون لومۃ لائم۔

"اللہ کے بندے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے"۔

(انوار قمریہ، ص 223، طبع اول)

حافظ محمد علی اور کم حیثیت لوگ

جناب خلیق احمد نظامی نے "مناقب حافظیہ" کے حوالے سے لکھا ہے:

شاہ سلیمان تونسوی کے مایۂ ناز خلیفہ حافظ محمد علی صاحب اخلاق محمدی کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ انسانی مساوات و اخوت پر ان کا ایمان تھا۔ اپنے عمل سے اس کی تائید کرتے تھے ایک مرتبہ دسترخوان پر بیٹھے تھے، نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک موچی میاں اسلم کے جوتے سی رہا ہے۔ فرمایا، اپنے ہاتھ دھو کر آ اور کھانا کھا اور اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلایا۔ جاڑے کے موسم میں ایک جولاہا ان کے پاس آکر ٹھہرا، اس کے پاس جاڑے کا لباس نہ تھا۔ حافظ صاحب نے اس کو اپنے بستر میں اپنے پاس سلایا۔

حافظ صاحب جب محفل میں مدعو کیے جاتے تو کبھی ممتاز جگہ پر نہ بیٹھتے۔ سفر و حضر میں خادموں کے ساتھ کام میں شریک رہتے تھے۔ بعض اوقات روٹیاں اپنے ہاتھ سے پکا

لیتے تھے۔ اظہار شخصیت سے نفرت تھی بلکہ اس قسم کی تواضع جس سے ترک تجرید کا اظہار ہو' پسند نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ترک کو بھی ترک کرنا چاہیے۔
(تاریخ مشائخ چشت: ص 672-673)

شاہ سلیمان تونسوی اور غیر مسلم لوگ

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی نہایت وسیع المشرب' وسیع الخیال اور وسیع النظر بزرگ تھے۔ چشتیہ سلسلہ کے دیگر اکابر کی طرح ان کا عقیدہ بھی یہ تھا کہ ہندوؤں سے خوشگوار تعلقات رکھے جائیں۔ وہ اپنے مریدوں کو ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ اپنے مذہب' اپنے تمدن' اپنی شریعت پر قائم رہو لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسرے مذاہب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اپنے تعلقات میں کبھی بدمزگی پیدا نہ ہونے دو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

سالک را باید کہ ہیچ کس رنج نرہد بلکہ ہمہ مخلوق صلح کند

"سالک کو چاہیے کہ کسی کو رنج نہ پہنچائے بلکہ ساری مخلوق سے صلح رکھے"۔

شاہ صاحب ہمیشہ محبت' امن اور صلح کا درس دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے سلسلہ کے بزرگوں کی ہدایت ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح رکھی جائے۔ جامع ملفوظات نے لکھا ہے:

حضرت قبلہ من قدس سرہ فرمودند کہ در طریق ماہست کہ با مسلمان و ہنود صلح باید داشت و ایں بیت شاہد آورند۔

"حضرت قبلہ من قدس سرہ نے فرمایا کہ ہمارے طریقہ میں ہے' ہندو اور مسلمان سے صلح رکھی جائے اور اس بیت کو شہادت کے طور پر پیش کرتے تھے"۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

(تاریخ مشائخ چشت: ص 651)

تقی الدین اودھی اور ایک لونڈی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان ہے کہ مولانا تقی الدین اودھی رحمتہ اللہ علیہ بڑے متقی بزرگ تھے۔ ان کے پاس زر خرید لونڈی تھی۔ ایک ماں کو اپنی اولاد سے کتنا پیار ہوتا ہے اور مامتا کے ہاتھوں وہ کتنی معذور ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ لفظوں سے نہیں نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کا اندازہ ماں ہی کر سکتی ہے اور اس چیز کو سمجھ بھی ماں ہی سکتی ہے۔ ایک

دن اس لونڈی کو اپنے بچے یاد آ گئے جس کی وجہ سے وہ افسردہ اور آبدیدہ تھی۔ مولانا اس کی افسردگی کی وجہ جان گئے۔ چنانچہ اسے آدھی رات کو اپنے گھر سے باہر لے گئے اور کہا کہ تم آرام سے اپنے گھر چلی جاؤ اور اپنے بال بچوں سے مل آؤ۔ جب صبح ہوئی تو آپ کی بیوی نے کہا کہ ہماری لونڈی موجود نہیں وہ کدھر گئی؟ مولانا نے اسے تمام ماجرا سنایا تو عورتیں کیا سنتی سمجھتی ہیں' وہ مولانا پر بہت خفا ہوئی اور صلواتیں سنائیں۔ چند دنوں کے بعد وہ لونڈی اپنے بچوں اور خاوند سمیت واپس آ گئی۔ وہ مولانا کے اخلاق حسنہ کا مشاہدہ کر چکی تھی اسے جو شفقت اور احترام انسانیت یہاں ملتا تھا کہاں مل سکتا تھا' وہ مولانا کے قدموں میں گر کر کہنے لگی کہ مولانا ہم تمام آپ کے غلام ہیں۔ مولانا بھی کسی انسان کو زیادہ دیر تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہنے کو کیسے پسند فرما سکتے تھے۔ لونڈی کی اس پر خلوص درخواست' خواہش اور اصرار کے باوجود مولانا نے انہیں غلامی کی حالت میں برقرار رکھنا مروت اور احسان کے خلاف تصور کیا۔ فرمایا' میں نے تم سب کو آزاد کر دیا۔ جاؤ موج کرو اور آزادی کے مزے لوٹو۔ اب ان کی گردنیں تو آزاد ہو چکی تھیں مگر ان کے دل ہمیشہ کے لیے مولانا کے غلام بن چکے تھے۔

(اردو ترجمہ اخبار الاخیار' ص 357)

شیخ علی ملتانی اور آپ کا ملازم

شیخ علی کے گھر پر ایک نوکر کمال نامی تھا' وہ بڑا بد اخلاق اور بے ڈھنگا تھا۔ اس کے منہ میں جو آتا بکا کرتا' اس کے باوجود وہ اس کو عزیز رکھتے۔ ایک دن وہ ان کے لیے شوربا پکا کر لایا۔ اس میں بے انتہا نمک تھا' انہوں نے شوربا چکھا تو اس سے کچھ کہنے کے بجائے اس کو اپنے پاس بلایا اور اس کو شوربے کا ایک چمچہ بھر کر دیا اور کہا بابا کمال؟ دیکھو کیسا پکا ہے۔ کمال نے شوربا چکھا تو بالکل کڑوا تھا' لیکن اس نے منہ بناتے ہوئے سخت لہجہ میں کہا' ہاں کچھ نمکین ہو گیا ہے' لیکن بڑے مزے کا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے' آپ کھائیں۔ شیخ مالک ہیں چاہیں تو کان پکڑ کر اپنے نوکر کو گھر سے نکال سکتے ہیں۔ مگر یہ صوفیاء کا طریقہ نہیں۔ وہ تو برداشت کا گویا پہاڑ ہوتے ہیں وہ تو نالائق اور کم ظرف لوگوں کو بھی اپنے سینے کے ساتھ لگاتے ہیں۔ ان کی یہی محبت اور حسن اخلاق نالائق لوگوں کی نالائقی کو لائقی میں بدی کو نیکی میں اور شر کو خیر میں تبدیل کیا کرتا ہے۔ چنانچہ شیخ ناراض نہ ہوئے' غصے میں آپے سے باہر نہ ہوئے بلکہ فرمایا' بہت خوب! پھر انہوں نے پانی منگوا کر اس میں ڈالا اور وہی تھوڑا سا نوش فرمالیا۔

(ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں' ص 237)

حضرت میاں میر کی محبت عام

حضرت میاں میر حسن اخلاق کا پیکر تھے۔ دارالشکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں آپ کے حسن اخلاق کی توصیف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کا خلق اس مرتبے کا تھا کہ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا' اگرچہ حضرت اسے تھوڑی ہی دیر اپنے پاس بٹھاتے۔ تاہم اس طرح توجہ اور مہربانی فرماتے کہ وہ سمجھتا کہ جس قدر لطف و عنایت اس پر ہوئی' کسی دوسرے پر نہیں۔ یہ بات میں نے اکثر لوگوں سے سنی کہ جس پر شفقت فرماتے' اس کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر بات کرتے۔

ابو جعفر حداد کہا کرتے تھے کہ اگر عقل مرد کی صورت میں ہوتی تو جنید کی صورت میں ہوتی' اور اگر خلق مرد کی صورت میں ہوتا تو حضرت میاں میر کی صورت میں ہوتا۔ آپ جس پر بھی عنایت فرماتے اسے یار عزیز کہہ کر مخاطب کرتے۔ ملک کی خوش حالی اور لوگوں کی خبرگیری کرنے کی تلقین کرتے اور مستحق لوگوں کے لیے صدقے کی نصیحت فرماتے۔ مریدوں کو وہ دوست سمجھتے تھے۔ لفظ مرید آپ کی زبان مبارک پر کبھی نہ آتا تھا' فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیری مریدی کا سلسلہ نہ تھا' لیکن

بمنشمنی و صحبت تھی جس کی پیروی ہم کرتے ہیں' جو ہمارے ساتھ مل بیٹھتا ہے وہ ہمارے دوستوں میں ہے۔

(اقبال کے محبوب صوفیہ' ص 495)

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری اور ایک بھنگن

حضرت میاں صاحب علیہ الرحمہ ایک مرتبہ قصور تشریف لائے۔ آپ ہمراہ یاروں کے قبرستان تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بھنگن بازار کا کوڑا کرکٹ جمع کر کے ٹوکری میں بھر کر کھڑی ہوئی تھی۔ اور اس کی گود میں ایک بچہ بھی تھا۔ چونکہ وہ اکیلی اس نجاست کی ٹوکری کو اٹھانا چاہتی تھی۔ بچے کے سبب اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ جوں ہی آپ کی نظر پڑی' جھٹ آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس کی مدد کر کے وہ ٹوکری اٹھوا دی اور یاروں کو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ آپ پھر ان کے ہمراہ قبرستان کی طرف تشریف لے گئے۔

(خزینہ معرفت' ص 126' مؤلفہ صوفی محمد ابراہیم' مطبوعہ شرقپور شریف)

پیر حیدر شاہ جلالپوری کا کمال حسن اخلاق

حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی کے نامور خلیفہ پیر حیدر شاہ صاحب جلالپوری م 1326ھ کا اخلاق نہایت اعلیٰ اور وسیع تھا۔ منکسر المزاجی تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ چند آدمیوں کے ساتھ سیال شریف (ضلع سرگودھا) کو روانہ ہوئے' راستہ میں ایک جگہ پانی پینے کے لیے رکے۔ ایک شخص جو انتہائی بد شکل اور کریہ المنظر تھا' پانی پی رہا تھا۔ اس نے بچا ہوا پانی پھینکنا چاہا' شاہ صاحب نے ہاتھ روک کر وہ پانی خود پی لیا۔

خود پسندی ان کو چھو کر بھی نہ گزری تھی۔ فطرتاً نہایت نرم دل تھے۔ کسی شخص سے بہت زیادہ ناراض ہوتے تو صرف اتنا فرماتے' "نیک بختا تو نے یہ کیا کیا" یہ کہنے کے بعد اس کو آزردہ نہ ہونے دیتے اور جس طرح ہوتا' اسے خوش کر دیتے۔ فرمایا کرتے تھے:

مباش درپے آزار و ہر چہ خواہی کن
کہ در طریقت یہ غیر ازیں گنا ہے نیست

غریبوں کی دل جوئی کی طرف خاص توجہ کرتے تھے۔ کبھی کسی کے لیے بد دعا نہ کرتے تھے۔ ایک شخص مرزا خان بے حد مخالفت کیا کرتا تھا۔ جب اس کے فتنہ فساد کی حد نہ

رہی اور لوگوں نے اس طرف رجوع کیا تو صرف اتنا فرمایا' دعا کرو خداوند کریم اس پر رحم کرے اور کسی اچھے شغل میں لگا دے تاکہ اسے ہماری مخالفت کرنے کی فرصت ہی نہ ملے۔
(تاریخ مشائخ چشت: ج 5 ص 425-426' طبع دلی' کتاب مذکور طبع کراچی' ص 711)

شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین سیالوی اور ایک سید مدرس

دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام (سیال شریف ضلع سرگودھا) میں ایک سید زادے مدرس مقرر ہو گئے تھے' جن کی طبیعت میں درشتی تھی اور بچوں پر سختی کرتے تھے۔ جب ناظم اعلیٰ کے پاس شکایت پہنچتی تو وہ انہیں فارغ کرنے پر تیار ہو جاتے یا شاہ صاحب کو خود ہی ایسا خطرہ محسوس ہوتا تو دوڑے دوڑے حضرت شیخ الاسلام (خواجہ محمد قمرالدین سیالوی) کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور عرض کرتے' مجھے مدرسہ سے نکالا جا رہا ہے اور میری سخت مخالفت ہو رہی ہے۔ سادات کا احترام ان کی عزت و توقیر ان کی دلجوئی اور ان کی خدمت کا جذبہ شیخ الاسلام میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ شفقت بھرے انداز میں فرماتے۔ شاہ جی! مطمئن رہیں اگر تمہیں دارالعلوم سے نکالا گیا تو میں بھی یہاں سے نکل جاؤں گا۔ اس حسن اخلاق سے شاہ صاحب کو مطمئن' بے فکر اور خوش فرما دیتے۔ چنانچہ آپ کی خوئے دلنوازی کا نتیجہ ہے کہ وہ بفضلہ تعالیٰ سالہا سال سے اب تک باقاعدہ مدرس چلے آ رہے ہیں۔
(ماہنامہ ضیائے حرم لاہور / بھیرہ "شیخ الاسلام نمبر" ذوالحجہ 1401ھ / اکتوبر 1981ء' روایت مولانا محمد اشرف صاحب سیالوی شیخ الحدیث

پیر غلام محی الدین نیروی اور ایک کوڑھ کا مریض

پیر غلام محی الدین (آستانہ نیریاں آزاد کشمیر) متوفی 1974ء کی ذات گرامی طریقت کے حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ سارے پنجاب بالخصوص کشمیر میں آپ کے دم قدم اور صحبت کی برکت سے ہزاروں لوگوں کو توبہ اور اللہ اللہ کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

"سلطان نیروی کی پاکیزہ زندگی" کے مؤلف نے آپ کی کرامات کے ضمن میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ اس ایمان افروز واقعے کا تعلق جہاں کرامات سے ہے' وہاں آپ کے کمال حسن اخلاق اور انسانی محبت کا بھی مظہر ہے۔ چنانچہ صاحبزادہ سید آصف علی ظہوری لکھتے ہیں:

ایک ضعیف العمر' کوڑھ کا مریض حضور قبلہ عالم پیر غلام محی الدین نیروی کی

خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا' حضور مجھے اس بیماری کی وجہ سے گھر والوں نے نکال دیا ہے۔ سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں اور کوئی اپنے قریب نہیں آنے دیتا۔ آپ نے فرمایا' بابا یہاں میرے پاس ہی رہو۔ لنگر کھاؤ پیو یہاں سے تجھے کوئی نہیں نکالے گا۔ چنانچہ اس کو لنگر کی جانب سے ایک پلیٹ' ایک پیالی اور ایک گلاس کھانے پینے کے برتن علیحدہ دے دیئے گئے۔ آپ نے خدام کو حکم دیا کہ اس بوڑھے کو کھانے پینے کی ہر چیز اپنی جگہ بیٹھے بٹھائے دے دیا کرو۔

ایک دن وہ بوڑھا دربار شریف کے حوض سے خود ہی پانی لے کر پی رہا تھا کہ اتفاقاً جناب پیر صدیقی صاحب (موجودہ سجادہ نشین) تشریف لے آئے اور اس کو خود ہی حوض میں ہاتھ ڈال کر پانی لیتے دیکھ لیا تو آپ نے برا محسوس کیا اور اس کو سختی سے ڈانٹا اور جھڑک کر کہا' بابا جب تجھے ہر چیز بیٹھے بٹھائے مل جاتی ہے۔ تو پھر اس طرح کیوں حوض کا پانی خراب کرتا ہے۔ عین اسی وقت حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ اپنے کاشانہ اقدس سے تشریف لے آئے اور آپ نے پیر صدیقی صاحب کو اس بوڑھے مریض کو ڈانٹتے جھڑکتے دیکھ سن لیا۔ آپ کو اس بوڑھے کی حالت زار پر بڑا ترس آیا۔ آپ نے اس کو اپنے پاس بلایا اور اپنا دست مبارک اس کے ہاتھ' منہ اور سینے پر پھیرتے ہوئے فرمایا "بابا اب تو ٹھیک ہو جائے گا یہ بیماری ختم ہو جائے گی اور آئندہ لنگر کے دسترخوان پر سب مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا" فرماتے ہیں' تین دن کے اندر ہی وہ بوڑھا کوڑھ کی بیماری سے شفایاب ہو گیا' سارا بدن کوڑھ سے پاک صاف ہو گیا اور پھر وہ دسترخوان پر سب کے ہمراہ کھانے لگا۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک لنگر خانے میں کھانا پکانے کی خدمت بھی انجام دیتا رہا اور پیر صدیقی صاحب سے کہا کرتا تھا۔ حضرت آپ کی جھڑکیوں نے ہی میری بگڑی بنائی ہے۔

(سلطان نیروی کی پاکیزہ زندگی' ص 68-69)

حضرت باباجی قاسم موہڑوی اور ایک ہندو مہمان

حضرت بابا جی خواجہ محمد قاسم موہڑوی (متوفی 1943ء) کا شمار سلسلہ نقشبندیہ کے معروف صوفیاء میں ہوتا ہے۔ ہند و پاک میں لاکھوں لوگوں نے آپ سے فیض پایا اور آپ کے تربیت یافتہ خلفاء سے ہزاروں لوگ آج بھی پاکستان میں فیض پا رہے ہیں۔

"سلطان نیروی کی پاکیزہ زندگی" کے مؤلف صاحبزادہ سید آصف علی ظہوری نے باباجی موصوف کے خلیفہ مجاز جناب محمد داراب خان المعروف پیر ثانی صاحب نیریاں شریف آزاد کشمیر کی زبانی یہ ایمان افروز واقعہ نقل کیا ہے کہ "آستانہ موہڑہ کے لنگر کی خدمات

پیر ثانی صاحب' ان کے بڑے بھائی پیر غلام محی الدین غزنوی اور پیر محمد ابراہیم کے سپرد تھیں۔

ایک بار حسب دستور رات کو آپ نے ہم سے پوچھا کہ تمام حاضرین و زائرین آستانہ موہڑہ شریف کو کھانا کھلا دیا ہے؟ ہم نے عرض کیا ہاں جناب' فرمایا کوئی بھوکا تو نہیں رہ گیا۔ عرض کیا سب کو روٹی کھلا دی ہے۔ اب کوئی آدمی مہمانوں میں ایسا نہیں رہا جس کو لنگر سے کھانا نہ ملا ہو۔ آپ نے فرمایا ایک آدمی کو کھانا نہیں ملا' وہ بے چارہ بھوکا رہ گیا ہے۔ جاؤ اس کو بھی کھانا کھلاؤ ہم نے تمام حاضرین و زائرین سے آکر پوچھا' کوئی ایسا آدمی تو نہیں رہ گیا جس کو ابھی تک کھانا نہ ملا ہو۔ تلاش بسیار کے باوجود ایک بھی ایسا آدمی نہ ملا۔ بالآخر ہم نے مایوس ہو کر حضرت باباجی صاحب کی خدمت میں عرض کی حضور! ہمیں کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جس کو لنگر سے کھانا نہ کھلایا گیا ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا بچو! مسجد کی چٹائیوں میں ایک آدمی سویا ہوا ہے' اس کو کھانا نہیں ملا' بے چارہ بھوکا ہی رہ گیا ہے' جاؤ اس کو بھی لنگر سے کھانا کھلاؤ۔

فرماتے ہیں' ہم نے مسجد میں آکر دیکھا تو چٹائیوں کے بیچ ایک آدمی اپنے اوپر پوری چٹائی لپیٹ کر سویا ہوا ہے۔ ہم نے اس کو جگا کر پوچھا تو یہاں اس طرح چھپ کر کیوں لیٹا ہوا ہے اور تو نے لنگر سے کھانا کیوں نہیں کھایا؟ اس نے کہا چونکہ میں ہندو ہوں اور تمہارے ہاتھ کا پکا نہیں کھاتا تھا۔ اس لیے صرف رات بسر کرنے کے لیے یہاں چٹائیوں میں چھپ کر لیٹ گیا تھا۔ ہم نے حضرت باباجی صاحب کی خدمت میں عرض کیا' حضور! وہ آدمی ہندو ہے اور ہمارے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں کھاتا۔ آپ نے فرمایا' اس کو لنگر سے خشک آٹا وغیرہ اور لنگر میں جو ہندوؤں کے لیے علیحدہ برتن رکھے ہوئے ہیں' وہ بھی اس کو دو تاکہ وہ خود کھانا پکا کر کھائے۔ آج تک میرے یہاں کوئی شخص بھوکا نہیں سویا۔ چنانچہ ہم نے حسب ارشاد خشک اشیاء خورد و نوش اور برتن اس کو دیئے جب وہ اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر کھا چکا تو حضرت باباجی نے فرمایا' اب میرے دل کو سکون و چین ملا ہے۔

(سلطان نیروی کی پاکیزہ زندگی' ص 36-37' مطبوعہ کرم پبلی کیشنز' لاہور)

باب دوم

شفقت و ترحم اور غمخواری

حضرت ابراہیم بن ادھم کا درویشوں کی خاطر سردی میں ٹھٹھرنا

حضرت ابراہیم بن ادھم (متوفی 116ھ) ایک رات غیر آباد مسجد میں گئے جس کے کواڑ نہ تھے۔ دیکھا کہ تین درویش سو رہے ہیں۔ سردی نہایت سخت تھی۔ آپ کو ان کی بڑی فکر ہوئی اور اتنی فکر ہوئی کہ وہ درویش نہیں گویا خود سردی میں ٹھٹھر رہے ہیں۔ اپنے جسم پر تن ڈھانپنے اور ستر چھپانے کے علاوہ کوئی کپڑا نہیں تھا۔ ایک وقت تھا جب ایک جوڑا نہیں بیسیوں قیمتی اور اعلیٰ قسم کے جوڑے زیب تن کرنے کو تھے۔ مخمل کی رضائیاں اور بستر تھے۔ کمرے کو گرم رکھنے کے لیے انگیٹھیوں کا انتظام تھا۔ مگر اب یہ اللہ کا بندہ دنیا اور حکومت و اقتدار چھوڑ کر راہ فقر اختیار کر چکا تھا اور اس فقر و درویشی اور خانہ بدوشی میں جو اسے لطف و سرور، قلبی لذت اور راحت و سکون ملا تھا، اس کے مقابلے میں ہفت اقلیم کی بادشاہی بھی ہیچ تھی۔ بہرکیف درویشوں کو سردی سے بچانے کا کوئی اور انتظام تو اس وقت نہ کر سکے، البتہ ایک عجیب ترکیب کے ذریعے انہیں سردی سے بچانے کا اہتمام کیا۔ وہ اس طرح کہ اپنے جسم اور وجود ہی کو سردی سے بچاؤ کے لیے ڈھال بنایا۔ خود دروازے میں ہاتھ پھیلا کر ساری رات کھڑے رہے تاکہ ٹھنڈی ہوا اندر نہ جائے۔ درویش صبح کے وقت جاگے تو حضرت کو اس طرح کھڑے دیکھ کر بہت متعجب ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا، حضور! آپ نے اس سخت سردی میں کیوں تکلیف فرمائی اور ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: سرد ہوا چل رہی تھی۔ اب، تم لوگوں کو سردی سے بچانے کا کوئی اور انتظام تو میں نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ میرے بس میں یہ تھا کہ خود کو کواڑ کی جگہ کھڑا رکھوں شاید اس طرح تمہیں کچھ سکون ہو اور سردی کی شدت میں کچھ کمی واقع ہو۔ (کسی مسلمان بھائی کی معمولی خدمت اور راحت رسانی ہزاروں نوافل سے بہتر ہے۔)

(مخزن اخلاق ص 254)

حضرت ابراہیم بن ادھم اور درویشوں کی غمخواری

عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ صوفیاء کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے

کہ وہ چھوٹے لوگوں پر مہربانی اور شفقت کرتے ہیں' پھر حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی (متوفی 116ھ) کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ آپ (بلخ کی حکومت کو خیر آباد کہنے کے بعد) کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے اور اس سے جو آمدنی ہوتی وہ اپنے ساتھیوں (خانقاہ میں مقیم لوگوں) کو کھلاتے تھے۔ آپ کے یہ ساتھی دن بھر روزہ رکھتے اور رات کو آپ کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ بعض اوقات یوں ہوتا کہ آپ اپنے کھیت سے دیر سے بھی جاتے۔ ایک دن آپ کو دیر ہونے پر درویشوں نے سوچا کہ کیوں نہ آج آپ کے آنے سے پہلے کھانا کھا لیا جائے تاکہ حضرت آئندہ جلدی تشریف لایا کریں۔ درویشوں نے کھانا تیار کیا اور حضرت کی آمد سے پہلے پہلے کھا کر سو گئے۔ آپ رات کو پہنچے تو سب کو سوتے دیکھ کر سوچا شاید یہ بیچارے بھوکے سو گئے ہوں گے۔ چنانچہ آٹا گوندھا اور روٹیاں پکانا شروع کر دیں۔ اتنے میں وہ لوگ بھی جاگ گئے تو دیکھا کہ آپ رخساروں کو زمین پر رکھے آگ میں پھونک مار رہے ہیں۔ انہوں نے اصل صورت حال بتائی تو فرمایا میں نے سوچا کہ شاید تم لوگ بھوکے ہی سو گئے ہو۔ وہ لوگ دل ہی دل میں شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے دیکھو ہم نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور آپ ہمارے ساتھ کیسا شفقت آمیز اور کتنا احساس بھرا رویہ برت رہے ہیں۔

1۔ (عوارف المعارف ص 440 طبع اول بیروت۔ لبنان 1966ء)

2۔ (رسالہ قشیریہ (اردو) ص 453-452)

حضرت معروف کرخی اور ایک یتیم کی فکر

عید کا دن تھا۔ مرد عورتیں بچے جوان بڑے چھوٹے سب اپنے اس دینی تہوار کی آمد پر خوش تھے۔ سب نے حسب مقدور عمدہ سے عمدہ کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے۔ سب ایک دوسرے کے گلے مل رہے تھے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔ اللہ کا ایک بندہ اس خوشی کے دن بھی مغموم نظر آ رہا تھا اور بڑا متفکر تھا۔

حضرت سری سقطی (متوفی 257ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عید کے دن بھی حضرت معروف کرخی (متوفی 201ھ) کھجوریں چن رہے ہیں۔ میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ سامنے والا یتیم بچہ اس لیے اداس ہے کہ تمام بچے نئے لباس میں ملبوس ہیں اور اس کے پاس کپڑے تک نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ یتیم بچہ بھی عید کی خوشی منائے۔ اس لیے میں کھجوریں چن کر فروخت کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس کے لیے کپڑے فراہم کر سکوں۔ حضرت سری سقطی نے عرض کیا کہ یہ کام تو میں بھی انجام دے سکتا ہوں۔ آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں۔ چنانچہ میں بچے کو ہمراہ لے کر آیا اور اس کو نیا لباس پہنا دیا اور اس کے

صلہ میں جو نور مجھ کو عطا کیا گیا' اس سے میری حالت ہی بدل گئی۔
(شیخ عطار: تذکرۃ الاولیاء (اردو) ص 159)

خواجہ فضیل بن عیاضؒ اور خلق خدا کی فکر

خواجہ فریدالدین عطار نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید' اپنے وزیر فضل کے ہمراہ خواجہ فضیل بن عیاض (متوفی 187ھ) کے در دولت پر حاضر ہوا۔ دروازہ کھٹکھٹایا' پوچھا کون ہے؟ وزیر نے جواب دیا' امیرالمومنین۔ خواجہ فضیل نے فرمایا' امیرالمومنین کو مجھ سے کیا کام۔ اور مجھے ان سے کیا واسطہ۔ وزیر نے کہا' بادشاہ کی اطاعت واجب ہے۔ فرمایا' مجھے حیران نہ کرو۔ وزیر نے کہا اندر آنے کی اجازت دو' ورنہ ہم حکما اندر آ جائیں گے۔ فرمایا' اجازت تو نہیں دیتا' حکما اندر آ سکتے ہو۔ چنانچہ وزیر اور خلیفہ اندر آ گئے۔ خواجہ فضیل نے چراغ گل کر دیا تاکہ ہارون الرشید کو نہ دیکھ سکیں۔ اسی اثناء میں ہارون کا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے چھو گیا۔ فرمایا کیسا نرم ہاتھ ہے۔ کاش کہ دوزخ کی آگ سے بچ جائے۔ خلیفہ نے درخواست کی کہ کچھ ہدایت فرمایئے۔ جواب دیا' تیرا باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نے درخواست کی تھی کہ مجھے کسی صوبے کا حاکم بنا دو' تو آپ نے فرمایا' یاعم بک نفسک یعنی اے چچا! تجھے تیرے نفس کا امیر کیا۔ ہارون الرشید بولا' کچھ اور فرمایئے۔ فرمایا' یہ ملک تیرا گھر ہے اور خلقت تیری اولاد۔ ماں باپ کے ساتھ نرمی' بہن بھائیوں پر مہربانی' بچے بچیوں سے نیک سلوک کر اگر کوئی مفلس بڑھیا رات کو بھوکی سو جائے گی تو قیامت کے دن وہ بھی تیری دامن گیر ہوگی' تیرے ساتھ جھگڑے گی۔
(تاریخ مشائخ چشت ص 75-76' بحوالہ تذکرۃ الاولیاء)

حضرت بشر حافی کی فقراء کے ساتھ غمخواری

صوفیاء میں خلق خدا کی ہمدردی اور غمخواری کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ انہیں اپنی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی بندگان خدا کی ہوتی ہے۔ ان کی غمخواری اور دکھ درد بانٹنے کے طریقے بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ (م 227ھ) وہ بلند پایہ صوفی اور مقبول بارگاہ الہی ہیں کہ ان کی زندگی میں مویشی بھی بغداد کی گلیوں میں لید نہیں کیا کرتے تھے کہ مبادا بشر حافی کے ننگے پاؤں خراب نہ ہو جائیں۔ انہوں نے اللہ کے نام کی عزت کی تھی' اللہ نے ان کی ذات کو حیوانات کے لیے بھی معزز بنا دیا۔

ان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک دن جبکہ سخت سردی پڑ رہی تھی، کپڑے اتار دیئے اور خود ٹھٹھر رہے تھے۔ ہم نے ان سے پوچھا، اے ابو نصر کیا بات ہے۔ فرمایا، مجھے فقیر یاد آ گئے تھے کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا اور ان کی غمخواری کے لیے میرے پاس بھی کچھ نہ تھا، لہذا میں نے یہی پسند کیا کہ اپنی ذات کے ساتھ ان سے غم خواری کروں۔

(1) (کتاب اللمع فی التصوف از ابو نصر سراج طوسی ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص 301)
(2) (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الصوم ج 4، ص 229 طبع ملتان)

حضرت بشر کی دور دراز مقام پر ایک مریض کی خبرگیری

بعض اہل علم سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں بغداد میں ایک تاجر رہتا تھا۔ میں اس کو ہمیشہ صوفیا کی برائی کرتے سنتا، اس کے بعد میں نے اسے دیکھا کہ ہر وقت ان کی صحبت میں رہتا تھا اور اپنا سارا مال ان پر خرچ کر دیا۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ تو تو ان سے باز رہتا تھا، کہنے لگا میں نے ایک دن جمعہ کی نماز پڑھی، میں نے حضرت بشر کو دیکھا کہ سرعت کے ساتھ جامع مسجد سے نکل کر جا رہے تھے۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ دیکھوں اس شخص کو جو بڑا صوفی مشہور ہے اور ایک لحظہ مسجد میں نہیں ٹھہرتا ہے یہ کہاں جاتا ہے۔ اس نے بازار میں نانبائی کے یہاں سے نرم نرم روٹیاں خریدیں، میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ صوفی ہیں، نرم نرم روٹیاں خریدتے ہیں۔ پھر کبابی کے یہاں سے ایک درہم کے کباب خریدے، میرا غصہ اور زیادہ ہوا۔ وہاں سے حلوائی کے یہاں آکر فالودہ خریدا ایک درہم کا۔ میں اپنے دل میں کہتا تھا جب یہ کھانے بیٹھے گا تو اس پر عیش تلخ کر دوں گا اور اس نے جنگل کا راستہ لیا۔ مجھے یہ خیال آیا کہ اسے سبزہ زار کی تلاش ہے۔ وہاں بیٹھ کر کھائے گا۔ چنانچہ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ وہ عصر تک چلتا رہا۔ عصر کے وقت ایک گاؤں میں پہنچا اور ایک مسجد میں داخل ہوا اور وہاں ایک مریض تھا۔ اس کے سرہانے بیٹھ کر اسے کھلانے لگا۔ میں گاؤں دیکھنے کے ارادے سے نکلا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس لوٹا تو انہیں نہ پایا۔ میں نے اس مریض سے پوچھا کہ بشر کہاں گئے؟ اس نے کہا کہ وہ بغداد کو لوٹ گئے۔ میں نے دریافت کیا کہ بغداد کا یہاں سے کس قدر فاصلہ ہے، اس نے کہا چالیس فرسخ یعنی پانچ منزل ہیں۔ میں نے کہا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ میں نے اپنے اوپر یہ کیا مصیبت ڈالی۔ نہ میرے پاس اتنے دام ہیں جو کوئی سواری کرایہ پر کروں نہ اتنی طاقت ہے کہ اتنی دور چل سکوں۔ اس مریض نے کہا، ان کے پھر آنے تک یہاں قیام کرو چنانچہ

دوسرے جمعہ تک وہاں رہا اور بشر اسی وقت پر پہنچے اور ان کے ساتھ وہی مریض کی خوراک تھی۔ جب کھلا چکے تو اس مریض نے کہا، اے ابونصر، یہ شخص تمہارے ساتھ جمعہ گزشتہ میں آیا تھا اور ایک ہفتہ تک یہاں پڑا رہا اسے پہنچا دو، سوداگر کہتا ہے کہ انہوں نے غصہ سے مجھے گھورا اور کہا کیوں میرے ساتھ آیا تھا۔ میں نے کہا خطا ہوئی، کہا اٹھ چل میں ان کے پیچھے مغرب تک چلا۔ جب شہر کے قریب پہنچے تو پوچھا تمہارا محلّہ کونسا ہے، میں نے کہا فلاں محلّہ ہے۔ کہا اچھا جاؤ پھر دوبارہ ایسا مت کیجیو۔ جب سے میں نے توبہ کی اور ان کی صحبت اختیار کی اور میں اسی توبہ پر قائم ہوں۔

(نزھتہ البساتین اردو ترجمہ روضتہ الریاحین، ص 245)

حضرت سری سقطی کی کمال شفقت

خطیب بغدادی نے اپنی سند سے روایت بیان کرتے ہوئے حضرت سری سقطی (257ھ) کی انسانی ہمدردی اور خیرخواہی کا علان خیاط نامی راوی کی زبانی یہ چشم دید واقعہ لکھا ہے کہ:

"میں (علان) ایک دن حضرت سری سقطی کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک خاتون آئی اور کہا، اے ابوالحسن! (یہ سری سقطی کی کنیت ہے) میں آپ کے پڑوس میں رہتی ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ گزشتہ رات بادشاہ کے آدمی میرے بیٹے کو پکڑ کر لے گئے ہیں، مجھے خدشہ ہے کہ وہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔ لہٰذا آپ مناسب سمجھیں تو میرے ساتھ چلیں ورنہ ان لوگوں کو بلا کر میرے بیٹے کو واگزار کرا دیں۔ علان کہتے ہیں میں توقع کر رہا تھا کہ آپ ان لوگوں کو بلا بھیجیں گے مگر آپ اٹھے اور نماز نفل کی نیت باندھ لی اور بڑا لمبا قیام اور لمبا رکوع و سجود کیا۔ اس عورت نے کہا، ابوالحسن میرے معاملے میں اللہ سے ڈریئے مجھے ڈر ہے کہ بادشاہ کہیں میرے بیٹے کو تکلیف نہ پہنچائے۔ آپ نے سلام پھیرا اور عورت سے کہا، اللہ کی بندی! تمہارے ہی کام میں لگا ہوا ہوں (یعنی دعا کر رہا ہوں) علان کہتے ہیں اسی دوران ایک دوسری عورت آگئی اور اس نے پہلی عورت سے کہا: آؤ چلو تمہارے بیٹے کو بادشاہ کے آدمیوں نے چھوڑ دیا ہے۔ 1

سبحان اللہ کیا حسن اخلاق اور ہمدردی و خیرخواہی کا جذبہ ہے، یہ نہیں فرمایا کہ اچھا تمہارا کام کروں گا بلکہ فوراً ساری مصروفیات چھوڑ کر اس ذات گرامی کی طرف رجوع

1۔ تاریخ بغداد للخطیب بغدادی: ج ۹، ص 189 طبع مصر 1349ھ، 1931ء

کیا جو "مقلب القلوب والابصار" ہے۔ رب کریم کی لجپال ذات اپنے بندے کی پرخلوص دعا کو کیسے رد فرماتی۔ دعا گویا سیدھی عرش معلی پر پہنچی اور عرش عظیم کے مالک نے دعا کے نتیجے میں بادشاہ کو بیچاری خاتون کے بیٹے کو رہا کرنے پر مائل فرما دیا۔ اللہ نے اپنے بندے کو بادشاہ کے پاس جانے کی زحمت سے محفوظ رکھا اور خاتون کا بیٹا بھی رہا کرا دیا۔

حضرت سری سقطی کی عجیب غمخواری

لگے ہاتھوں خلق خدا کے ساتھ آپ کی ہمدردی و غمخواری کا ایک دوسرا ایمان افروز واقعہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ وہ یہ کہ ایک دفعہ بازار میں آگ لگ گئی۔ جب یہ خبر حضرت شیخ سری سقطی نے سنی تو کہا مقام شکر ہے' متاع دنیا سے خلاصی پائی۔ جب آگ بجھ گئی تو معلوم ہوا کہ شیخ کی دوکان بچ گئی ہے۔ یہ سن کر نہایت رنجیدہ ہوئے فرمایا' مسلمان بھائیوں کے ساتھ نقصان میں موافقت کرنا واجبات سے ہے۔ تمام مال راہ خدا میں درویشوں کو دے دیا۔ 1

رسالہ قشیریہ میں ہے کہ دوکان بچنے کی اطلاع پر انہوں نے الحمد للہ کہا مگر بعد میں تیس سال تک اس الحمد للہ کہنے پر استغفار کرتے رہے اور اللہ سے معافی چاہتے رہے' اس لیے کہ انہوں نے ایک مصیبت میں جس میں سب مسلمان مبتلا تھے' اپنے نفس کے لیے بھلائی چاہی تھی۔ 2

حاجی شریف زندنی کا ایک ضرورتمند کے لئے مجوسی کی ملازمت کرنا

حضرت شیخ حاجی شریف زندنی کے دیار میں فقرا میں سے ایک شخص رہتا تھا جس کی سات جوان لڑکیاں تھیں۔ وہ فقر و فاقہ میں ہمیشہ مبتلا رہتا تھا اور اس کی وجہ سے بہت پریشان اور بے بس تھا۔ ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے عرض حال کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اے درویش! آج جتنی تکلیف اٹھاؤ گے کل آرام پاؤ گے۔ اس نے عرض کی کہ حضرت! میری طرف خاص توجہ فرمائیے کہ میں اپنی جوان لڑکیوں کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ حضرت شیخ کے یہاں اس وقت کچھ موجود نہ تھا اس لیے انہوں نے

1۔ خزینۃ الاصفیاء (اردو ترجمہ) از غلام سرور لاہوری' ج 1' ص 131

2۔ رسالہ قشیریہ اردو ترجمہ ص 130' طبع اسلامیہ' 1984ء

فرمایا کہ آج جاؤ کل آنا۔ حضرت شیخ کے فرمانے کے مطابق وہ واپس ہو گیا۔ واپسی میں اسے ایک آتش پرست ملا۔ اس نے پوچھا درویش! کیا حال ہے؟ کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا' میری سات جوان لڑکیاں ہیں اور سبکدوش ہونے کے لیے پاس میں ایک پیسہ بھی نہیں۔ سخت عاجز اور بے بس ہو رہا ہوں۔ حضرت شیخ حاجی شریف کے پاس اپنی حالت بیان کرنے گیا تھا' انہوں نے کل بلایا ہے' ناامید جا رہا ہوں۔ دیکھیں کیا صورت پیدا ہوتی ہے۔ اس مجوسی نے کہا' اے فقیر! حضرت شیخ تو خود ہی نادار ہیں اور تم سے بھی زیادہ فقر میں مبتلا ہیں وہ کیا تمہیں دیں گے۔ اسی لیے انہوں نے تم سے بہانہ کیا ہو گا۔ جاؤ اور ان سے کہو کہ اگر سات برس تک میری خدمت گزاری قبول کریں اور جو میں کہوں اس کو بجا لائیں تو میں سات ہزار دینار ان کو دے سکتا ہوں' فقیر لوٹا اور سارا ماجرا حضرت شیخ سے کہہ سنایا۔

حضرت شیخ نے تمام باتوں کو سن کر فرمایا' سبحان اللہ! اس سے بہتر کیا ہو گا کہ میری سات سال کی خدمت گزاری کے بدلے کسی غوب حاجت مند کی ضرورت پوری ہو جائے' پھر حضرت شیخ اس فقیر کو ساتھ لئے ہوئے اس مجوسی کے پاس پہنچے اور جو کچھ اس مجوسی نے کہا اس کو قبول کر لیا۔ مجوسی نے قاضی شہر کے سامنے جا کر خط بندگی ان سے لکھوا لیا اور سات ہزار دینار ان کو دے دیا۔ حضرت خواجہ نے وہ سب دینار اس فقیر کو دے دیئے۔ کہ جا کر لڑکیوں کی شادی انجام دے اور خود اس مجوسی کی خدمت گزاری کے لیے اس کے پاس ٹھہر گئے' اس مجوسی نے ان کے سپرد رات کی پاسبانی کی اور حضرت شیخ مستعدی کے ساتھ اس کے حکم کی تعمیل میں لگ گئے۔ خلیفہ ان کا معتقد تھا' اس کو جو یہ خبر معلوم ہوئی اس نے فوراً سات ہزار دینار اور سات ہزار درہم حضرت خواجہ کی خدمت میں روانہ کیے اور کہلا بھیجا کہ سات ہزار دینار اس مجوسی کو دے کر اس سے نجات حاصل کریں اور سات ہزار درہم اپنی ضرورت پر خرچ فرمائیں' حضرت شیخ حاجی شریف زندنی نے وہ تمام دینار و درہم فقراء اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیئے اور کہا کہ میں نے سات سال تک اس مجوسی کی خدمت کرنے کا عہد کیا ہے وہ تو مجھے پورا کرنا ہی ہے۔

یہ خبر جب اس مجوسی کو ملی تو اس نے حضرت سے آ کر پوچھا کہ اے شیخ جب خلیفہ وقت نے آپ کی خلاصی کے لیے دینار و درہم بھیجا تو پھر آپ نے اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا۔ اپنی خلاصی کرا لیتے تاکہ اس کڑی خدمت کی تکلیف سے بچ جاتے۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ تم اس محنت اور تکلیف کی لذت اور قدر کو کیا جانو' میرا اللہ فقر اور محنت کو پسند کرتا ہے اور میں اپنے خدا کو پسند کرتا ہوں پھر جس میں وہ راضی ہو اسی

میں میرے لیے راحت ہے' اللہ دلجوئی کو پسند کرتا ہے اور دلجوئی کرنے والوں کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے' مجوسی حضرت شیخ کی باتوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا اور کہا کہ حضرت میں نے اپنی خوشی سے آپ کو آزاد کیا۔ آپ جایئے اور دلجمعی سے اپنے اللہ کے کاموں میں مشغول رہیے۔ حضرت ..... شریف زندنی نے فرمایا کہ جب تو نے مجھ کو آزاد کیا ہے تو پھر تجھ کو اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ سے آزاد فرمائے گا۔ زبان مبارک سے اس جملہ کے نکلتے ہی وہ مجوسی اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور فوراً کلمہ طیبہ پڑھ کر سچے دل سے مسلمان ہو گیا۔ سب کچھ چھوڑ کر حضرت شیخ کی خدمت کی اور شیخ کامل بن گیا۔

(سیر الاقطاب (اردو) ص 126 تا 128 طبع نفیس اکیڈمی' کراچی۔)

خواجہ فریدالدین گنج شکر اور ملاقاتوں کا احساس

دہلی کی آمد اور حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کا جانشینی کا تیسرا روز تھا۔ کہ ہانسی سے آپ کا ایک آشنائے قدیم و معتقد سرہنگا نامی آپ کے اشتیاق میں دہلی آیا۔ خادموں نے اندر جانے نہیں دیا۔ معتقدین و خدام کے ہجوم سے اس درویش کو ملاقات میسر نہ آئی۔ سرہنگا حضرت کے قدموں پر گر گیا' اور رو کر کہا کہ جب تک آپ ہانسی میں تھے' آسانی اور بے تکلفی سے مل لیا کرتا تھا۔ اب یہاں ہم جیسے غریبوں کا کام نہیں۔ شیخ کے دل پر چوٹ لگی اور سمجھے کہ تنبیہہ غیبی ہے۔ دہلی میں سکون اور عوام و فقراء سے ملنے جلنے کا موقع نہیں۔ اپنی مزید تکمیل و ترقی مطلوب تھی' آپ نے اسی وقت اپنے دوستوں سے کہا کہ میں ہانسی جاؤں گا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ شیخ قطب الدین نے تو آپ کو اس جگہ پر بٹھایا ہے آپ کہاں جاتے ہیں؟ فرمایا کہ "پیر نے اپنی امانت سپرد کر دی ہے۔ شہر میں رہوں یا بیابان میں وہ ساتھ ہے۔

(سیر الاولیاء ص 72)

(تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم ص 38)

باوا فریدالدین گنج شکر اور چند درویش

بابا فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ بے حد حلیم الطبع تھے۔ فوائد الفواد میں ہے کہ ایک مرتبہ پانچ درویش جو نہایت درشت مزاج اور سخت تھے ان درویشوں نے نہایت کرخت اور ناگوار لہجے میں کہا کہ ہم اتنی جگہ گئے لیکن ہمیں آج تک کوئی درویش نہ ملا۔ یہ کہہ کر وہ اٹھے' حضرت بابا فرید نے انہیں فرمایا' بیٹھو تاکہ میں تم کو درویش دکھاؤں' لیکن وہ

نہایت ناگواری سے روانہ ہونے لگے' آپ نے فرمایا' خیر اگر تم جاتے ہی ہو تو بیابان کی راہ مت جاؤ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرو' لیکن وہ نہ مانے اور بیابان کی راہ سے روانہ ہوئے۔ آپ نے ان کے پیچھے آدمی دوڑایا تاکہ وہ دیکھے کہ وہ درویش کس راستے سے جا رہے ہیں' وہ آدمی خبر لایا کہ درویش بیابان کی راہ سے روانہ ہو چکے ہیں۔ حضرت بابا فرید نے یہ سنا تو اس طرح رونے لگے جیسے کوئی ماتم کرتا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بیابان میں باد سموم چلی' ان میں سے چار درویش باد سموم میں ہلاک ہو گئے۔ صرف ایک باقی بچا جس نے کنوئیں کے پاس پہنچ کر اس قدر پانی پیا کہ ہلاک ہو گیا۔

(تذکرہ صوفیائے پنجاب (بحوالہ فوائد الفواد) مولفہ مولانا اعجاز الحق قدوسی' ص 462)

خواجہ نظام الدین اولیاء اور خلق خدا کا غم

یہ اہل قلوب غم دنیا سے فارغ البال لیکن دنیا والوں کے غم اور خلق خدا کی فکروں سے نڈھال اور خستہ حال رہتے ہیں۔ وہ اپنا غم بھلا دیتے ہیں اور ساری دنیا کا غم اپنا غم بنا لیتے ہیں۔ یہ کہنے کا حق در حقیقت انہی کو ہے کہ ۔

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی کے نواسے خواجہ شرف الدین سے کسی مجلس میں کسی صوفی نے کہا کہ خواجہ نظام الدین عجب فارغ البال بزرگ ہیں۔ مجرد ہیں' اہل و عیال و اطفال کا کوئی تردد ان کو نہیں ہے۔ ان کو ایسا فراغ خاطر حاصل ہے کہ ایک ذرہ غم بھی ان کو چھو نہیں گیا ہے۔ وہ عزیز اس مجلس سے اٹھے تو خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چاہتے تھے کہ خود اس کا ذکر کریں۔ لیکن حضرت خواجہ نے خود ہی ارشاد فرمایا:

میاں شرف الدین وہ رنج و غم جو میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے' شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو۔ جو شخص میرے پاس آتا ہے اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے' اس سے دو چند فکر و تردد اور غم و الم مجھے ہوتا ہے' بڑا سنگدل ہے وہ جس پر اپنے دینی بھائی کا غم اثر نہ کرے اس کے علاوہ یہ جو کہا گیا ہے' **مخلصین** کو بڑا خطرہ در پیش رہتا ہے۔

حضرت خواجہ کے نزدیک مسلمانوں کا دل خوش کرنا اور ان کی دلجوئی و راحت رسانی افضل ترین عمل اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ تھا۔ سیرالاولیاء میں ہے کہ فرمایا مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی اس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچاؤ

کہ مومن کا دل اسرار ربوبیت کا مقام ہے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے۔

می کوش کہ راحت بجانے برسد
یا دست شکستہ بنانے برسد

"کوشش کرو کہ کسی انسانی جان کو تم سے آرام پہنچے یا جو دست شکستہ ہے اس کو تمہارے ذریعے سے روٹی ملے"۔

قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور چلن نہ ہوگا جتنا دل کا خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کا۔

1۔ (تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم ص 111-110-109)
2۔ (خیرالمجالس "مترجم" ص 96)
3۔ (سیرالعارفین ص 106)

خواجہ نظام الدین اولیاء اور ہمدردیٔ انسانیت

ایک جماعت حضرت خواجہ کے پاس ..... اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے بیٹھی ہوئی تھی۔ ان میں سے بعض کے لیے سائے میں جگہ نہیں تھی، اس لیے وہ دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے سائے میں بیٹھے ہوؤں سے کہا کہ تم لوگ کچھ سمٹ کے بیٹھ جاؤ تاکہ دھوپ میں بیٹھے ہوؤں کو جگہ مل جائے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو دھوپ میں بیٹھے ہیں میں انہیں دیکھ کر جل رہا ہوں۔ اس مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ بدایوں میں ایک بزرگ تھے جنہیں شیخ شاہی موئے تاب کہتے تھے رحمتہ اللہ علیہ ایک دفعہ ان کے احباب انہیں سیرو تفریح کے لیے باہر لے گئے اور وہاں کھیر پکائی، جب کھانا سامنے ایا تو خواجہ شاہی موئے تاب نے کہا کہ اس کھانے میں خیانت نے راہ پائی ہے۔ بات یہ ہوئی کہ قبل اس کے کہ دودھ احباب کے سامنے لایا جاتا، ان میں سے دو اشخاص نے کچھ دودھ پی لیا تھا اور درویشوں کے ہاں یہ بہت بڑی غلطی ہوتی ہے۔ الغرض جب خواجہ شاہی نے پوچھا یہ کیسے ہوا کہ احباب کے سامنے لائے جانے سے قبل کسی شخص نے اس میں سے کچھ پی لیا ہے۔ یاروں نے انہیں بتایا کہ دودھ کی دیگ آگ پر رکھی ہوئی تھی۔ دودھ میں ابال آیا تو وہ باہر گرنے لگا۔ ہم نے وہ دودھ جو باہر گر رہا تھا، لے لیا۔ اب ہم اس کا کیا کرتے، کیا اسے گرنے دیتے ہم نے اسے پی لیا۔ خواجہ شاہی نے کہا کہ اس دودھ کا پینا غلطی تھی۔ اس کو گرنے دیا ہوتا۔ غرض احباب کا عذر قبول نہ ہوا اور وہ بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔

دھوپ نکلی ہوئی تھی، سب لوگ دھوپ میں کھڑے تھے۔ چنانچہ ان کے پسینے چھوٹنے لگے۔ اس حالت میں خواجہ شاہی نے فرمایا کہ حجام کو بلاؤ۔ احباب نے کہا، آپ کیا کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ جس قدر میرے دوستوں کا خون پسینے کی شکل میں بہا ہے میں حجام سے کہوں گا کہ وہ میرا اتنا خون نکالے۔ حضرت خواجہ۔۔۔۔۔۔۔ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ بات بیان کرتے ہوئے جب ان الفاظ پر پہنچے تو فرمانے لگے، ایسی محبت پر آفرین، اور ایسی انصاف پسندی پر شاباش۔

(فوائد الفواد ص 205-206)

خواجہ نظام الدین اور مسکینوں کی فکر

حضرت محبوب الٰہی نے ایک عورت کو دیکھا کہ دریائے جمنا کے کنارے ایک کنوئیں سے پانی بھر کر لے جا رہی ہے۔ آپ نے اس سے کہا کہ تو دریا کو چھوڑ کر کنوئیں کا پانی کیوں پیتی ہے؟ اس نے کہا کہ میرا شوہر غریب ہے، ہمارا گھر کا خرچ مشکل سے چلتا ہے۔ جمنا کا پانی بھوک زیادہ لگاتا ہے اس لیے ہم کنوئیں کا پانی پیتے ہیں۔ حضرت یہ سن کر رونے لگے اور خانقاہ میں آکر اپنے خادم سے کہا کہ غیاث پور میں ایک عورت ہے جو جمنا کا پانی نہیں پیتی کیونکہ اس سے بھوک زیادہ لگتی ہے۔ تم جاکر اس سے پوچھو کہ اس کے ماہانہ خرچ میں کتنا خسارہ رہتا ہے، اتنا خرچ ہر مہینے اسے ہماری خانقاہ سے دیا کرو اور اس سے کہو کہ جمنا کا پانی پیئے۔

ایک بار غیاث پور میں آگ لگ گئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ آپ چلچلاتی دھوپ میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہوئے آگ لگنے کا منظر اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک وہ بجھ نہ گئی۔ پھر خواجہ اقبال کو بلایا اور فرمایا کہ جاکر گھروں کی گنتی کرو کہ کتنے آگ سے متاثر ہوئے ہیں اور ہر گھر والے کو چاندی کے دو تنکے، دو روٹیاں اور ایک صراحی ٹھنڈے پانی کی پہنچاؤ۔ بستی کے لوگ اس وقت بہت ہی پریشان اور مضطر تھے۔ جب خواجہ اقبال کھانے کا خوان اور پانی کی صراحی اور چاندی کے تنکے لے کر ہر ایک کے گھر پہنچے تو لوگ خوشی سے آب دیدہ ہوگئے۔ دو تنکے اس زمانے میں اتنی قیمت رکھتے تھے کہ اس سے کئی جھبر ڈلوائے جا سکتے تھے۔

(جامع الکلم قلمی ص 78 الف اور 78 ب بحوالہ چشتی تعلیمات از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی
(39-38 000t0s01b0b1bb1ص

مولانا کیتھلی اور عمخواری درویشاں

پھر اسی موقعہ کے مناسب حضرت محبوب الٰہی نے زبان مبارک سے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا کیتھلی میرے پاس آئے' کھانا موجود تھا۔ بشر کو کہا کہ لاؤ۔ اس نے لانے میں دیر کر دی۔ میرے پاس چھوٹی چھڑی تھی۔ اس کی پیٹھ پر ماری' مولانا کیتھلی نے اس طرح آہ کی کہ گویا' انہیں کی پیٹھ پر لگی ہے۔ میں نے پوچھا' آپ نے آہ کیوں بھری۔ فوراً پیٹھ سے کرتہ اٹھا کر مجھے دکھایا۔ جب میں نے نگاہ کی تو دیکھا' اس چھڑی کا اثر آپ کی پیٹھ پر موجود ہے۔ پھر فرمایا کہ ان کو (غلاموں کو) اپنے سے عزیز سمجھنا چاہیے کیونکہ ان میں اس بات کی قدرت نہیں کہ وہ کچھ کہہ سکیں۔

مولانا کیتھلی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معروف حدیث **المومنون کجسد واحد**

"تمام مومنین ایک جسم کی مانند ہیں' کا عملی نمونہ دکھایا"۔

(افضل الفوائد ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء حصہ اول ص 14' مرتبہ امیر خسرو)

خواجہ نصیرالدین اور بندگان خدا کا احساس

تاریخ فیروز شاہی کا مصنف لکھتا ہے:

حضرت شیخ نصیرالدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ تم وعدہ کرو کہ اپنے خلق سے مخلوق کے ساتھ عدل و انصاف کرو گے' ورنہ ان بیکس بندگان خدا کے لیے اللہ تعالیٰ سے دوسرا فرمانروا طلب کیا جائے۔ سلطان فیروز نے جواب دیا کہ میں خلق خدا کے ساتھ حلم و بردباری کروں گا اور اتفاق و محبت سے ان پر حکمرانی کروں گا۔

حضرت شیخ نے جواب دیا کہ اگر خلق خدا کے ساتھ خلق و مروت کرو گے تو ہم نے بھی تمہارے لیے خدا سے حکومت طلب کی ہے۔ (تاریخ فیروز شاہی' اردو ترجمہ' شائع کردہ جامعہ عثمانیہ' ص 25) کون کہہ سکتا ہے کہ فیروز تغلق کے زمانے میں اسلام کو جو فروغ ہوا اور خلق خدا کی آسائش کا انتظام ہوا' ان سے عدل و انصاف' اور حلم و مروت کا سلوک ہوا۔ اس میں آپ کا جنہوں نے فیروز تغلق کی تخت نشینی میں مدد دی تھی اور اس سے بہتر طریقے سے عدل و انصاف کے وعدے لیے گئے تھے کوئی حصہ نہ تھا!

(آب کوثر' ص 412-413)

شاہ فخرالدین دہلوی اور ایک قیدی پر رحم

تذکرہ ہوا کہ فلاں شخص آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے کوتوال کے یہاں قید ہو گیا ہے' اسے بہت تکلیف ہے۔ مولانا شاہ فخر دہلوی نے فرمایا اگر کوئی اسے روٹی پہنچا سکتا ہے

تو میں اس کو ایک روپیہ دوں گا۔ اتنے میں کسی نے عرض کیا کہ سرکاری داروغہ صاحب آئے ہیں۔ فرمایا بلاؤ وہ آئے مولانا نے فرمایا کہ جس قیدی کے پاس تم کو بھیج رہا ہوں یہ میرے مریدوں میں نہیں ہے اور نہ میری اس سے کوئی پہچان ہے لیکن میں نے آثار شریف کی درگاہ میں اس کو قرآن مجید پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس لیے میں اس کی سفارش کر رہا ہوں۔

امید ہے کہ اس معاملے میں تم کوشش سے دریغ نہ کرو گے۔ انہوں نے کہا، انشاء اللہ روٹی اس آدمی کو پہنچا دوں گا۔ مولانا نے فرمایا یہ روپیہ لو اور اس روپے سے پکی ہوئی روٹی اس کو پہنچا دو۔

(فخرالطالبین ملفوظات شاہ فخرالدین دہلوی، ص 185)

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اور خلق خدا کی فکر

تجرید و تفرید کے اس بلند مقام کے باوجود جس میں دل میں غبار اور کسی مخلوق سے سروکار کی بھی گنجائش نہیں، آپ کو خلق خدا کے حال پر رحمت و شفقت اور مسلمانوں کے حالات و معاملات کی فکر اور اس سے تعلق خاطر رہتا تھا۔ اور صرف اسی لیے شاہان وقت سے کبھی کبھی خط و کتابت فرماتے اور ان کو عدل گستری اور دادگیری مظلوموں کی حمایت و حفاظت کی طرف متوجہ کرتے۔ ایک مرتبہ خواجہ عابد ظفر آبادی کا مال تلف ہو گیا تو آپ نے سلطان الشرق فیروز شاہ کو ایک خط تحریر فرمایا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی چند حکایتیں اور احادیث نقل کرنے کے بعد جو ظالموں اور مظلوموں کے متعلق ہیں، تحریر فرمایا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ آج وہ معظم و مکرم ذات جو مظلوموں اور بیچاروں کا آسرا ہے اور عدل و انصاف اس کی بارگاہ سے دنیا میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اس سعادت تک پہنچ گئی ہے جس کے متعلق پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ ایک گھڑی کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے"۔

(تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ سوم، ص 221)

خواجہ سلیمان تونسوی اور صلح باخاص و عام

حضرت قبلہ شاہ سلیماں تونسوی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم خواجہ نور

محمد مہاروی قدس سرہ کے زمانے میں درویشوں کے درمیان بہت محبت تھی اور نہایت اخلاق سے ایک دوسرے کے ساتھ پیش آتے تھے۔ میں ایک مسجد میں رہا کرتا تھا اور مسجد کے ایک گوشہ میں پشمینہ کا ایک کمبل ڈالا ہوا تھا' (اسی میں پڑا رہتا)۔ ایک دفعہ دو آدمی پشاور سے مالائیں فروخت کرنے کے واسطے آئے' انہوں نے بھی مسجد میں سکونت اختیار کی۔ رات کو سوتے وقت اگر وہ ہمارے کمبل پر سو جاتے تو ہم زمین پر سو جاتے۔

نظم

ہر کہ خلق از خلق او خوشنود نیست
ہیچ قدرش بر در معبود نیست
خوئی بد در تن بلائے جاں بود
مردم بدخو نہ از انسان بود

(ترجمہ نافع السالکین' ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی' ص 325)

ایک روز میں (مؤلف ملفوظات) حضرت قبلہ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ ایک ہندو نے آکر حضرت قبلہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی زیارت کا مجھے بہت ہی شوق تھا۔ حضرت قبلہ قدس سرہ نے فرمایا کہ ہمارے طریقہ میں یہ بات داخل ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے ساتھ صلح رکھی جائے اور پھر یہ بیت بطور شہادت کے پڑھا۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن باخاص و عام
بامسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

(ترجمہ نافع السالکین ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی' ص 363)

حضرت خواجہ باقی باللہ اور قحط سالی

زبدہ المقامات ص 72 میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ کی نسبت لکھا ہے:

آپ کی شفقت و رحمدلی کی یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ شہر لاہور میں سخت قحط سالی واقع ہوئی۔ اس زمانے میں آپ شہر لاہور میں تشریف رکھتے تھے۔ "کئی روز تک آپ نے

کھانا نہیں کھایا' جب آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا' فرماتے انصاف سے بعید ہے کہ کوئی بھوکا پیاسا گلی کوچوں میں جان دے اور ہم کھانا کھائیں۔ جس قدر کھانا ہوتا سب بھوکوں کے لیے بھجوا دیتے"۔

(شیخ محمد اکرم: رود کوثر' ص 197' طبع فیروز سنز 1970ء)

مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی اور ایک مفلس

حضرت مولانا شاہ فضل رحمن صاحب (گنج مراد آبادی) قدس سرہ کی خدمت میں ایک نواب آئے اور انہوں نے ایک بہت قیمتی لباس حضرت کو پیش کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اسے میں کسی کو نہیں دوں گا' اس کو صرف اپنے لیے رکھوں گا' اتنے میں ایک صاحب آئے اور رو کر کہنے لگے کہ میں مفلس آدمی ہوں' میری دو لڑکیاں جوان ہو چکی ہیں ان کی شادی کے لیے میرے پاس کچھ نہیں' کیسے انتظام کروں؟ حضرت نے فرمایا کہ بھائی میرے پاس اور تو کچھ نہیں' ابھی ایک شخص نے ایک عبا پیش کیا تھا' لاؤ اسی کو دے دوں' چنانچہ دے دیا۔

حضرت کے ہاں یہ معمول تھا کہ جو بڑے بڑے لوگ وہاں موجود رہتے تھے وہ اس قسم کی چیزیں تبرکاً خرید لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بڑے رئیس نے اس عبا کو ایک ہزار روپیہ دے کر خرید لیا۔ اس نے بڑی خوشی سے وہ عبا دے دیا اور روپیہ لے کر چلا گیا۔ کسی خادم نے اس کے جانے کے بعد حضرت سے پوچھا کہ ابھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ اس عبا کو میں کسی کو نہ دوں گا۔ صرف اپنے لیے رکھوں گا پھر آپ نے اس کو کیوں دے دیا؟ فرمایا کہ ارے بھائی تم نے نہیں سمجھا' رکھ تو لیا اللہ کے یہاں جمع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عنداللہ ھو خیرا واعظم اجرا ☆

ترجمہ: "اور جو نیک عمل اپنے لیے آگے بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے"۔

(ماہنامہ جامعتہ الرشاد اعظم گڑھ دسمبر 1986ء بروایت حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی)

سائیں توکل شاہ انبالوی اور ایک سائل

ایک شخص نے سائیں توکل شاہ انبالوی سے سوال کیا کہ میری دختر کے نکاح کے لیے کچھ مدد کیجئے' فرمایا کہ چھوہاروں پر نکاح کر دو۔ بیچارا چلا گیا۔ جب وہ جاچکا تو خیال آیا کہ افسوس سائل کو جھڑک دیا اور وہ خالی ہاتھ چلا گیا۔ درویشوں سے فرمایا کہ اس شخص کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ خیال ایسا تھا کہ جس چیز یا شخص کو بلاتے جب تک نہ آتا چین نہ آتا تھا۔ ایک خادم شاہ آباد گیا کوئی کچہری کی طرف دوڑا' کسی نے جنگل کا رخ کیا' بڑی مشکل اور تلاش بسیار کے بعد خدام اس شخص کو ڈھونڈ لائے جب وہ آیا تو ایک معقول رقم عنایت کی۔

حضرت (سائیں توکل شاہ) کو جانوروں پر بھی اس قدر رحم تھا کہ جو کچھ آپ نوش فرماتے اس میں سے چڑیوں کا حصہ بھی رکھوا دیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ برف میں سے بھی پرندوں کا حصہ نکلتا۔ ایک دفعہ ایک درویش نے چڑیا کا حصہ کھالیا۔ دراصل اس نے یہ سمجھا کہ یہ مجھے عنایت ہوا ہے۔ حضرت گھبرا گئے اس نے معافی مانگی' فرمایا کہ تو نے چڑیا کا حصہ کھایا ہے' اس سے معاف کرا۔ پرایا حق کیوں کھایا؟ پھر اس درویش نے اپنے حصے میں سے چڑیوں کو کھلایا۔

ایک دن ایک چڑیا پانی پی رہی تھی۔ حضرت وضو کرنے لگے تو وہ اڑ گئی۔ حضرت کو سخت رنج ہوا۔ فرمایا: جب تک یہ چڑیا دوبارہ آکر پانی نہ پی لے ہم وضو نہ کریں گے۔ چنانچہ جب اس چڑیا نے پانی پی لیا' تب آپ نے وضو کیا۔

(تذکرہ توکلیہ مؤلفہ نور احمد نور' مطبوعہ انبالہ 1318ھ' ص 71)

شاہ سلیمان تونسوی اور مریدین کی پہچان

ایک عورت نے سوال کیا' "غوث نواز لاکھوں آدمی' کیا مرد کیا عورتیں آپ کے دست پر بیعت ہوتی ہیں اور حال یہ ہے کہ آپ کسی کو زیادہ دیر بیٹھنے نہیں دیتے اور کیا دن کیا رات بیعت کرتے رہتے ہیں اور ہر ایک کا بھروسہ ہے کہ قیامت کے دن آپ کام آئیں گے اور امداد کریں گے۔ مگر حیرانی ہے کہ کروڑوں مخلوق میں سے آپ اپنے مرید کس طرح پہچان سکیں گے"؟ جواب میں ارشاد فرمایا: "رات کا وقت ہوتا ہے اور چھ سات چرواہے اپنی اپنی بھیڑیں ملا دیتے ہیں اور پھر جب چاہتے ہیں ہر ایک اپنے ریوڑ کو جدا کر لیتا ہے' حالانکہ سب بھیڑیں ہم رنگ ہوتی ہیں اور سب چرواہوں کو احمق اور بے وقوف کہا کرتے ہیں تو کیا میں اپنے مریدوں کو شناخت نہ کر سکوں گا"۔ [1]

---

1 خاتم سلیمانی' ص 77!

(تاریخ مشائخ چشت: ص 646)

خواجہ قمرالدین سیالوی اور مدینہ منورہ کا ایک فقیر گھرانا

شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمرالدین سیالوی نے مدینہ منورہ میں اپنی حاضری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جوانی میں میری صحت اچھی تھی' بھوک خوب لگتی تھی۔ مدینہ شریف حاضر تھا' بھوک لگی' شہر سے باہر ایک ہوٹل پر اپنے احباب حضرت مرولوی ثانی علیہ الرحمہ و دیگر احباب سمیت گیا۔ میں نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ اس کا پیٹ ننگا ہے اور پتھر باندھے ہوئے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ بھوکا ہوں۔ وہ بدوی تھا۔ یہ منظر دیکھ کر میں نے قسم کھائی کہ جب تک اس کے سارے کنبہ کو پیٹ بھر کر نہ کھلاؤں گا ایک لقمہ بھی نہیں کھاؤں گا۔ میں نے ہوٹل والے کو کہا کہ کتنا پکا سکتے ہو۔ اس نے کہا جتنا کہو۔ میں نے کہا کہ پکاؤ اس لڑکے نے ڈبہ پر چڑھ کر آواز دی کہ سب آ جاؤ۔ ایک آدمی ہم سب کو کھانا کھلائے گا۔ چنانچہ وہاں پر بے شمار لوگ اس کے قبیلہ کے جمع ہو گئے۔ ہوٹل والے نے بہت زیادہ کھانا تیار کر لیا۔ مرولوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ کھانا ضرورت سے زیادہ تیار ہو گیا ہے۔

اللہ داد مرحوم اور حضرت مرولوی نے ان لوگوں کو کھانا کھلایا۔ حضرت مرولوی نے کہا کہ ہمارے اندازے میں کھانا ضرورت سے زیادہ تھا مگر ہمارا اندازہ غلط اور آپ کا اندازہ صحیح تھا۔ اس لڑکے نے جب خود کہا کہ ہمارے قبیلہ کے جملہ لوگوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا ہے تب ہم نے مل کر کھانا کھایا۔ فرمایا کہ پورے سفر میں اتنا لطف نہیں آیا جتنا ان بھوکوں کو کھانا کھلانے میں آیا۔

پھر فرمایا کہ تسخیر کے لیے وظائف پڑھے جاتے ہیں۔ حالانکہ بڑی تسخیر یہ ہے کہ حاجت مندوں کو کھانا کھلایا جائے۔ آپ نے صحیح ترمذی کی حدیث پڑھی:

اطعموا الطعام وافشوا السلام واضربوا الهام تورثوا الجنان۔

(ماہنامہ ضیائے حرم' بھیرہ ضلع سرگودھا' شیخ الاسلام نمبر ص 58-57' اکتوبر 1981ء)

پیر جماعت علی شاہ اور رافت و شفقت عام

ماضی قریب کے متاخرین صوفیاء میں پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری کا نام عالم اسلام بالخصوص ہندو پاکستان میں محتاج تعارف نہیں ۔ ان کا نام سن کر عقیدت واحترام میں آدمی کی گردن جھک جاتی ہے ۔ پاکستان کی تاریخ انکی بے لوث خدمات کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی ۔ اپنے علم اور سیرت و اخلاق کے اعتبار سے متقدمین صوفیاء کا ایک نمونہ تھے ۔ آپ کے پوتے صاحبزادہ سید اختر حسین شاہ اور پروفیسر محمد طاہر فاروقی کی ترتیب شدہ کتاب " سیرت امیر ملت " آپ کی سیرت و سوانح پر ایک عمدہ کتاب ہے ۔ خلق عظیم کے عنوان کے ماتحت مذکورہ کتاب میں ہے ۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ العزیز ازروئے توراث نیز موہبت ایزدی سے خلق عظیم کے رتبہ بلند پر فائز تھے ۔ کافر بھی آپ کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتے تھے اور ہزاروں لاکھوں ڈانواں ڈول مسلمان آپ کی رفق و ملاطفت اور رافت و شفقت کے گرویدہ ہو کر صالح اور دیندار بن جاتے تھے ۔ خلاف شریعت کوئی بات آپ ہرگز برداشت نہ فرماتے اور طرح طرح سے روکتے ٹوکتے تھے ۔ اگر کوئی بدبخت باز نہ آتا تو حضور عملی طور پر سختی فرماتے اور یہ سب اللہ رسول اور شریعت کی خاطر ہوتا ۔ ذاتی طور پر آپ مجسم رافت و شفقت تھے ۔ ایک دفعہ ایک عورت اپنی چھت پر کھڑی ہوئی زور زور سے گالیاں بک رہی تھی ۔ حضور نے فرمایا یہ کس کو برابھلا کہہ رہی ہے غور فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ آپ ہی کی شان اقدس میں ہرزہ سرائی کر رہی تھی ۔ ارشاد فرمایا " دروازہ بند کر دو ۔ اللہ اس کو ہدایت دے " ۔ اس وقت حضور کی خدمت والا میں بہت لوگ حاضر تھے ' وہ سب کرم ورافت کے اس عظیم مظاہرے سے بے حد حیران و متاثر ہوئے ۔

درحقیقت حضرت قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ " اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم " کی

صحیح مثال پیش فرماتے تھے ۔ گوجرانوالہ کے ایک خطیب فالج میں بیمار ہو گئے ۔ ان کی بیماری نے طول کھینچا تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی غلطیوں اور گستاخیوں کی معافی طلب کی ۔ حضرت قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا "مولوی صاحب! مجھے آپ سے کوئی ذاتی رنجش نہیں ہے نہ ہی مجھے آپ کی کوئی بات یاد ہے ۔ البتہ آپ نے حضرت نبی کریم علیہ الصلوۃ و التسلیم کی شان مبارک میں گستاخیاں کی ہیں ۔ اس لئے دعا کروں گا ۔" اس کے بعد مجھے طلب کیا اور حکم دیا ۔ مولوی صاحب بیمار ہیں ۔ ان کا علاج کراؤ ۔ ان کی تیمارداری اور خدمت گزاری کر ۔ مولوی صاحب کو کسی طرح کی تکلیف نہونے پائے ۔ مولوی صاحب آپ کی خلق و کرم سے بے حد متاثر ہوئے ۔ اپنی غلطیوں اور قصوروں سے تائب ہوئے ۔ اور فلاح دارین حاصل کی

(سیرت امیر ملت مصنفہ صاحبزادہ سید اختر حسین / پروفیسر محمد طاہر فاروقی ص ۸۰ ۔ ۸۱)

باب سوم

عفو ودرگزر اور دشمن نوازی

سید احمد کبیر رفاعیؒ اور کمال درگزر

سید احمد کبیر الرفاعیؒ کبار صوفیاء میں سے ہیں۔ ایک مرتبہ سخت گرمیوں کے رمضان المبارک میں نماز مغرب کے وقت ایک آدمی نے آپ کو کھانے کی دعوت دی۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی دعوت کو بھی قبول کرنا چونکہ سنت نبوی ہے اس لئے آپ نے اس کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے فرمایا ٹھہر جاؤ میں دو رکعت نفل پڑھ لوں۔ نماز مغرب کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا آپ کا مستقل معمول تھا۔ مگر اس آدمی نے اصرار کیا کہ حضور! ابھی چلئے۔ آپ نفل چھوڑ کر اس کے ساتھ چل پڑے۔ جب وہ اپنے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو حضرت کو کہا کہ آپ تھوڑی دیر ٹھہریں میں اندر جگہ بنالوں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ وہ اندر گیا تو کسی کام میں ایسا مصروف ہوا کہ اسے یہ بات بھول ہی گئی کہ اس کا کوئی بلایا ہوا مہمان اس کے انتظار میں باہر کھڑا ہے۔ جب عشاء کی اذان ہوئی تو وہ نماز کیلئے گھر سے باہر نکلا دروازے پر سید احمد کبیر رفاعیؒ کو انتظار میں کھڑے دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا۔ معذرت کی اور کہا حضور! قسم بخدا میں بھول گیا تھا آپ نے فرمایا بیٹا کوئی بات نہیں چلو پہلے نماز پڑھتے ہیں پھر آکر افطاری کا کھانا کھائیں گے۔ ماتھے پر ذرہ بھر بھی شکن نہ آئی۔

(قلادۃ الجواہر فی ذکر الغوث الرفاعی واتباعہ الاکابر از سید محمد ابی الہدیٰ افندی الرفاعی ص: ۵۴ طبع بیروت ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء)

اسی طرح ایک اور آدمی نے آپ کو دعوت دی۔ آپ اس کے گھر پہنچے تو اس نے کہا واپس چلے جائیے۔ آپ بخوشی اور خاموشی کے ساتھ واپس آگئے۔ اس نے دوبارہ آپ کو دعوت دی۔ آپ نے کمال شفقت سے دوبارہ اس کی دعوت کو قبول کرلیا۔ دوسری دفعہ اس کے دروازے پر پہنچے تو اس نے پھر وہی سابقہ حرکت کی۔ آپ خاموشی سے لوٹ

آئے۔ تیسری مرتبہ پھر اس نے اپنے گھر آنے کی درخواست کی۔ آپ نے اس کی درخواست قبول فرمائی۔ اب کے وہ آپ کو اپنے گھر لے گیا اور اندر بٹھا کر پہلے دو مرتبہ کی غلطی اور گستاخی کی معافی مانگنے لگا اور کہنے لگا۔ قسم بخدا آپ جیسے حوصلے اور برداشت والا آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ فرمایا بیٹا کوئی بات نہیں۔

(قلادۃ الجواہر فی ذکر الغوث الرفاعی واتباعہ الاکابر از سید محمد ابی الہدی افندی الرفاعی ص: ۵۴ طبع بیروت ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء)

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ اور ایک فوجی

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ ایک بار جنگل میں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک فوجی نے دریافت کیا کہ آیا تو خدا کا بندہ ہے؟ جواب دیا ہاں۔ اس نے شہر کا راستہ دریافت کیا۔ آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا کہ یہ شہر ہے۔ اس نے کہا میں شہر پوچھ رہا ہوں جہاں انسانوں کی آبادی ہو۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے جواب دیا۔ ہاں ہاں سب سے بڑی آبادی یہاں ہے اور سب سے گنجان اور بارونق شہر یہی ہے۔ معرفت سے اسے کیا سروکار۔ وہ حضرت کی بات نہ سمجھا فقیر دیکھ کر اسے غصہ آیا اور لاٹھی اٹھا کر کھینچ ماری۔ حضرت ابراہیم ادہم زخمی ہوگئے۔ فوجی ان کو شہر میں لایا۔ آپ کے متبعین نے جب یہ دیکھا تو اس سے کہا کہ اے فوجی تو نہیں جانتا کہ یہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ ہیں۔ یہ معروف نام اس نے بھی سن رکھا تھا۔ کیونکہ یہ نام اس شخص کا تھا جس نے اللہ کی خاطر اپنی کرسی اور اقتدار کو چھوڑ دیا تھا ورنہ کرسی کو کون چھوڑتا ہے۔ ان کے اس اخلاص نے ان کو غیر معروف نہیں رہنے دیا تھا۔ اللہ کا وعدہ ہے جو آدمی اس کے نام کو بلند کرے گا اللہ اسے ضرور بلند فرمائے گا۔ وہ فوجی گھوڑے سے اترا اور پیروں پر سر رکھ کر کہنے لگا کہ آپ نے اپنے آپ کو بندہ کیوں کہا؟ تو فرمایا کہ میں اس مالک کا (خدا کا) بندہ ہی ہوں۔ اس نے معافی چاہی، آپ نے فرمایا کہ تو نے جس وقت لاٹھی ماری تھی میں نے اسی وقت تجھ کو معاف کر دیا تھا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا، تو فرمایا، اس لئے کہ اس کو گناہ کا بدلہ ملے گا اور مجھے اس کے معاف کر دینے سے ثواب۔ مگر اب جب اس نے معافی مانگ لی اور اسے اپنی غلطی پر ندامت ہوئی تو عند اللہ اس کا گناہ بھی معاف ہو گیا۔

(امام غزالی کیمیائے سعادت ص: ۴۰۷)

حضرت ابوالحسن نوریؒ اور ایک چور

معروف صوفی حضرت ابوالحسن نوریؒ ایک دن غسل کرنے کے واسطے پانی (حمام، ندی وغیرہ) میں داخل ہوئے کپڑے اتار کر ایک طرف رکھ دیے۔ اسی دوران ایک چور آیا اور کپڑے اٹھا کر چلتا بنا۔ حضرت پانی میں ہی کھڑے رہے۔ اللہ کریم اپنے بندوں کو مشکلات سے نکالنے کا خود انتظام فرماتا ہے۔ وہ ایسے راستے اور اسباب پیدا فرمادیتا ہے جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں وہ ان کے لئے کافی ہو رہتا ہے۔ چنانچہ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہی چور کپڑے لے کر لوٹ آیا۔ اس کا دایاں ہاتھ شل ہوچکا تھا۔ کپڑے آپ کے سامنے رکھتے ہوئے آپ سے معافی کا خواستگار ہوا۔ آپ نے معافی دیتے ہوئے بارگاہ ایزدی میں اس کے حق میں یوں دعا کی "اے میرے پروردگار اس آدمی نے میرے کپڑے مجھے واپس لوٹا دیے ہیں۔ اب تو بھی اس کا ہاتھ اس کو واپس عطا فرمادے" آپ کی دعا قبول ہوئی اللہ کریم نے اس چور کے ہاتھ کو اسی وقت واپس کردیا یعنی تندرست فرمادیا اور اس نے سلام کرتے ہوئے اپنی راہ لی۔

(حافظ ابو نعیم اصفہانی: حلیۃ الاولیاء: ۱۰: ۱۵۱ مطبوعہ مصر ۱۹۳۸ء)

حضرت مالک بن دینارؒ اور ایک یہودی

ایک مرتبہ کسی یہودی کے مکان کے قریب آپ نے کرایہ پر مکان لے لیا اور آپ کا حجرہ یہودی کے دروازے سے متصل تھا۔ چنانچہ یہودی نے دشمنی میں ایک ایسا پرنالہ بنوایا جس کے ذریعے پوری غلاظت آپ کے مکان میں ڈالتا رہتا اور آپ کی نماز کی جگہ نجس ہوجاتی۔ بہت عرصہ تک وہ یہ عمل کرتا رہا۔ لیکن آپ نے کبھی شکایت نہیں کی۔ ایک دن اس یہودی نے خود ہی آپ سے عرض کیا کہ میرے پرنالے کی وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں آپ نے فرمایا کہ پرنالہ سے جو غلاظت گرتی ہے اس کو جھاڑو دے کر روزانہ دھو ڈالتا ہوں اس لئے مجھ کو کوئی تکلیف نہیں۔ یہودی نے عرض کیا کہ آپ کو اتنی اذیت برداشت کرنے کے بعد بھی کبھی غصہ نہیں آیا۔ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ جو لوگ غصہ پر

قابو پالیتے ہیں نہ صرف ان کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں بلکہ انہیں ثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔ یہ سن کر یہودی نے عرض کیا کہ یقیناً آپ کا مذہب بہت عمدہ ہے کیونکہ اس میں معاندین کی اذیتوں پر صبر کرنے کو اچھا کہا گیا ہے اور آج میں سچے دل سے اسلام قبول کرتا ہوں۔

(شیخ فریدالدین عطار، تذکرۃ الاولیاء (اردو) ص: ۳۰)

خواجہ اجمیریؒ اور کرائے کا قاتل

خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کی طبیعت میں حلم وعفو کی درویشانہ صفات درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھیں۔ ایک بار ایک بدظن آدمی حضرت خواجہ صاحبؒ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا، حضرت خواجہ صاحبؒ کو اس کا علم نور باطن سے ہو گیا، لیکن وہ شخص جب نزدیک آیا تو بہت ہی اخلاق سے پیش آئے، اور اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ جس ارادہ سے آئے ہو اس کو پورا کرو، یہ سنتے ہی وہ شخص کانپنے لگا اور سر بسجود ہو کر عاجزی سے بولا کہ مجھے لالچ دے کر آپ کو ہلاک کرنے کو بھیجا گیا تھا، یہ کہہ کر چھری نکالی اور سامنے ڈال دی، پھر قدم مبارک پر گر کر کہنے لگا کہ آپ مجھے اس کی سزا دیجیئے، حضرت نے فرمایا کہ ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی بدی بھی کرتا ہے تو ہم اس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں تم نے میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی یہ کہہ کر اس کیلئے دعائیں کیں، وہ آدمی بہت متاثر ہوا اور اسی وقت سے خدمت میں رہنے لگا۔ اور حضرت کی بدولت اس کو ۴۵ بار زیارت بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور اسی مقدس سرزمین میں پیوند خاک بھی ہوا۔

خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کے پاس اس دیار غیر میں سب سے بڑا اور مؤثر ہتھیار یہی تیغ اخلاق تھی جس نے اہل ہند کے قلوب کو فتح کیا اور "سلطان الہند" کے لقب کا تاج ان کے سر پر سجایا۔ اسی حسن اخلاق سے اپنے پرائے سب ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے گئے اور خواجہ صاحبؒ نے ان کا رخ بت خانوں سے مساجد کی طرف موڑ دیا۔

(سیر الاقطاب (اردو) ص: ۱۴۹ - ۱۵۰ طبع نفیس اکیڈمی کراچی)

حضرت خیر النساجؒ اور ریشم باف

آپ کا اصل نام محمد بن اسماعیل تھا مگر آپ کو خیر النساج کہتے تھے (م ۳۲۲ھ) اس کا سبب یہ تھا کہ ایک مرتبہ جب آپ اپنے وطن سے سامرہ چلے گئے توحج کے ارادہ سے آپ کا گزر کوفہ سے ہوا۔ شہر کے دروازہ پر ایک ریشم باف نے پکڑلیا کہ تو میرا غلام ہے اور تیرا نام خیر ہے۔ لہذا میں تمہیں یہاں سے ہر گز جانے نہ دونگا۔ آپ نے اس بات کو حق تعالی کی طرف سے سمجھا اور اس آدمی کی مخالفت نہ کی اور کچھ مدت تک اس کا کام کرتے رہے۔ جب وہ شخص آپ کو یاخیر کہہ کر پکارتا تو حضرت شیخ اس کو لبیک کہہ کر جواب دیتے یہاں تک کہ وہ شخص اپنے کئے پر پشیمان ہو گیا۔ اور آپ سے کہنے لگا آپ جائیے میں نے غلطی کی تھی۔ آپ میرے غلام نہیں۔ آپ چلے گئے۔ اور مکہ شریف پہنچ گئے اور اس درجہ پر پہنچے کہ حضرت جنید نے فرمایا کہ خیر ہم سے اچھے ہیں۔ آپ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ لوگ آپ کو خیر کہہ کر پکاریں۔ اور فرماتے کہ یہ بات روا نہیں کہ جب ایک مسلمان نے میرا نام خیر رکھا تو میں اس کو بدل دوں۔

(الف) رسالہ قشیریہ (اردو) ص: ۱۷۷

(ب) کشف المحجوب (ترجمہ) ص: ۲۲۸

شیخ سیف الدین باخرزیؒ کی اپنے بدخواہ کے ساتھ نیکی

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ تارانی نام کا ایک بادشاہ تھا۔ جسے لوگوں نے ہنگامہ کر کے مار ڈالا۔ تارانی بادشاہ کو شیخ سیف الدین باخرزیؒ سے بڑی محبت تھی۔ اس کے مارے جانے کے بعد کسی دوسرے کو بادشاہ بنادیا گیا اس بادشاہ کا جو پہلے بادشاہ کی جگہ بیٹھا تھا، کا ایک چغل خور نجومی مقرب بن گیا۔ یہ چغل خور نجومی شیخ سیف الدینؒ سے عداوت رکھتا تھا۔ جب اسے بادشاہ سے بات کہنے کا موقعہ ملا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری حکومت قائم رہے تو شیخ سیف الدین کو درمیان سے ہٹادو کیونکہ حکومتوں میں سب تغیر و تبدل انہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہ الفاظ سننے کے بعد بادشاہ نے اس نجومی کو کہا کہ تم خود جاؤ اور جس طرح ممکن ہو شیخ کو میرے پاس لاؤ۔ نجومی گیا اور انہیں بادشاہ کے سامنے لاحاضر کیا۔ مگر وہ بڑی بے ادبی سے شیخ کو لایا اس نے ان کی گردن میں دستار ڈالی یا ان کے ساتھ اس طرح کی کوئی اور تحقیر آمیز حرکت کی۔ الغرض جب شیخ سیف الدینؒ اس طرح لائے گئے۔ جیسے ہی بادشاہ کی نظر ان پر پڑی معلوم نہیں اسے کیا دکھایا گیا کہ وہ اسی دم تخت سے نیچے اتر آیا۔ اور انتہائی معذرت کے ساتھ شیخ کے ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔ اس نے گھوڑ اور دوسرے بہت سے تحفے خدمت میں پیش گئے اور معافی طلب کی۔ اس نے کہا کہ میں نے آپ کو اس طرح لانے کیلئے نہیں کہا تھا۔ مختصراً شیخ بادشاہ کے ہاں سے لوٹے اور اپنے مکان میں آگئے۔ دوسرے روز بادشاہ نے اس چغل خور نجومی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے شیخ کی خدمت میں بھجوایا اور انہیں یہ کہلوایا کہ میں نے اس نجومی کے قتل کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ اب میں اسے آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں آپ اسے جیسے چاہیں قتل کریں۔ شیخ سیف الدین نے جیسے اس چغل خور نجومی کو دیکھا فی الفور اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے۔ اور جو کپڑے وہ خود پہنے ہوئے تھے اسے پہنائے۔ آپ نے اس سے کہا کہ آج تم وعظ میں میرے ساتھ چلو۔ اس دن پیر تھا۔ شیخ وعظ کیلئے مسجد میں آئے اور اس نجومی کو اپنے ساتھ لائے۔ وعظ کیلئے وہ منبر پر گئے اور یہ شعر پڑھا

آنانکہ بجائی من بدیہا کردند
گردست دہد بجزنکوئی نکنم

(وہ لوگ جنہوں نے میرے ساتھ ہمیشہ برائی کی تھی۔ اگر میرے ہاتھ میں اختیار آیا تو میں بجز نیکی کے ان کے ساتھ اور کوئی سلوک نہیں کروں گا۔

(فوائد الفواد ص: ۴۵۷، ۴۵۸)

امام عاصمؒ کی بردباری

ایک بزرگ حلم و بردباری کی صفت کے حامل تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ نے یہ نعمت کہاں سے حاصل کی؟ بزرگ نے کہا میں نے یہ چیز اپنے استاد صاحب قرأت امام عاصمؒ سے اخذ کی ہے ان سے کہا گیا کہ امام عاصمؒ کے اوصاف حلم میں کچھ بتایئے۔ انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ امام عاصمؒ آبادی سے دور ایک صحرا میں تھے۔ وہاں ایک بدتمیز آدمی ان سے بدتمیزی کے ساتھ پیش آیا اور انہیں نازیبا باتیں کیں۔ امام عاصمؒ نے نہ تو اس سے کچھ کہا اور نہ اس کی باتوں کا جواب دیا۔ وہ بدتمیز آدمی برابر ان کا پیچھا کرتا رہا اور اسی طرح نازیبا باتیں کہتا رہا۔ یہاں تک وہ شہر کے نزدیک پہنچ گئے۔ جب امام عاصمؒ لوگوں کے بیچ میں آئے تو انہوں نے اپنا منہ اس بدتمیز کی طرف کر کے کہا۔ اے خواجہ لوٹ جاؤ۔ یہاں میرے بہت سے دوست اور جاننے والے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری بدتمیزی کی یہ باتیں سن لیں اور تمہیں ایذا پہنچائیں۔

اس کے بعد اس بزرگ نے امام عاصمؒ کی بردباری و حلم کا ایک اور واقعہ سنایا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک دفعہ میں اور چند دوسرے شاگرد ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ اور ان سے کچھ پڑھ رہے تھے۔ وہ وضاحت فرماتے جاتے تھے اور ہم ان سے استفادہ کرتے جاتے تھے۔ امام عاصمؒ اس وقت ایک چادر لپیٹے بیٹھے تھے۔ وہ چادر انہوں نے اپنی کمر اور زانوں پر لپیٹ رکھی تھی اور اس طرح بیٹھے ہمیں مستفید فرما رہے تھے۔ اسی دوران ایک آدمی نے کہا۔ آپ کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کس نے قتل کیا ہے؟ بتایا گیا کہ آپ کے چچازاد بھائیوں نے۔ اس کے اور ان کے درمیان دشمنی تھی۔ اور اس کی دشمنی کی بنا پر انہوں نے اسے مار ڈالا۔ امام عاصمؒ نے کہا جاؤ فلاں آدمی سے کہو کہ وہ نماز جنازہ پڑھا دے۔ اور پھر فلاں جگہ اسے دفن کر دو۔ امام عاصمؒ نے یہ تین کلمات کہے اور پھر وہ شاگردوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور ان سے کہا ہاں تم کیا پڑھ رہے تھے۔ چلو پڑھو۔ اس بزرگ کا کہنا ہے کہ ہم نے اس واقعہ کی وجہ سے ان کے چہرے پر کوئی تغیر نہیں دیکھا۔ تغیر پیدا ہی نہیں ہوا۔ چنانچہ وہ چادر جو انہوں نے اپنی کمر اور زانوں کے ارد گرد لپیٹ رکھی تھی۔ اسی طرح لپیٹے رکھی۔ اسے اپنے آپ سے جدا نہیں کیا۔ جس طرح بیٹھے ہوئے تھے بیٹھے رہے۔ اپنی ہیئت نہیں بدلی اور پہلے کی طرح سبق پڑھانے میں مصروف ہو گئے۔

(فوائد الفؤاد ص: ۲۵۴)

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور مخالفین ودشمنان

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہی خود فرماتے ہیں:

میں جس زمانے میں اپنے خواجہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں رہتا تھا تو وہاں چھ یا سات درویش آ گئے۔ وہ سب کے سب جواں، نو عمر اور خوبصورت تھے اور شائد خواجگان چشت رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے خانوادہ طریقت سے وابستہ تھے۔ انہوں نے شیخ کبیر شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ سے عرض کیا کہ ہمارے آپس کے کچھ شکوہ شکایات ہیں آپ اپنے کسی مرید کو حکم دیں کہ وہ ہمارے یہ شکوے سنے۔ حضرت شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جاؤ اور ان کے شکوے سنو۔ اسی طرح بدرالدین اسحاق سے بھی کہا الغرض ان میں سے ایک درویش دوسرے سے اپنی شکایت بیان کرنے لگا۔ اور حد درجے کی نرمی ولطافت سے یوں گویا ہوا کہ اس روز آپ نے یہ ارشاد فرمایا اور میں نے یوں عرضداشت کی پھر آپ نے یوں فرمایا اور مجھے معلوم نہیں کہ میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکا۔ یا میں نے غلط جواب دیا اس کا ساتھی بھی اسی طرح اس کی باتوں کا نرمی سے جواب دینے لگا۔ اس نے اس سے کہا کہ آپ نے یوں فرمایا تھا۔ میں غلطی پر تھا۔ آپ حق پر تھے۔ مختصر یہ کہ وہ اسی طرح اور اسی انداز سے گفتگو کرتے رہے۔ میں اور بدرالدین اسحاق ان کی خوش گفتاری سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہم پر رقت طاری ہو گئی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ہمیں تعلیم دینے کیلئے بھیجے گئے ہیں۔ کہ آپس کے گلے شکوے اس طرح بیان کرنے چاہیں۔

بعدازاں حضرت خواجہ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ شکایات و باہمی معاملات کا ذکر اس طرح کرنا چاہیے کہ آدمی کی گردن کی رگ نہ ابھرے یعنی غصے اور تعصب کا اثر ظاہر نہ ہو۔ اس کے بعد آپ نے تحمل و بردباری اختیار کرنے پر بہت زور دیا اور فرمایا جو شخص بھی جفا اور سختی برداشت کرتا ہے وہ بہتر ہے۔ جفا اور سختی جس شخص کی طرف سے بھی ہو سہہ لینی چاہیے اور اس کا بدلہ لینے کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے۔ اس موقع پر آپ کی زبان مبارک سے یہ دو مصرعے ارشاد ہوئے

ہر کہ مارا یار نبود ایزد اور ایار باد
وآنکہ مارارنج داد راحتش بسیار باد

(ہر وہ شخص جو ہمارا یار ومددگار نہیں اللہ اس کا یار و مددگار ہو اور جس نے ہمیں تکلیف دی

ہے۔ اس کو بہت راحت و آرام ملے)

بعد ازاں آپ نے یہ شعر ارشاد فرمایا

ہر کہ او خارے نہد در راہ ما از دشمنی

ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

(جو شخص ازراہ دشمنی ہمارے راستے میں کانٹے رکھتا ہے۔ خدا کرے اس کے باغ عمر کا ہر کھلنے والا پھول کانٹوں سے محفوظ رہے)

ساتھ ہی آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے راستے میں کانٹا رکھا اور تم نے بھی کانٹا رکھ دیا اس طرح تو راستے میں کانٹے ہی کانٹے ہوجائیں گے۔ یہ کلمات ارشاد کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ عام لوگوں میں یہ ہوتا ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھے رہو اور ٹیڑھوں کے ساتھ ٹیڑھے۔ لیکن درویشوں کا یہ اصول ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھے اور ٹیڑھوں کے ساتھ بھی سیدھے۔

(فوائد الفواد (اردو) ص: ۱۹۲ تا ۱۹۴)

خواجہ نظام الدینؒ کا عام معافی کا اعلان

اخلاص و فنائیت اور بے نفسی کے اس مقام پر پہنچ کر سالک کے دل سے رنج و شکایت انتقام کا جذبہ اور ایذا کی صلاحیت ہی ختم ہوجاتی ہے۔ وہ نہ صرف آشنا پرور دوست نواز ہوتا ہے بلکہ دشمن کا احسان مند اور دشمن کے حق میں دعا گو بن جاتا ہے۔ گویا دشمنی کوئی احسان ہے کوئی نادر تحفہ اور زخم دل کا مرہم ہے۔ جس پر بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے۔ اور منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ امیر علاؤ سجزی راوی ہیں کہ حضرت نے ایک مرتبہ یہ مصرعہ پڑھا ترجمہ (جو ہم کو رنج دے خدا اس کو بہت راحت پہنچائے) سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی فرماتے تھے کہ حصار مندرپت میں (جو موضع غیاث کے قریب ہے) جھجھو نامی ایک شخص تھا جس کو بے وجہ حضرت سے دشمنی تھی۔ برا بھلا بھی کہتا رہتا تھا۔ اور آپ کو تکلیف وایذا پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا۔ اس کا انتقال ہوگیا۔ حضرت شیخ نے اس کے جنازے میں شرکت کی دفن کے بعد آپ نے اس کیلئے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا فرمائی کہ خدایا! اس شخص نے جو کچھ کہا ہو یا برا سوچا ہو۔ میں نے اس کو بخش دیا تو

میری وجہ سے اس کو سزا نہ دینا۔

ایک مرتبہ حاضرین میں سے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ بعض آدمی جناب والا کو منبر پر اور دوسرے موقعوں پر برا بھلا کہتے ہیں۔ ہم سے سنا نہیں جاتا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا میں نے سب کو معاف کیا تم بھی معاف کردو اور ایسے آدمی سے جھگڑا نہ کرنا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اگر دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو اس رنجش کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے باطن کو عداوت سے خالی کرے۔ دوسرے کی طرف سے بھی آزار کم ہوجائے گا۔ فرمایا آخر لوگ برا بھلا کہنے سے کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ صوفی کامل کا مال وقف ہے اور اس کا خون روا۔ جب معاملہ یہ ہے تو کسی برا بھلا کہنے والے سے کیوں جھگڑا کیا جائے۔ ایک دن فرمایا کہ دنیا کا عام اصول تو یہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ نیکی اور بدوں کے ساتھ بدی کی جائے لیکن مردان خدا کا اصول یہ ہے کہ بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دیا جائے۔

(فوائد الفواد ص: ۲۱۱-۲۱۲)

حضرت زکریا ملتانیؒ اور چند قلندر

حلم و بردباری حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کا امتیازی وصف تھا، ایک دفعہ گدڑی پوش قلندروں کی ایک جماعت نے آپ کے پاس آکر مالی مدد مانگی، آپ نے اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ قلندروں نے یہ دیکھا تو گستاخی شروع کی اور اینٹ پتھر سے آپ کو مارنے لگے، آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کردو۔ اب قلندروں نے دروازے پر پتھر مارنے شروع کیے، تھوڑی دیر بعد ارشاد فرمایا کہ دروازہ کھول دو۔ میں اس جگہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا بٹھایا ہوا ہوں۔ خود آکر نہیں بیٹھا۔ خادم نے دروازہ کھول دیا۔ قلندر اپنے قصور پر نادم ہوئے اور آپ سے معافی چاہی۔

(تذکرہ صوفیائے پنجاب بحوالہ سیر العارفین ص: ۱۲۳)

صاحب السیر محکم الدینؒ اور ایک چرواہا

اسی طرح صاحب السیر محکم الدین قدس سرہ کو سفر حج میں ایک بے وقوف چرواہے نے ایک کنویں کے کنارے ایک بڑے موٹے اور سخت ڈنڈے کے ساتھ مارا جو کہ آپ کے سر پر لگا اور آپ کا سر مبارک زخمی ہوگیا اور بے ہوش ہوگئے۔ جب آپ کا خادم وہاں پہنچا تو اس نے چرواہے کو لعنت ملامت کی اور کہا کہ یہ صاحب السیر محکم الدین ہیں۔ تب چرواہا شرمندہ ہوا اور معافی چاہنے لگا۔ آپ نے معاف کردیا نیز اس پر ایسی نظر ڈالی کہ وہ بارگاہ الٰہی کے واصلوں میں سے ہوگیا۔ اس موقع پر آپ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا۔

قولہ تعالیٰ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین

(اور جو غصے کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالی احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے)

(نافع السالکین اردو ترجمہ (ملفوظات خواجہ سلیمان تونسویؒ ص:۹۳)

سید اسحاق گازرونیؒ اور ایک گستاخ مالدار

سید اسحاق گازرونیؒ کے آئینہ اخلاق میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ ان کا غیر معمولی حلم ہے۔ تحفة الواصلین میں ہے کہ لاہور کا ایک متمول شخص آپ کی خدمت میں آیا، لیکن شیخ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے وہ نہایت برہم ہوکر آپ کو گالیاں دینے لگا، لیکن آپ خاموش رہے یہاں تک کہ چہرے پر کسی قسم کی خفگی کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔ جب وہ شخص بہت دیر تک آپ کو برا بھلا کہتا رہا تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے آپ سے کہا کہ یہ بدتمیز اتنی دیر سے آپ کی شان میں گستاخی کررہا ہے آپ اس کے لئے بددعا فرمائیں تاکہ یہ اپنے کیفر کردار تک پہنچے۔ آپ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور کچھ دیر تک آہستہ آہستہ دعا فرماتے رہے، ابھی آپ دعا ختم نہ کر پائے تھے کہ وہ بے ادب زمین پر بے ہوش ہوکر گرا اور تقریباً دو گھنٹے بعد جیسے ہی ہوش میں آیا اٹھ کر شیخ کے قدموں میں جا گرا، معافی چاہی اور شیخ کا مرید ہوگیا۔

پھر آپ نے حاضرین مجلس سے خطاب فرمایا۔ میں نے اس شخص کے حق میں دعا خیر کی تھی۔ خدا تعالی نے اس کو نیک توفیق بخشی اور اس پر اسرار باطن عیاں ہوگئے۔ یہ بہتر

ہے یا وہ بہتر تھا کہ میں اس کیلئے بددعا کرتا اور یہ اپنی سزا کو پہنچتا۔
(تذکرہ صوفیائے پنجاب بحوالہ سیر العارفین ص: ۷۱)

شیخ علاء الحق اور ایک گستاخ گالی دہندہ

شیخ نور الحق فرماتے ہیں کہ ایک شخص ان کے والد شیخ علاء الحق کے پاس آیا، اور ان کو گالیاں دینے لگا۔ وہ خاموشی سے سنتے رہے، لیکن جب اس نے ان کو خدا کا چور کہا تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑلیا اور فرمایا ہم خدا کے ساتھ ہیں، اور خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اس شخص نے کہا یہ زمین حرام ہے اس پر بھی ان کو غصہ نہیں آیا، اور اس سے بدسلوکی کرنے کے بجائے اس کیلئے دستر خوان بچھوایا اور اس کو کھانے کو کہا، لیکن اس نے کہا دستر خوان پر گوشت مینڈک کا ہے، ہم نہیں کھاتے، جب اس نے نہیں کھایا تو والد صاحب نے اس کو کچھ اشرفیاں دیں جن کو لے کر وہ چلا گیا، وہ جاچکا تو صرف اتنا کہا کہ اس درویش نے بڑا شور مچایا۔
(اخبار الاخیار بحوالہ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ص: ۱۴۶)

حضرت چراغ دہلوی اور ایک قلندر

حضرت چراغ دہلوی مہر محبت کا مجسمہ تھے۔ ان کے اخلاق کی بلندی کا اندازہ لگانے کیلئے صرف ایک واقعہ بیان کردینا ہی کافی ہے۔ تکملہ خیر المجالس میں لکھا ہے:

"ایک دن ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ جماعت خانہ سے حجرہ خاص میں تشریف لے گئے۔ حضرت کوئی دربان نہیں رکھا کرتے تھے۔ ان کے خادم خاص ان کے بھانجے شیخ زین الدین علی تھے۔ وہ بھی کبھی خلوت میں موجود ہوتے تھے کبھی نہ ہوتے تھے۔ شیخ مشغولی کی حالت میں تھے۔ کہ ایک بیباک قلندر تراب نامی خلوت میں آپہنچا۔ اس کے پاس ایک چاقو تھا۔ شیخ پر چاقو سے وار کرنے شروع کئے اور ان کے جسم مبارک پر بارہ زخم لگائے۔ حضرت استغراق کی حالت میں تھے۔ مطلقاً بچاؤ نہیں کیا۔ وہاں ایک نالی تھی۔ خون مبارک اس نالی سے باہر نکلنا شروع ہوگیا۔ کچھ مریدوں نے دیکھا تو اندر آئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بے باک قلندر چاقو کے وار کررہا ہے اور آپ جنبش تک نہیں کرتے۔ مریدوں نے چاہا کہ اس بدبخت کو سخت ایذا پہنچائیں۔ حضرت نے گوارا نہ کیا اور اسے نہ چھوڑا۔ مبادا کوئی کسی طرح سے اسے کوئی تکلیف پہنچائے عبدالمقتدر تھانیسری جو کہ

مریدان خاص میں تھا، اور شیخ صدر الدین طبیب اور شیخ زین الدین علی کو اپنے پاس بلایا اور قسم دی کہ کوئی قلندر کو ضرر نہ پہنچائے۔ اور بیس تنکہ اس کو انعام دیا اور فرمایا کہ شاید چاقو مار نے میں ہاتھ میں کچھ تکلیف پہنچی ہو۔ سبحان اللہ اہل بصیرت کو ان کی حسن سیرت معلوم ہو کہ زندگی میں تسلیم و رضا کا کیا درجہ رکھتے تھے۔

(تاریخ مشائخ چشت ج:اول ص:۳۳۸ تا ۳۴۰ ادارہ اسلامیات لاہور)

شاہ کلیم اللہ دہلویؒ اور مخالفین

شاہ صاحبؒ نہایت حلیم الطبع اور خوش مزاج انسان تھے۔ جب کوئی شخص جس کو ان کی ناراضگی کا خیال ہوتا۔ معذرت کا خط لکھتا تو اس انداز میں جواب دیتے کہ سن کر اس شعر کی جیتی جاگتی تصویر بن جاتے۔

نارسائی سے دم رکے تو رکے　　　میں کسی سے خفا نہیں ہوتا

وہ دشمنوں اور مخالفوں سے بھی کبھی ناراض نہ ہوتے تھے۔ جب کسی سے تکلیف پہنچتی تو زبان پر یہ اشعار جاری ہوجاتے

ہر کہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد　　　ہر کہ مارا یار نبود ایزد اور ا یار باد

ہر کہ خارے نہد در راہ ما از دشمنی　　　ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

اپنے مریدوں کو بھی یہی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ کہ لوگوں کی جفا و قضاء برداشت کریں اور لب نہ ہلائیں۔ کہتے تھے کہ ہمارا کام دلوں کو ایک جگہ کرنا ہے۔ اس میں جتنی بھی مشکلات پیش آئیں ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے دکن میں ایک بار کچھ لوگوں نے ان کو برا بھلا کہا۔ شاہ نظام الدین نے اس کی اطلاع ان کو دی تو جواب میں ارشاد فرمایا

"کوئی شخص ہمیں برائی سے یاد کرتا ہے (تو ہمیں اس سے کوئی شکایت نہیں اس لئے کہ) ہم اس سے زیادہ برائی کے مستحق ہیں۔ اس نے لطف کیا اور ہمیں کم گالیاں دی۔ ہم نے اسے معاف کردیا۔ تم بھی اسے معاف کردو۔ (تاریخ مشائخ چشت ص:۳۸۸۔ ۳۸۹ بحوالہ مکتوبات کلیمی)

مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ اور ایک چور

ایک بار سلطان فیروزشاہ تغلق (۷۵۲-۷۲۱ھ/۱۳۸۸-۱۳۵۱ء) سے ملنے کیلئے حضرت سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت دہلی آئے تو ان کی قیام گاہ سے کسی نے

چادر چرالی، ایک معتقد نے کہا کہ چور کیلئے آپ بددعا کریں، بار بار چیز چرالے جاتے ہیں، فرمایا ہرگز بددعا نہ کروں گا۔ بلکہ چور اگر آجائے تو میں چادر اس کو بخش دوں گا۔ میں نے کبھی کسی کیلئے بد دعا نہیں کی۔ بددعا کرنا کسی درویش یا صوفی کا کام نہیں۔ یہ صوفیاء اس رحمۃ اللعالمین پیغمبر ﷺ کے سچے پیروکار اور متبع سنت تھے جس نے زندگی بھر اپنے رستے میں کانٹے بچھانے والوں کیلئے آنکھیں بچھائیں۔ نازک بدن مبارک پر کوڑا کرکٹ پھینکنے اور پتھر مارنے والوں اور گالیاں دینے والوں کو دعائیں دیں۔ بڑے سے بڑے دشمن اور مخالف کو معاف کردیا۔

(ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ص:۱۳۹)

شاہ فخر دہلویؒ اور اشیاء چھپانے والے

اکثر ایسا ہوا کہ لوگ آپ کے کتب خانے سے کتابیں چرا کر لے گئے کوئی اجنبی شخص ان کو فروخت کرنے کیلئے بھی حضرت ہی کی خدمت میں آگیا تو کبھی آپ نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ یہ کتاب تمہیں کہاں سے ملی ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے کپڑے اور چاقو وغیرہ چرا کر لے گیا۔ چور کا پتہ چل گیا لیکن آپ نے اس کے منہ پر قطعاً اس کا اظہار نہیں فرمایا۔ کشمیر کے صوبے دار بلند خان نے آپ کی خدمت میں ایک ہزار روپے بطور نذر بھیجے لانے والے نے صرف کردیئے۔ بلند خان کو معلوم گیا۔ اس سے پہلے کہ صوبہ دار اس کو سزا دے آپ نے لکھ دیا کہ اسی کی قسمت کے تھے اس سے کچھ نہ کہنا "قسمت او بود ہیچ نگوید"

ایک مرتبہ نواب خیر النساء بیگم ہمشیرہ شاہ عالم نے کچھ ظروف نقدی اور بارہ سو روپے آپ کی خدمت میں روانہ کئے۔ ملازم نے آپ کو اطلاع بھی نہ کی اور اپنے پاس رکھ لئے۔ کچھ مدت کے بعد بیگم کو شبہ ہوا اور ملازم سے رسید طلب کی۔ ملازم سخت حیران اور پریشان ہوا۔ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی چاہی۔ آپ نے فوراً سید احمد کو حکم دیا کہ جو کچھ سامان یہ شخص بیان کرے وہ لکھ دو۔ اس کے بعد مہر لگا کر اس کو دے دی۔ اخلاق کی یہ بلندیاں لوگوں کے دلوں پر اثر کرتی تھیں اور اکثر ان کی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو جاتا تھا۔

(مناقب فخریہ ص:۳۸)

شاہ فخر دہلویؒ اور بدخواہ لوگ

شاہ فخرالدین صاحبؒ کی صحبت جادو کا اثر رکھتی تھی۔ جوان کی خانقاہ میں آجاتا تھا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا جس پر نظر پڑجاتی وہ شکار ہوجاتا۔ جرائم پیشہ لوگ پناہ تلاش کرتے خانقاہ میں آتے اور ولی بن کر نکلتے۔ گردن کشاں تکلیف پہنچانے کی نیت سے آتے اور حلقہ بگوش ہوجاتے۔ ان کا سر پھوڑنے آتے خود اپنا سر پھوڑتے ہوئے جاتے۔ جس طرف نظر اٹھ جاتی اپنا کام کرجاتی۔

ایں نگاہ است کہ سطح فلک در گزرد پردہ دل چہ بود پردہ افلاک درد

ایک شخص ایذا دینے کی نیت سے آپ کے پاس آیا۔ لیکن یہاں آکر ازخود رفتہ ہوگیا اور نعرہ لگانے لگا "رہزن دل ہمیں است" ایک قاتل اپنی جان بچانے کیلئے آپ کی خانقاہ میں آیا۔ چند ہی روز میں اس کا یہ حال ہوگیا کہ

در ہر کہ نظر می کرد حالتش متغیر می شد

ایک مرتبہ دس افغانی آپ کو شہید کرنے کی نیت سے قطب صاحب میں جمع ہوئے۔ لیکن جب نگاہیں ملیں تو عالم بدل گیا۔ مناقب فخریہ کے مصنف نے لکھا ہے:

نگاہت دشمناں رادولت کردہ اثر بادر رگ و در پوست کردہ

کہ آرے خلیلے ربت خانہ کنی آشنانے زبیگانہ

(تاریخ مشائخ چشت ص: ۱۹۴ بحوالہ مناقب فخریہ)

شیخ ابوطاہر حرمیؒ اور ایک بدزبان آدمی

شیخ ابوطاہر حرمیؒ ایک بار بازار میں جارہے تھے۔ ایک شخص نے ان سے کہا اے پیر زندیق کہاں جاتا ہے؟" ان کے ایک مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا مگر انہوں نے روک دیا، اور جب گھر آئے تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے۔ جن میں ان کو کسی میں شیخ زکی کسی میں شیخ زاہد، کسی میں شیخ الاسلام اور کسی میں شیخ الحرمین کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا اور فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے کہتا ہے۔ مگر یہ سب اسم نہیں ہیں۔ القاب ہیں کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کیلئے جھگڑا کیوں کیا جائے۔

(بزم صوفیہ ص: ۱۷)

پیر غلام حیدر شاہؒ اور مخالفین

پنجاب میں خواجہ شمس العارفین سیالوی کے محبوب خلیفہ پیر غلام حیدر کا نام محتاج تعارف نہیں۔ شاہ صاحب مجسمہ اخلاق تھے، نہایت رقیق القلب اور نرم دل تھے، کبھی کسی پر خفا ہوتے تو صرف اس قدر فرماتے، نیک بختا! تو نے یہ کیا کیا، پھر اسے آزردہ نہ ہونے دیتے فرمایا کرتے تھے

مباش در پے آزار ہر چہ خواہی کن　　　کہ در طریقت ما غیر ازیں گنا ہے نیست

ایک شخص مرزا خاں نامی آپ کا سخت مخالف تھا، جب اس کی شرارتیں حد سے زیادہ بڑھیں تو لوگوں نے آپ سے بیان کیا۔ شاہ صاحب نے اسے برا بھلا نہیں کہا۔ اس کیلئے کوئی بددعا نہیں کی۔ کوئی انتقام لینے کا نہیں سوچا بلکہ آپ نے فرمایا "دعا کرو کہ خدا تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔

اگر چاہتے تو اس کی گستاخیوں کا مزہ اسے چکھا سکتے تھے۔ ایک اشارہ فرماتے تو عقیدت مند اس کی بوٹی بوٹی کر دیتے۔ مگر یہ ان کے مشائخ کا طریقہ نہیں تھا۔ برائی کا بدلہ برائی سے دینا مردانگی نہیں مردانگی یہ ہے کہ انسان اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرے جو اس کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔

(اقبال کے محبوب صوفیہ ص:۵۰۶)

خواجہ محمد حامد تونسویؒ اور ایک گستاخ درویش

میاں حافظ احمد جعفر سے منقول ہے کہ آستانہ عالیہ سلیمانیہ میں ایک درویش قیام پذیر تھا۔ خواجہ محمد حامد تونسویؒ (م ۲۳ ذوالحجہ ۱۲۵۰ ھ) جو اس وقت زیب سجادہ تھے، ہمیشہ اس کی خاطر مدارات فرماتے اور بہت خیال رکھتے۔ ایک دفعہ آپ سفر سے واپس تشریف لائے تو میں نے اس درویش سے کہا کہ حضرت خواجہ صاحب قبلہ سفر سے واپس آئے ہیں تم بھی جا کر سلام و قدمبوسی کرو۔ اس نے جواباً آپ کی شان میں چند نازیبا کلمات کہے جو میرے لئے ناقابل برداشت تھے۔ میں نے اسے بہت زیادہ سخت سست کہا۔ یہ بات آپ (خواجہ حامد تونسویؒ) تک پہنچ گئی۔ آپ نے مجھے بلا کر یہ حکایت بیان فرمائی:

"حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے پاس ایک آدمی رہتا تھا۔ آپ کے سامنے تو آپ سے عزت

واحترام سے پیش آتا مگر آپ کی غیر حاضری میں نازیبا کلمات کہتا۔ ایک دن جب وہ آیا تو حضرت خواجہ حسن بصریؒ اس کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو گئے۔ اس نے عرض کیا حضرت میں اس لائق کہاں! فرمایا کہ تم میرے بہت بڑے محسن ہو اس لئے کہ تم ساری رات عبادت کرتے ہو اور دن کے وقت میری شکایتیں کرتے ہو اور مجھے برا بھلا کہتے ہو۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو دوسرے کی غیبت کرتا ہے اس کی نیکیاں دوسرے کے نامہ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں۔ اس حدیث کے مطابق تم میرے محسن ہو اس لئے تمہاری تعظیم کیلئے کھڑا ہوں"

اس حکایت کے بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر وہ درویش میری شکایت کرتا ہے اور مجھے برا بھلا کہتا ہے تو وہ اپنی عبادت کا ثواب مجھے دیتا ہے۔ میں اس کے عوض اگر کھانا کپڑا دیتا ہوں تو کونسی بڑی بات ہے۔ وہ میرا خیر خواہ ہے۔ دشمن نہیں ہے۔ اسے کچھ نہ کہا کرو۔

(پروفیسر افتخار احمد چشتی: تذکرہ خواجگان تونسوی حصہ اول ص: ۱۶۵-۱۶۶ طبع چشتیہ اکیڈمی فیصل آباد- پاکستان ۱۹۸۵ء)

خواجہ ضیاء الدین سیالویؒ اور ایک بدزبان عورت

شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ نے اپنے غیور اور مجاہد والد گرامی کے بارے میں ایک مرتبہ فرمایا: احمد دین لانگری نے بتایا کہ ایک مائی زوجہ فتح محمد یہاں سیال شریف میں رہتی تھی اور حضرت ثالث صاحبؒ کے حق میں سخت سست کہا کرتی تھی۔ میاں امام بخش صاحب جا کر اس کی حویلی والی دیوار پر چہرہ رکھ کر کہتے کہ سیال شریف کے لوگ پیارے ہیں لیکن اپنے مالک کا کتا جو ہوں بھونکنا تو ہے۔ یہ کہہ کر کتے کی طرح آواز نکال کر او او کرتے اور وہ گالیاں دیتی رہتی۔ یہ اسی طرح آواز نکالتے رہتے آخر وہ تنگ آ کر رک جاتی تھی۔ حضرت صاحب کا اس مائی کے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ ایک مٹھی رقم کی بھرپور کر کے اس مائی کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ وہ خاموش ہو کر بیٹھے بیٹھے استقبال کرتی آپ فرماتے بہن کیا حال ہے۔ یہ فرما کر چارپائی پر بیٹھ جاتے اٹھتے وقت وہ رقم وہیں رکھ دیتے۔ لوگ عرض کرتے غریب نواز آپ اس طرح کیوں کرتے ہیں وہ تو ناشائستہ الفاظ کہتی ہے گالیاں دیتی ہے۔ آپ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی ہے۔ اس لئے میں یہ ضرور کرتا رہوں گا۔ خدا اسے ہدایت دیوے کچھ کہتی پھرے۔ جب آپ اس کے گھر سے باہر آتے تو وہ گالیاں بکتی۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا دل دشمنان ہم نکردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام کہ بادوستانت خلاف است جنگ

(انوار قمریہ ص: ۲۷۶-۲۷۷)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا اپنے ایک مخالف کی رہائی کیلئے ڈپٹی کلیکٹر کے پاس جانا

"حضرت صاحبؒ کے اجل الخلفاء حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ بیان فرماتے تھے کہ حضرت صاحب کے فلاں عزیز جو رشتہ قرابت کے بھائی ہوتے تھے۔ نہایت تند خو اور تلخ مزاج تھے اور حضرت صاحب سے دو بدو گستاخانہ و مخاصمانہ گفتگو کرتے تھے۔ غرض حضرت صاحب کو ایذا پہنچانے میں بے باک تھے۔ ایک بار جس زمانہ میں کہ مظفر نگر میں جناب مولوی نصر اللہ خان صاحب (کہ درویش اجازت یافتہ وذی علم بھی تھے) ڈپٹی کلکٹر تھے۔ وہی عزیز مذکور کسی سرکاری سپاہی سے کسی بات پر الجھ گئے اور اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ اس نے شکایت کر دی ڈپٹی صاحب نے طلب کر کے حوالات میں بند دیا اور مقدمہ کی تاریخ مقرر کر دی۔ یہ خبر حضرت صاحب کو تھانہ بھون میں پہنچی۔ حضرت صاحب فی الفور سوار ہو کر مظفر نگر تشریف لے گئے اور ڈپٹی صاحب کے مہمان ہوئے ڈپٹی صاحب بڑی تعظیم سے پیش آئے اور اپنے ایک پیر بھائی کو حضرت صاحب کی خدمت کیلئے متعین فرمایا غرض فرصت کے وقت میں حضرت صاحب نے اس عزیز کی سفارش فرمائی ڈپٹی صاحب کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ آپ ایسے مفسد وموذی کی سفارش کرتے ہیں آپ رہنے دیجیئے۔ یہ بدوں سزا کے نہ مانے گا۔ آپ نے ہمراہیوں سے فرمایا چلنے کی تیاری کرو۔ ڈپٹی صاحب نے قیام پر اصرار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو خاص اسی کام کے واسطے آیا تھا۔ جب آپ نے اس کو منظور نہ فرمایا۔ ہمارا ٹھہرنا بیکار ہے۔ ڈپٹی صاحب آخر عاجز ہوئے اور کہا کہ بہت اچھا میں وعدہ کرتا ہوں ضرور رہا کروں گا۔ اور رہا تو ابھی کر دیتا لیکن اس میں شبہ ہوگا۔ اس لئے ایک ہفتہ کے بعد چھوڑ دوں گا۔ آپ اطمینان فرمائیں۔ حضرت صاحب راضی ہوئے سب تین تیزچ تھا کہ دیکھو پھر حضرت ہی کو ایذا دیگا مگر آپ کو اصلا اس کا خیال نہ تھا"

(کمالات امدادیہ ص: ۳۲ کمال: ۵۱)

پیر مہر علی شاہ اور ایک معاند کی سفارش

مولانا فیض احمد فیض مہر منیر میں پیر مہر علی شاہ کے شمائل و عادات کے باب میں لکھتے ہیں:

مخلصین سے زیادہ معاندین کے ساتھ حسن سلوک کی عادت کریمہ تھی۔ ایک دفعہ ایک صاحب حضرت کی مجلس میں حاضر ہوئے اور ایک روپیہ نذر رکھ کر مناسب مقام پر بیٹھ گئے۔ جب نذر بردار نذر اٹھانے کیلئے آیا تو آپ نے خلاف عادت اسے فرمایا کہ اس روپیہ کو پڑا رہنے دو۔ جب تمام لوگ اپنی حاجات پیش کر کے چلے گئے تو ان صاحب کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ کیسے آئے ہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ فلاں تحصیلدار جو آپ کا مخلص ہے اس کی طرف سفارش نامہ لکھوانا ہے۔ آپ نے کاغذ قلم منگوا کر اپنے ہاتھ سے ان تحصیلدار کی طرف خط لکھ کر انہیں دیا اور ہدایت فرمائی کہ یہ خط انہیں گھر پر جا کر دیا جائے کچہری میں نہیں جب وہ صاحب روانہ ہونے لگے تو فرمایا یہ اپنا روپیہ بھی لیتے جائیں انہوں نے بہت معذرت کی مگر آپ نے اصرار فرمایا۔ چنانچہ وہ روپیہ لے کر چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد میں نے روپیہ کی واپسی کا سبب پوچھنے کی جرات کی۔ فرمایا کہ یہ ہمیشہ مجھے برے الفاظ سے یاد کیا کرتا ہے۔ اور معاند ہے۔ اب ضرورت کے وقت اس نے یہ خیال کر کے روپیہ پیش کیا تھا کہ اس سے سفارش نامہ لکھوانے میں مدد ملے گی میں نے اس لئے روپیہ واپس کر دیا اور سفارش نامہ بھی خود لکھ کر دیا۔

سخاوت بہت پوشیدہ طور پر کرتے۔ ایک دن عصر کی نماز کے بعد مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ملنے والے رخصت ہو کر چلے گئے میں اکیلا پاس بیٹھا تھا۔ مجھے قریب بلا کر ایک کاغذ کی تھیلی دی کہ اس شخص کو دے آؤ جو لنگر کے دروازہ پر کھڑا ہے۔ میں جا کر دے آیا۔ میں اسے پہچانتا نہیں تھا مگر کوئی سفید پوش حاجت مند معلوم ہوتا تھا۔

(مہر منیر ص: ۴۰۳ طبع لاہور)

باب چہارم

دلجوئی و دلداری

حضرت ابن کرینی کی کمال دلجوئی

بیان کیاجاتا ہے کہ جعفر خلدی نے حضرت جنیدؒ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ایک دن میں ابن کرینی کے پاس گیا اس وقت میرے پاس کچھ درہم تھے۔ جو میں انہیں دینا چاہتا تھا اور میرا خیال تھا کہ انہیں میرے متعلق علم نہیں ہے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ درہم لے لیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں اور لینے سے انکار کردیا۔ میں نے پھر عرض کیا اگر آپ کو ان کی ضرورت نہیں تو میں ایک مسلمان ہوں آپ کے لے لینے سے مجھے خوشی ہوگی۔ لہذا آپ مجھے خوش کرنے کی خاطر لے لیں۔

ظاہر ہے صوفیاء کے نزدیک دلجوئی دلداری اور دوسروں کو راحت وسرور پہنچانے سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ ابن کرینی اگرچہ پیسوں کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ صوفی کے پاس بظاہر کچھ بھی نہ ہو تو بھی وہ مال ودولت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ اللہ نے اس کے دل کو غنی بنا رکھا ہوتا ہے۔ اور غنا اور دولت مندی اصل میں دل کی دولت مندی کا نام ہے نہ کہ مال ودولت کا۔ (الغنی غنی النفس) بغیر مانگے اور بغیر حرص ولالچ کے انہیں یہ نذرانہ مل رہا تھا مگر اس کے باوجود انہوں نے درہم کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھا۔ چنانچہ صرف اور صرف یہ کہ دل کو خوش کرنے کیلئے ان دراہم کو قبول کرلیا۔

(ابو نصر سراج طوسی: کتاب اللمع (مترجم) ص: ۲۹۳)

حضرت حاتم اصمؒ اور ایک خاتون کی دلداری

حضرت حاتم اصمؒ کو اصم (بہرا) کہنے کی وجہ بڑی ایمان افروز ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ ایک عورت آپ کے سامنے آئی اور آپ سے مسئلہ دریافت کیا۔ اتفاقاً اس کی ہوا نکل گئی اور وہ بڑی شرمندہ ہوئی۔ آپ نے بلند آواز سے کہا کیا کہتی ہے؟ سنائی نہیں دے رہا۔ میرے کان بہرے ہیں۔ آپ کا یہ کہنا اس لئے تھا کہ وہ شرمندہ نہ ہو۔ آپ نے اس مسئلے کا جواب دیا اور عورت کو یہی معلوم ہوا کہ آپ نے ہوا کی آواز کو نہیں سنا ہے اور جب تک

وہ عورت زندہ رہی۔ آپ نے اپنے آپ کو بہرہ بنائے رکھا اور اسی سبب سے آپ کو اصم کہتے ہیں۔

(الف) (امام ابو لقاسم قشیری: رسالہ قشیریہ (مترجم) ص: ۴۸)

(ب) (شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۲: ۸۸ طبع قاہرہ)

(ج) (تاریخ بغداد للخطیب بغدادی: ۸: ۲۴۴ طبع مصر ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء)

سبحان اللہ کیا حسن اخلاق ہے۔ کتنا حوصلہ ہے۔ ایک خاتون کو وقتی شرمندگی سے بچانے کیلئے کیا حسن تدبیر ہے۔ کوئی عام آدمی ہوتا تو یقیناً خاتون کو اس نازیبا حرکت اور آداب مجلس کے خلاف چیز پر ضرور ڈانٹ پلادیتا۔

خواجہ ذوالنون مصریؒ اور شطرنج کے کھلاڑی

حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ خواجہ ذولنون مصری قدس سرہ العزیز گلی میں جا رہے تھے۔ دو مسلمانوں کو شطرنج کھیلتے دیکھ کر انہیں فرمایا کہ اگر یہی وقت یاد الٰہی یا تلاوت قرآن میں بسر کیا جائے تو کیسا اچھا ہو۔ انہوں نے توجہ ہی نہ کی۔ آپ چند قدم آگے بڑھے۔ تو دل میں خیال آیا کہ کہیں اس بات سے وہ ناراض نہ ہوگئے ہوں۔ مومن کا دل دکھانا ٹھیک نہیں۔ واپس آ کر ان سے معافی مانگی کہ صاحبان! مجھے معاف فرمادیں۔ میں نے یوانہ پن میں کچھ کہہ دیا تھا۔ آپ ناراض تو نہیں ہوئے۔ جب خواجہ صاحب نے معافی مانگی تو جوان شرمندہ ہوئے اور ساری چیزوں سے توبہ کی۔ خواجہ ذوالنون مصریؒ کی یہ تیغ اخلاق ناکام کر چکی تھی۔ ان کے دل خواجہ صاحبؒ کی اس نرمی، محبت اور حسن اخلاق سے اتنا متاثر ہوئے۔ شرم کے مارے پانی پانی ہوگئے۔ اسی وقت شطرنج فضولیات اور دیگر لہو ولعب سے توبہ کی۔ اور ہمیشہ کیلئے پاکباز وصلح بندے بن گئے۔

(افضل الفوائد اردو ترجمہ حصہ اول ص: ۶۲)

خواجہ معین الدینؒ اور اہالیان دہلی کی دلجوئی

جب اینمتش کاہی کا ماشاہ ہوا (۶۳۳-۶۰۷ھ/۱۲۳۵-۱۲۱۰ء) تو وہ اپنی نیاست کے زمانہ میں بزرگان دین خصوصاً خواجگان چشت کا بہت معتقد اور گرویدہ رہا۔

کہاجاتا ہے کہ اس نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء) کے ہاتھ پر بیعت بھی لی۔ ان سے عرفان وطریقت کی علمی و عملی تعلیم آخری وقت تک حاصل رتا رہا، ایک بار حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (م ۶۲۷ھ/۱۲۲۹ء) دہلی آنے تو ان کے دیدار سے مشرف ہونے کیلئے دہلی کے تمام خواص و عام ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن ان کے یہ بھائی نجم الدین صغریٰ ان سے ملنے نہ آئے جن کو سلطان ایلتتمش نے شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور کررکھا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین خود ان سے ملنے گئے۔ اس کے باوجود شیخ نجم الدین صغریٰ ان سے گرم جوشی کے بجائے سرد مہری سے ملے، حضرت خواجہ معین الدینؒ نے یہ محسوس کرکے ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ جب سے ان کے حکم سے حضرت قطب الدین بختیار کاکی دہلی میں مقیم ہوئے ہیں شیخ الاسلام کی عزت و وقعت باقی نہیں رہی ہے۔ تمام لوگ قطب صاحب ہی کی طرف مائل رہتے ہیں۔ کوئی ان کے یعنی نجم الدین صغریٰ کے پاس نہیں آتا۔ حضرت خواجہ معین الدین نے ان کے بار خاطر کے دور کرنے کا یقین دلایا، اور قطب صاحب کے پاس آکر ان کو دہلی چھوڑدینے اور اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا، یہ حکم سن کر دہلی کے تمام باشندے ششدر رہ گئے۔ خود سلطان ایلتتمش دم بخود تھا کہ اس شیخ الاسلام نے اس کے مرشد کے ساتھ زیادتی کی، لیکن اپنے شیخ الاسلام سے بازپرس کرنے کے بجائے اس نے حضرت خواجہ معین الدین سے اس حکم کے بدلوانے کیلئے منت کی، لیکن حضرت خواجہ صاحب نے اس کی بات نہ مانی۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ درویش کی شان یہ ہے کہ درویش سے کسی ایک کی بھی دل آزاری نہ ہو جب دونوں بزرگان دین دہلی سے رخصت ہونے لگے، تو لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ شہر دہلی معرفت کے آفتاب ومہتاب کی تجلیوں سے محروم ہورہا ہے۔ ہر طرف کہرام مچ گیا، تمام اہل شہر ان دونوں بزرگوں کے پیچھے پیچھے چلنے لگے، ان ہی کے جلوس میں سلطان ایلتتمش بھی تھا۔ قطب صاحب کی ذات سے لوگوں کی شیفتگی و فریفتگی کا یہ عالم تھا کہ جس جگہ وہ قدم مبارک رکھتے لوگ اس جگہ کی خاک تبرکاً اٹھا لیتے تھے۔ اور اس طرح آہ وبکا کرتے تھے، جس طرح فراق یار پر عاشق زار کرتے ہیں، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے یہ منظر دیکھا تو ارشاد فرمایا بختیار تم یہیں رہو، میں تم کو اس لئے لے جارہا تھا کہ دہلی میں تمہارے رہنے سے ایک شخص کی دل آزاری ہوتی ہے لیکن دہلی میں تمہارے نہ رہنے سے دہلی کے تمام لوگوں کے دل خراب وکباب ہوں گے۔ جو گوارہ نہیں کیا جاسکتا، اس فیصلہ سے دہلی کے لوگ

پھولے نہ سمائے، خود سلطان ایلتتمش نے خوشی میں بڑھ کر حضرت خواجہ معین الدین کے قدم چومے اور قطب صاحب کے ساتھ خوش خوش دہلی آیا۔

(ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں از سید صلاح الدین عبد الرحمن مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۶۸ء ص: ۳۱-۳۲، سیر الاولیاء ص: ۵۵-۵۴، سیر الاقطاب (اردو) ص: ۱۰، تاریخ دعوت و عزیمت ج: ۳ ص: ۳۲-۳۳، تاریخ مشائخ چشت ص: ۱۵۲-۱۵۳)

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور بیعت عام سے لوگوں کی دلجوئی

مولانا ضیاء الدین برنی (مصنف تاریخ فیروز شاہی) فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق سے چاشت تک آپ کی روح پرور، جاں نواز باتیں سنتا رہا۔ اس روز خاص طور پر بہت کثرت سے لوگ بیعت ہوئے۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ مشائخ متقدمین نے مرید کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ سلطان المشائخ نے اپنی فیاضی و عنایت سے اس کا اذن عام دے دیا ہے اور آپ عام و خاص سب کو مرید کر لیتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں اس بارے میں سوال کروں۔ سلطان المشائخ اپنے کشف سے میرے خطرے پر مطلع ہو گئے فرمایا:

"مولانا ضیاء الدین! تم ہر طرح کی باتیں پوچھتے ہو یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کے آنے والوں کو کیوں مرید کر لیتا ہوں" یہ سن کر مجھ پر لرزہ سا طاری ہو گیا اور میں نے آپ کے قدم لے کر عرض کیا کہ ایک عرصہ سے میرے دل میں اشکال تھا آج بھی یہ وسوسہ آیا تھا اللہ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی۔ آپ نے فرمایا! اب میں تمہارے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ میں مرید کرنے میں کیوں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیتا اور اپنا اطمینان نہیں کرتا، ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں علی سبیل التواتر سن رہا ہوں کہ بہت سے مرید ہونے والے معصیت سے تائب ہو جاتے ہیں، نماز باجماعت ادا کرنے لگتے ہیں، اور ادائے نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں اگر میں بھی شروع ہی سے اس بات کی شرط کروں کہ ان میں ارادت کی حقیقت یعنی انقطاع کلی پایا جاتا ہے یا نہیں اور ان کو توبہ تبرک کا خرقہ (جو خرقہ ارادت کی جگہ پر ہے) نہ دوں تو وہ خیر کی اس مقدار سے بھی جو ان اللہ کے بندوں سے وجود میں آرہی ہے محروم ہو جائیں گے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بغیر اس کے کہ میرے دل میں خیال آئے

یا میں اس کی درخواست ور لتماس کروں، یا کوئی وسیلہ اور سفارش اختیار کروں۔ شیخ کامل ومکمل (شیخ کبیر خواجہ فریدالدین گنج شکر) نے مجھے بیعت لینے کی اجازت دی۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان بڑی عاجزی و درماندگی اور بڑی مسکنت و بیچارگی کے ساتھ میرے پاس آتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی، میں یہ سمجھ کر کہ شاید اس کی بات سچ ہو، اس کو بیعت کرلیتا ہوں، خاص طور پر اس لئے کہ بہت سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ بہت سے بیعت کرنے والے اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آجاتے ہیں (بحوالہ (سیرالاولیاء ص:۳۴۶ فارسی)

(سید ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت و عزیمت:۳:۱۳۹-۱۴۱ طبع لکھنؤ ۱۹۶۳ء)(تاریخ مشائخ چشت:۱:۳۷۶ تا ۳۷۸ طبع ادارہ ادبیات دلی)

خواجہ نظام الدینؒ اور زائرین کی دلجوئی

منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ دوپہر کے وقت حجرے میں سوئے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک درویش آیا۔ اس وقت کوئی چیز موجود نہ تھی۔ اخی مبارک نے اس درویش کو خالی واپس کردیا۔ اسی دوپہر کو خواب میں سلطان المشائخ نے فریدالحق والدین کو دیکھا۔ آپ نے خدمت کرنی چاہی لیکن شیخ کبیر نے فرمایا کہ اگر گھر میں کچھ نہ ہو تو آنے والے کی حسن رعایت سے دلجوئی کرنی چاہیے یہ کون ہے جو درویش کو خستہ دل واپس کرتا ہے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو اخی مبارک خادم کو بلا کر دریافت فرمایا کہ کیا یہاں کوئی آیا تھا۔ جب تحقیق ہوگئی تو آپ خادم پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ آئندہ اگر کوئی آئے تو خواہ میں سویا ہوا ہوں مجھے جگادیا کرو۔

(سیرالاولیاء (مترجم)ص:۱۱۵ ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء مرتبہ امیر خسرو)

خواجہ نظام الدینؒ کی خدمت میں مٹی کا تحفہ

سیرالاولیاء میں ہے: اکثر معمول تھا کہ جو لوگ باہر سے آتے وہ کوئی شیرینی کا تحفہ خرید کر اپنے ساتھ لاتے تھے اور پیش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ اسی ارادہ سے آرہے

تھے۔ ایک مولوی صاحب بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے سوچا یہ لوگ مختلف تحائف پیش کریں گے اور وہ اکٹھا حضرت کے سامنے رکھیں گے۔ خادم سب کو اٹھا کر لے جائے گا۔ کیا پتہ چلے گا کہ کون کیا لایا۔ انہوں نے تھوڑی سی مٹی راستہ سے اٹھا کر کاغذ میں باندھ لی۔ جب سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی چیزیں لا کر سامنے رکھ دیں مولوی صاحب نے بھی اپنی پڑیا سامنے رکھ دی۔ خادم وہ سب چیزیں اٹھا کر لے جانے لگا۔ پڑیا کو بھی اٹھانا چاہا۔ حضرت نے فرمایا۔ اس کو رہنے دو چھوڑ دو یہ میری آنکھ کا سرمہ ہے۔ یہ اخلاق و اعلیٰ ظرفی دیکھ کر ان عالم صاحب نے توبہ کی اور مرید ہوئے۔

(تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم ص: ۱۰۸ ۔ ۱۰۷)

شیخ عثمانؒ اور کھوٹے سکے

آپ (حضرت محبوب الٰہی) نے شیخ عثمانؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ان کے پاس آتا اور کھوٹا درہم دے کر جو کچھ ان کے پاس پکا ہوتا اسے خریدنا چاہتا تو وہ اس سے درہم لے لیتے اگرچہ انہیں پتا ہوتا تھا کہ درہم کھوٹا ہے لیکن وہ خریدار کے منہ پر کچھ نہ کہتے۔ نیز جو کھوٹا درہم لاتا اسے بھی اسی طرح پورا سالن دیتے۔ حتیٰ کہ لوگوں کو گمان ہونے لگا کہ یہ کھوٹے اور کھرے سکے میں امتیاز ہی نہیں کرسکتے۔ چنانچہ بہت سے لوگ آتے اور انہیں کھوٹے درہم دیتے۔ جنہیں وہ کھرا سمجھ کر لے لیتے مگر ان پر ظاہر نہ کرتے۔ اور انہیں سالن دے دیتے۔ جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو انہوں نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور کہا اے خداوند تعالیٰ! تو دوسروں سے زیادہ آگاہ ہے کہ لوگ مجھے کھوٹے درہم دیتے تھے۔ اور میں انہیں کھرا سمجھ کر قبول کرلیتا اور ان کو رد نہ کرتا تھا۔ اگر مجھ سے بھی کھوٹی عبادت عمل میں آئی ہے تو تو اسے اپنی عنایت سے قبول فرمالینا اور اس کو رد نہ کرنا۔

(فوائد الفواد ص: ۹۷ ۔ ۹۸)

حضرت خواجہ فخرالدین دہلویؒ اور متعلقین کی دلجوئی

میر خیرالدین اور میر شفیع الدین دونوں صالح اور متقی ہیں۔ نہایت عزت دار زور فن سپہ گری میں ماہر۔ رات دن مولانا کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں، اور ان سے خاص خدمتیں

متعلق ہیں حضرت اگر کہیں تشریف لے جاتے تو کسی کو بہت کم ساتھ لے جاتے۔ مگر یہ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے۔ اور دعوت کے متعلق حضرت کا یہ اصول تھا کہ جو کوئی آپ کو تنہا بلاتا تو آپ اکیلے تشریف لےجاتے اور اگر ساتھیوں کی تعداد مقرر کردیتا تو جتنی تعداد مقرر کرتا آپ اتنے ہی آدمیوں کو ساتھ لے جاتے یا راستے میں لوگوں سے فرمادیتے کہ تم جاؤ مجھے فلاں جگہ تنہا جانا ہے۔ یا دو ہی صاحب ساتھ جاتے اور دعوت کھانے کیلئے جانے کو دل سے برا جانتے تھے۔

تاہم جب کوئی ایسی درخواست کرتا تو قبول فرمالیتے اور بلانے والے کی خواہش کو اپنی خواہش پر مقدم رکھتے اور ہر معاملے میں مولانا (خواجہ صاحب) کا یہی طریقہ تھا۔ مگر جہاں تکلف نہ ہوتا وہاں بخوشی تشریف لے جاتے اور ذوق شوق سے بیٹھتے۔ شادی میں بھی برابر شرکت فرماتے۔ شادی میں طلبی پر اور غمی میں بغیر بلائے تعزیت کے لئے جاتے اور اپنے ملنے والوں کی جنازے کی نماز کو کبھی فراموش نہ فرماتے۔ اگر ملنے والوں میں ایسا کوئی انتقال کرتا جس کے مکان پر کوئی نہ ہوتا تو اس کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھ کر آتے جس سے صرف سلام دعا ہوتی اس کے ساتھ بھی حضرت مولانا کا یہی عمل ہوتا اور یہ ہم لوگوں کی تربیت کیلئے ہوتا اور اگر ملنے والوں میں کوئی غریب و محتاج ہوتا اور اس کے یہاں شادی ہوتی یا غمی تو اس کی دلجوئی کیلئے بار بار تشریف لے جاتے اور احباب سے فرماتے کہ اس غریب کی دلجوئی کیلئے ضرور جانا چاہیے۔ اور جن لوگوں سے ربط ضبط ہوتا وہاں جانے کیلئے اصرار فرماتے تاکہ اس کا غمگین دل کچھ بہل جائے۔ مطمئن ہوجائے آخر وہ خوش ہوجاتا۔

(فخر الطالبین (ملفوظات شاہ فخرالدین دہلوی مرتبہ سید نورالدین حسین ص: ۵۲-۵۳)

شاہ فخر دہلویؒ اور خاکروب کی عیادت

غریب نوازی اور توسل پروری ایسی تھی کہ حاضر وغائب سب کی حالت پر نظر رہتی۔ جو لوگ عادت کے موافق آتے جاتے اگر ان کو کبھی دیر ہوجاتی تو خود ان کیلئے کوئی نہ کوئی انتظام کردیتے۔ پیر محمد سرکاری خاک روب تھے انہیں دو دن گزر گئے نہیں آسکا تو خود یا کسی دوسرے کو معلوم کرنے کیلئے بھیج دیا اور فرمایا کہ دو دن سے یہاں پیر محمد نظر نہیں آئے۔ خیر تو ہے کیا بات ہے؟ معلوم ہوا بیمار ہے اسی وقت اٹھے اور اس کے مکان پر گئے۔ بہت

مہربانی سے پیش آئے۔ حال دریافت کر کے کچھ نقد رقم اس کو مرحمت فرمائی اور سید احمد سے کہا کہ سرکاری دواخانہ سے دوا آنا چاہیے اور کہا کہ سرکاری طبیب میر حسین صاحب سے ان کا باضابطہ علاج کرایا جائے۔ پھر اس طرح عیادت فرمائی۔ میاں پیر محمد تم دو دن سے نہیں آئے تمہاری خیریت دریافت کرنے میں تاخیر ہو گئی۔ معاف کرنا۔ اتنے بڑے بزرگ ہو کر یہ اخلاق برتنا آپ ہی کے شایان شان ہے۔(۱)

شاہ فخرالدین دہلوی غریبوں کی دعوت ہمیشہ قبول فرمالیتے اور تشریف لے جاتے۔ اتفاق سے اگر دن میں کئی جگہ دعوت ہوتی اور مکان دور ہوتا تو کھانے کی رغبت چاہے ہوتی یا نہ ہوتی مگر ضرور جاتے یعنی کسی کی دل شکنی نہ فرماتے اخلاقاً کم سے کم دو ہی لقمے کھالیتے جس سے کھانے میں برکت ہوجاتی۔(۲)

اخلاق کی ان ہی بلندیوں کو دیکھ کر مناقب فخریہ کا مصنف بے اختیار پکار اٹھتا ہے

بہ دہلی مظہر ماہ حجازی   تو گوئی نائب شاہ حجازی (۳)

۱۔ مناقب فخریہ مؤلفہ غازی الدین خان نظام ص:۲۳۶

۲۔ مناقب فخریہ ص:۲۳۹

۳۔ مناقب فخریہ (فارسی) ص:۱۹

حضرت اورنگ آبادیؒ اور زائرین

حضرت قبلہ قدس سرہ (شاہ سلیمان تونسوی) نے فرمایا کہ حضرت اورنگ آبادی قدس سرہ کی خانقاہ مبارک کے دس دروازے تھے ہر دروازہ پر دو منشی بیٹھے رہتے جو حاجت مند آتا اس کی حاجت کو لکھ کر اسے دیتے۔ نیز فرمایا کہ حضرت اورنگ آبادی قدس سرہ کی دو مہریں تعیں ایک مہر کا سجع مبارک یہ تھا   ذکر مولیٰ از ہمہ

اور دوسری مہر کا سجع مبارک یہ تھا

اے نظام در رعایت دلہا بکوش   دین را بہ دنیا مفروش

فرمایا کہ محبوب الٰہی قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے واقعہ میں یہ شعر دیا گیا ہے:

مے کوش کہ راحتے بجانے برسد   یادست شکستہ بنانے برسد(۱)*

شیخ نظام الدین اورنگ آبادی لوگوں کی دلگیری کو اپنا اولین فرض تصور کرتے تھے۔

ہر شخص سے خواہ آشنا ہو یا بیگانہ ایک ہی طریقے سے ملتے تھے۔ ہر شخص کی تعظیم کیلئے کھڑے ہوجاتے تھے لکھا ہے۔ ہر شخص کیلئے وہ سروقد کھڑے ہوجاتے تھے۔ اور اس کی تعظیم بجالاتے تھے۔ حد یہ ہے کہ چار سال کے بچے کے ساتھ بھی وہی طریقہ اختیار کرتے تھے جو ستر سال کے بوڑھے یا اکابر و فضلاء کیلئے اختیار کیا کرتے تھے۔

ہر آنے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے۔ اگر کچھ نہ ہوتا تو عطر ہی عنایت فرمادیتے تھے جب تک لوگ ان کے پاس رہتے وہ دوزانوں بیٹھے رہتے چارزانوں بیٹھے ہوئے ان کو کسی شخص نے نہیں دیکھا جب کوئی کتاب مجلس میں پڑھی جاتی تھی تو حکم ہوتا تھا کہ سب حاضرین بالکل خاموش بیٹھیں(۲)

دلگیری کو انہوں نے مقصد حیات بنالیا تھا۔ کسی شخص کو رنجیدہ کرنا یا اس کے جذبات کو ٹھیس لگانا انہیں نہیں آتا تھا۔ اس کی ایک مثال آگے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ نافع السالکین ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی مترجم ص: ۲۲۰

۲۔ تاریخ مشائخ چشت ج:۵ ص:۱۶۸ ۔ ۱۶۹ (بحوالہ تکملہ سیر الاولیاء)

شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ اور ایک فقیر کی دلجوئی

ایک فقیر صاحب حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ حسب معمول حاضر ہوئے اور اپنے کمالات کا اظہار کرنے لگے۔ آخر کار یہاں تک کہہ دیا کہ میں توجہ کے شغل سے بہت واقف ہوں اور میری توجہ میں بڑی تاثیر ہے۔ اگر نسبت کا ذوق ہے تو مجھ سے تربیت حاصل کرلو اور میں تمہارے لئے کبھی دریغ نہ کروں گا۔ چونکہ اخلاق حضرت کا شیوہ تھا۔ اس لئے ان کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھ گئے۔ اور اس نے توجہ دینا شروع کردی۔ آپ کے دوستوں کو یہ بات بہت ناگوار تھی۔ روزانہ یہی ہوتا تھا۔ لیکن حضرت صاحب کی وجہ سے لوگ کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ اسی طرح دو سال گزر گئے۔ اس بےوقوف کو خوش کرنے کیلئے حضرت صاحب اپنی عادت میں فرق نہ لائے۔ ادب سے ان کے سامنے بیٹھے رہتے اور وہ فقیر صاحب انتہائی مسرت و فخر سے جگہ جگہ کہتے پھرتے کہ فلاں بزرگ مجھ سے توجہ لیتے ہیں اور اچھی گزار رہے ہیں۔ اتنے میں میاں عبدالقادر سفر سے واپس آگئے اور حضرت صاحب کی خدمت میں کچھ روز رہے جو لوگ اس بےقوف کی حرکت سے ناخوش تھے

انہوں نے سب قصہ عبدالقادر صاحب سے کہہ دیا کہ یہاں ایک صاحب آتے ہیں اور حضرت صاحب کو توجہ دیا کرتے ہیں۔ اسی میں دو سال گزر گئے ہیں۔ حضرت صاحب بھی اس کے سامنے ادب سے بیٹھے رہتے ہیں اور ان توجہ دینے والے صاحب نے سب جگہ یہ مشہور کر رکھا ہے۔ عبدالقادر صاحب نے کہا ذرا مجھے ان کا پتہ بتاؤ۔ جب دوسرے دن حسب معمول وہ صاحب آئے۔ دوستوں نے چپکے سے میاں عبدالقادر سے کہا کہ یہی وہ صاحب ہیں۔ میاں عبدالقادر خانقاہ کے دروازے میں کھڑے ہوئے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے اس کو دیکھا وہ صاحب یکدم گھوڑے سے گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ میاں عبدالقادر صاحب چلے آئے اور حضرت صاحب کو خبر کی کہ جو صاحب توجہ دینے آیا کرتے تھے۔ آج گھوڑے سے گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے ہیں۔ حضرت صاحب نے دریافت کیا آخر ان کو کیا ہوا۔ لوگ ان کو اٹھا لائے۔ آخر معلوم ہوا کہ میاں عبدالقادر کا یہ سارا کرشمہ ہے۔ حضرت صاحب بہت ناراض ہوئے۔ اس واقعے کے بعد ان فقیر صاحب کو بڑی شرمندگی ہوئی۔ چپکے سے چلے گئے کچھ دن بعد حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خطاؤں کی معافی چاہی حضرت صاحب نے فرمایا نہیں نہیں کوئی بات نہیں۔ آپ کی ذات سے مجھے جو عقیدت تھی اب بھی وہی ہے۔ اس کے بعد میاں عبدالقادر کا قصور بھی معاف ہو گیا مگر حضرت صاحب نے فرمایا: کسی کی دل شکنی کیوں کی جائے۔ اگر میں تھوڑے دن اس طرح ان کی سامنے بیٹھ گیا تو اس میں کیا حرج ہوا۔

(فخر الطالبین۔ ملفوظات شاہ فخر دہلوی ص: ۱۲۳۔ ۱۲۴ طبع کراچی)

شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ کا نفلی روزہ توڑ دینا

کسی بندۂ خدا کا دل توڑنا آپ کے مشرب میں گناہ تھا۔ صوفیہ صافیہ کا قدیم زمانہ سے شیخ سعدی کے اس مقولہ پر عمل رہا کہ "آزردن دل دوستاں جہل است و کفارہ یمین سہل" (دوستوں کے دل کو دکھانا جہالت ہے اور قسم کا کفارہ ادا کر دینا آسان ہے)

ایک مرتبہ آپ نفلی روزہ رکھے ہوئے تھے ایک شخص بڑے اہتمام اور عقیدت و محبت سے آپ کی خدمت میں ایک تحفہ لایا اور کہا میں بڑے شوق سے آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ آپ تناول فرمائیں۔ آپ نے اسی وقت تناول فرما لیا اور فرمایا:

"روزہ توڑنے کی قضا ہے، لیکن دل توڑنے کی قضا نہیں"

(سید ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت وعزیمت: ۳: ۲۱۴ طبع لکھنؤ ۱۹۶۳ء)

حضرت خواجہ محمد دین سیالوی رحؒ اور زائرین

عام اور خاص سب سے اس طرح ملتے اور مہربانی سے پیش آتے کہ ہر ایک بجائے خود یہ سمجھتا تھا کہ مجھ جیسی محبت آپ کو کسی اور سے نہیں ہوگی۔ وعدہ کی پابندی بہت تھی۔ ایک بار زبان مبارک سے اقرار کرلیں پھر خلاف نہیں ہوتا تھا۔ ہر کس وناکس سے کچھ نہ کچھ سلوک ضرور کرتے۔ ظاہری اور باطنی غضب ہی تو ہے کہ بیماری ہو ضعف ہو ناتوانی ہو آنے جانے والوں کے ساتھ اٹھ اٹھ کر بغل گیر ہوتے۔ کئی دفعہ تو میں نے بھی دیکھا ہے کہ کان کا درد ہے او کمزوری انتہا کی مگر ادھر کوئی آیا اور ادھر مہرخان کو ارشاد ہوا کہ مجھے اٹھا کر بٹھاؤ۔ دل شکنی جہاں تک ممکن تھا کسی کی گوارا نہ تھی۔ بعض اوقات اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ بات کرنی مشکل ہورہی ہے اور لوگ دعا طلبی کے خواستگار ہیں ایک ایک گھنٹہ میں برابر تمام دن پچاس پچاس بار ہاتھ اٹھا کر دعا کررہے ہیں اور شکستہ دلوں کو تسلی دے رہے ہیں۔ خدا رحم کرے اور آسان کرے سائیں فضل کرے وغیرہ۔ غرضیکہ اس قدر وسیع اخلاق آپ کی ذات ستودہ صفات میں موجود تھے کہ دشمن اور بدخواہ کی نظر بھی خوبیوں ہی پر پڑتی۔ ایک دفعہ کسی نے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کی خدمت اقدس میں آپ کی شکایات لکھیں کہ "میاں محمد الدین سیالوی صاحب میں چند ایسے عیوب پائے جاتے ہیں جو لائق سجادہ نشینوں کے نہیں۔ آپ ان کو تنبیہ کریں، اول یہ کہ جب کبھی گاؤں میں یا اس علاقہ میں کوئی شخص مرجاتا ہے تو وہ خود تعزیت یا فاتحہ کے واسطے چلے جاتے ہیں اس میں ایک طرح کی ہتک ہے دوسرے یہ صاحب اپنے والد کے خلیفہ کی قبر کو بوسہ دیتے ہیں، یہ اچھا نہیں۔ اپنے گھر کے غلام کی قبر کی ایسی عزت نہیں کرنا چاہیے۔ اس میں اپنی کسر شان ہوتی ہے، حضرت خواجہ بلند شان نے اس کاغذ کی دوسری طرف اس گم نام خط کا یہ جواب لکھ کر" میاں! خدا تجھے ہدایت دے یہ جو تو برائی سمجھتا ہے یہی تو وہ خوبی ہے جو ہر ایک مسلمان میں ہونی چاہیے" حضرت صاحب کے پاس سیال شریف (ضلع سرگودھا، پاکستان) بھیج دیا اور ارشاد فرمایا کہ کاتب کا پتہ لگا کر اسے میرا جواب پہنچا دیا جائے۔ حضرت کو رقت ہوگئی اور فرمانے لگے خدا

بھلا کرے میرے اور عیوب حضور میں لکھتا تاکہ آپ توجہ فرماتے، کچھ مدت بعد آپ کو لکھنے والے کا پتہ چل گیا لیکن آپ نے اسے جتایا نہیں۔

(محبوب سیال، مرتبہ غلام دستگیر خان بیخود ص: ۷۳-۷۴)

حضرت مولانا محمد عبداللہؒ کی کمال دلداری

صوفی محمد صادق صاحب اگرچہ دنیوی لحاظ سے شکستہ حال تھے مگر محبت ورابطۂ شیخ کی دولت سے مالامال تھے۔ ان کے گھر سونے کی دو بالیاں تھیں۔خیال آیا کہ حضرت اقدس (مولانا محمد عبداللہ (خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی) کی صاحبزادی کی شادی کے وقت نہ معلوم میرے پاس کوئی جہیز موجود ہو یا نہ ہو اس لئے یہ بالیاں ہی آپ کی خدمت میں پیش کردینی چاہییں۔ چنانچہ انہوں نے خانقاہ شریف حاضر ہوکر یہ ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کردیا۔ حضرت اقدس نے بپاس دلداری قبول کرلیا۔ مگر گھر جاکر اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ یہ بالیاں ہمارے ایک مسکین ساتھی محمد صادق کی امانت ہیں۔ انہیں محفوظ رکھیں۔ کسی موزوں وقت پر انہیں لوٹانا ہے۔

حضرت اقدس کی وفات حسرت آیات کے بعد حسب ارشاد حضرت مائی صاحبہ نے صوفی صاحب کی وہ امانت ان کے حوالہ کردی۔ اب صوفی صاحب کو معلوم ہوا کہ حضرت کا اس وقت قبول فرمالینا محض دلداری کےلئے تھا۔ورنہ آپ مال ودولت دنیا کی طرف نظر اٹھاکر دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔

درویش راکہ کنج قناعت مسلم است　　　درویش نام دارد و سلطان عالم است

(تحفہ سعدیہ (قدوۃ السالکین حضرت ابوالسعید احمد خان نقشبندی خانقاہ سراجیہ کندیاں کےاحوال طیبہ اوقوال ترکہ) مولفہ مرزا نذیر عرشی ص: ۳۱۰
مطبوعہ ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور ۱۹۷۳ء

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور متعلقین کی دلجوئی

ایک روز ظہر کے بعد یہ احقر (مولانا تھانوی) رباط سے (جس میں مقیم تھا اور حضرت صاحب کے دولت خانہ سے تھوڑے فاصلہ پر ہے) نکلا تو دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت صاحبؒ رباط کی طرف تنہا

تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے دوڑ کر استقبال کیا اور وجہ تکلیف فرمانے کی دریافت کی ارشاد فرمایا کہ بھائی تم لوگ اللہ کے واسطے ہر روز میرے پاس آنے کی تکلف اٹھاتے ہو مجھ کو ایک بار بھی تم لوگوں کے پاس قصد کر کے نہ آنا چاہیے؟ مجھ کو حضرت صاحب کی وسعت اخلاق سے کمال تاثر ہوا غرض رباط میں تشریف لا کر نیچے کے درجہ میں بیٹھ گئے اور سب اوپر کے درجوں کے لوگ اتر اتر کر حضرت صاحب کے پاس جمع ہو گئے میں اپنے دل میں یہی سمجھتا تھا کہ بس یہاں ہی سے دولت خانہ واپس تشریف لے جاویں گے لیکن تھوڑی دیر میں اٹھ کر زینہ کی طرف چلے اور اوپر کے درجہ میں پہنچے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا ضرورت ہے کہ تکلیف فرمائی جاوے؟ ارشاد فرمایا کہ بھائی سب ہی کا حق ہے غرض یہ کہ اس کے سب درجوں میں جو کہ پانچ یا چھ تھے تشریف لے گئے اور بوجہ کمال ضعف جسمانی کے نہایت تعجب ہوا لیکن محض سب کی دلداری کی غرض سے اس کا تحمل فرمایا۔

(کتاب کمالات امدادیہ از مولانا اشرف علی تھانوی ص: ۲۲-۲۳ کمال نمبر ۳۲)

باب پنجم

ہمدردی و خیرخواہی

حضرت سری سقطیؒ اور ایک گاہک

سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ (م 257ھ) سوداگری کیا کرتے تھے اور پانچ فی صدی سے زیادہ منافع نہ لیتے تھے۔ ایک بار آپ نے ساٹھ روپے کے بادام خریدے اور بعد میں باداموں کی قیمت چڑھ گئی۔ ایک ایجنٹ نے آپ سے بادام لیے تو آپ نے تریسٹھ روپے میں فروخت کر دیئے۔ اس نے کہا' آج کل تو ان کی قیمت نوے روپے ہے تو آپ نے فرمایا' میں نے اللہ سے عہد کر رکھا ہے کہ پانچ فی صدی سے زیادہ منافع نہ لوں گا۔ ایجنٹ نے کہا' میں بھی آپ کا مال کم قیمت پر فروخت نہیں کرنا چاہتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے کم قیمت پر لیے نہیں اور آپ نے زیادہ قیمت پر دیئے نہیں۔

یہ ہے ایک دوسرے کی خیرخواہی جسے نبی رحمت نے "دین" کا نام دیا ہے۔ دین لمبی چوڑی تسبیحوں اور جبوں قبوں کا نام نہیں جو تاجر اور دوکاندار لوگوں کی جیبیں کاٹتا ہے۔ ظلم کی حد تک نفع وصول کرتا ہے۔ کاروبار میں اجارہ دار بن کر بیٹھ جاتا ہے اور گاہکوں و ضرورتمندوں سے من مانی اور منہ مانگی قیمت وصول کرتا ہے۔ اس تاجر اور دوکاندار کی نمازوں تسبیحوں اور حجوں کی عنداللہ کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

1۔ (کیمیائے سعادت' ص 282)
2۔ (تاریخ بغداد للخطیب بغدادی :9:189' طبع مصر)

ایک سوداگر کی کمال خیرخواہی

ایک سوداگر بصرے میں تھا' اس کے ملازم نے اس کو لکھا کہ اس سال شکر کافی گراں ہو جائے گی۔ لہٰذا جلد از جلد زیادہ سے زیادہ خرید لی جائے۔ سوداگر نے خرید لی اور مہنگا ہونے پر فروخت کی تو تیس ہزار درہم کا منافع ہوا' لیکن پھر سوچا کہ میں نے ایک مسلمان کو دھوکا دیا ہے اور شکر کی گرانی کے لیے اس کو نہ بتایا۔ لہٰذا اپنے منافع کا سب روپیہ لے کر اس سوداگر کے پاس پہنچا اور کہا کہ یہ تمہارا روپیہ ہے۔ سوداگر نے حیران ہو

کر دریافت کیا۔ تب اس نے پورا قصہ بیان کر دیا۔ سوداگر یہ سن کر خوش ہوا اور اس کو سب روپیہ معاف کر دیا۔ جب واپس ہوا تو سوچا ہو سکتا ہے کہ اس نے لحاظ کی وجہ سے روپیہ لینے سے انکار کیا ہو۔ چنانچہ دوبارہ پھر گیا اور انتہائی اصرار کر کے روپیہ دے دیا۔ ایسے تاجروں کے کاروبار گھربار اور زندگی میں کیوں نہیں خیر و برکت ہوگی۔ اور آخرت میں اللہ کریم ان کے درجات کو کیوں نہیں بلند فرمائے گا۔ ایسے ہی خوش نصیب تاجروں کے متعلق حضور اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وعدہ اور پیشین گوئی فرمائی ہے کہ:

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء رواہ الترمذی (مشکوٰۃ المصابیح ص 243' طبع سعید کمپنی 'کراچی)

ترجمہ: "وہ تاجر وہ جو اپنے کاروبار میں کھرا' سچا اور امانتدار ہے' قیامت کے روز انبیاء' صدیقین اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا"۔

(کیمیائے سعادت' ص 281)

حضرت سری سقطیؒ کی عجیب خیر خواہی

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی (م 297 ھ) کے ماموں اور ان کے استاذ حضرت سری سقطی کی انسانی خیر خواہی کا ایک عجیب اور باسند واقعہ حافظ ابو نعیم نے حلیتہ الاولیاء میں لکھا ہے:

ترجمہ: احمد بن عمر خلقانی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید کے روز حضرت سری سقطی میرے ساتھ مسجد سے باہر نکلے۔ رستے میں ایک بزرگ اور جلیل القدر آدمی سے ان کی ملاقات ہوئی تو آپ نے ان سے سلام دعا کی مگر انتہائی اختصار کے ساتھ۔ سلام میں بزرگوں کے واسطے جو "و رحمتہ اللہ و برکاتہ" وغیرہ کے الفاظ بڑھائے جاتے ہیں' وہ آپ نے نہ بڑھائے اور نہ کوئی زیادہ خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ سلام دے کر آگے گزر گئے۔ میں (احمد بن عمر) نے عرض کیا' حضور! کیا آپ نے اس آدمی کو پہچانا نہیں؟ یہ فلاں بزرگ اور جلیل المرتبہ آدمی ہے۔ آپ نے فرمایا' میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ میں نے عرض کیا تو آپ نے سلام میں کمی کیوں کی؟ فرمانے لگے' "کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک روایت ہے کہ جب دو مسلمان آدمی باہم ملتے ہیں اور ایک دوسرے سے سلام دعا اور مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ کی طرف سے سو رحمتیں ان پر نازل ہوتی ہیں جن میں سے نوے رحمتیں اس آدمی پر نازل ہوتی ہیں جو زیادہ خندہ پیشانی سے اور ہشاش بشاش طریقے سے پیش آتا ہے' تو میں نے چاہا کہ زیادہ رحمتیں ان بزرگ کے حصے میں آ جائیں۔

1۔ (ابو نعیم اصفہانی متوفی 430ھ: حلیتہ الاولیاء ج دہم، ص 123-124، طبع مصر)
2۔ (ترجمہ رسالہ قشیریہ، ص 389)

شیخ شبلی کی ایک نصرانی کے لیے دعا

شیخ شبلی رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ ایک روز اپنے مریدین کو لے کر باہر نکلے۔ اس وقت آپ کے ساتھ چالیس آدمی تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! اللہ تعالی اپنے بندوں کو رزق پہنچانے کا کفیل ہو چکا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ وَمَن يتوكل على الله فَهُوَ حَسۡبُهٗ۔

"یعنی کوئی اللہ سے ڈرے تو اللہ اس کی خلاصی کی صورت پیدا کر دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق پہنچاتا ہے۔ جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو اور جو اللہ پر توکل کرے اللہ اسے کافی ہے"۔

لہٰذا تم سب اللہ پر توکل کرو اور اسی کی طرف دھیان کرو اور کسی کا خیال نہ کرو۔ یہ فرما کر انہیں وہیں چھوڑا اور آپ چل دیئے۔ تین دن تک یہ لوگ وہیں رہے، لیکن ان پر کوئی بھید نہ کھلا جب چوتھا روز ہوا۔ شیخ تشریف لائے اور فرمایا، اے لوگو! اللہ تعالی نے بندوں کے لیے (روزی تلاش کرنے کو) سبب پیدا کرنا مباح کر دیا اور اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اسی کی بابت ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الۡاَرۡضَ ذَلُوۡلًا فَامۡشُوۡا فِىۡ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِهٖ۔

پس چاہیے کہ تم اپنے میں سے ایک آدمی جسے سچا سمجھتے ہو اسے بھیج دو۔ امید ہے کہ وہ تمہارے لیے کچھ کھانے کے لیے لے آئے گا۔ چنانچہ انہوں نے (اس کام کے لیے) ایک کو پسند کر کے جو سب میں زیادہ خوب تھا بھیجا۔ وہ وہاں سے چل کر بغداد میں پہنچا اور وہاں پھرتا رہا۔ معاش کی کوئی صورت اس سے نہ بنی اور بھوک کی وجہ سے نوبت یہ ہوگئی کہ چلنے سے مجبور ہو کر ایک نصرانی ڈاکٹر کے شفاخانہ کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس ڈاکٹر کے پاس بہت مخلوق آتی تھی اور وہ سب کا حال خود بتا دیتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی نگاہ اس فقیر پر بھی پڑگئی اس نے پوچھا، تمہیں کیا تکلیف ہے۔ اس نے اسے نصرانی سمجھ کر اپنی بھوک کی کیفیت کہنی مناسب نہ سمجھی۔ (نبض دکھانے کے لیے) اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔ اس نے نبض دیکھ کر کہا، کہ میں نے تمہارے مرض کو بھی تشخیص کر لیا ہے اور اس کی دوا بھی سمجھ

گیا ہوں۔ (تم اطمینان سے بیٹھے رہو) پھر اپنے غلام سے کہا کہ فورا بازار جاؤ اور آدھا سیر روٹی اور اسی قدر ہی قیمہ اور اتنا ہی حلوا لے آؤ۔ غلام بازار گیا اور یہ اشیاء لے آیا۔ نصرانی نے لے کر خود اس فقیر کو دی اور یہ کہہ دیا کہ میرے خیال میں تو تمہارے مرض کی بس یہی دوا ہے۔ فقیر نے کہا' اگر تم اپنی طبابت میں سچے ہو تو مہربان چالیس اور آدمیوں کو یہی مرض ہے۔ نصرانی نے غلام سے کہا' اچھا پھر جلدی سے بازار جاؤ اور ایسا ہی کھانا چالیس آدمیوں کا اور لے آؤ۔ غلام لے آیا اور فقیر کو دے کر ایک قلی کو ساتھ لیا کہ جہاں یہ جائیں ان کے ساتھ لے جا۔ ادھر فقیر سے کہا کہ آپ جو اور فقیر بتاتے ہیں یہ ان کے پاس لے جایئے۔ چنانچہ یہ فقیر اور ان کے ساتھ وہ قلی ان لوگوں کے پاس پہنچے اور ڈاکٹر بھی تھوڑے فاصلے سے ان لوگوں کے پیچھے پیچھے رہا تاکہ فقیر کے سچا ہونے کو دیکھے۔ جب اس غار میں پہنچا جہاں اس کے ساتھی تھے تو ڈاکٹر دروازے کے باہر ایک روزن کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اس نے وہ کھانا رکھا اور سب نے شیخ شبلی کو آواز دی اور سارا کھانا ان کے سامنے رکھ دیا۔ شیخ نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور فرمایا' اے فقیرو! اس کھانے میں تو عجیب بھید ہے۔ پھر آپ اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے جو کھانا لایا تھا۔ اور فرمایا' اس کھانے کا پورا قصہ بیان کر کس طرح ہوا ہے۔ اس نے سب قصہ بیان کیا کہ یا شیخ ہم (غوب فقیر آدمی) اس کا عوض کس طرح دے سکتے ہیں۔ فرمایا کھانا کھانے سے پہلے اس کے حق میں دعا کرو۔ وہ نصرانی یہ سب قصہ سن رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ لوگ اس قدر بھوک کے کھانا کھانے سے رک گئے ہیں اور جو شیخ نے فرمایا تھا وہ سن لیا تو اس وقت دستک دی۔ انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ اس نے اندر جا کر اپنا جنیو توڑ کر پھینک دیا اور کہا اے شیخ ہاتھ بڑھاؤ' میں مسلمان ہوتا ہوں۔ **اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم**۔ پھر تو نصرانی پکا مسلمان ہو کر شیخ شبلی رضی اللہ عنہ کے مریدوں میں ہو گیا۔

(نزہتہ البساتین اردو ترجمہ روضتہ الریاحین مصنفہ امام ابی محمد عبداللہ ابن سعد یمنی یافعی ص 160 تا 162 ترجمہ مولانا جعفر علی صاحب نگینوی مطبوعہ سعید کمپنی' کراچی)

ابوالحسن نوری اور شفقت علی الخلق

حضرت ابو جعفر خلدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ خلوت میں درگاہ الٰہی میں مناجات کر رہے تھے۔ میں جا کر آپ کی مناجات ایسے طور پر سننے لگا کہ آپ کو معلوم نہ ہو۔ آپ نہایت اضطراب میں فرما رہے تھے۔ بار خدایا! اہل دوزخ کو تو عذاب دے گا اور وہ سب تیرے علم اور قدرت اور ارادہ

سے تیرے ہی پیدا کیے ہوئے ہیں اور اگر دوزخ کو تو آدمیوں سے بھرنا ہی چاہتا ہے تو تو اس بات پر قادر ہے کہ اس دوزخ اور اس کے تمام طبقات کو مجھ سے بھر دے اور ان کو بہشت میں بھیج دے۔ ابو جعفر فرماتے ہیں کہ میں آپ کے معاملہ میں متحیر ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی آنے والا آکر کہتا ہے کہ خداوند نے فرمایا ہے کہ ابوالحسن رحمتہ اللہ علیہ سے کہہ دو کہ ہم نے تمہیں اس شفقت اور تعظیم کی وجہ سے بخش دیا ہے جو تمہیں ہم سے اور ہمارے بندوں سے ہے اور آپ کو نوری اس لیے کہتے ہیں کہ تاریک مکان میں جب آپ کلام کرتے تو آپ کے نور باطن کی وجہ سے مکان روشن ہو جاتا اور دوسرا یہ کہ نور حق تعالیٰ سے آپ اپنے مریدوں کے اسرار معلوم کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ جنید نے فرمایا کہ ابوالحسن دلوں کے جاسوس ہیں۔ یہ آپ کے مذہب کی بڑی خصوصیت ہے۔

(**کشف المحجوب** (ترجمہ) ص 296)

خواجہ محمد منکدر اور گاہک کی خیر خواہی

حجتہ الاسلام امام محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا حال لکھا ہے۔ جو بغداد میں تھے۔ ان کو خواجہ محمد منکدر کہتے تھے۔ دوکان بزازی کیا کرتے۔ موسم سرما میں لبادے (پوشاکیں) بنوا کر بیچتے جب دوکان سے کہیں کام کو جاتے تو غلام کو بیٹھا جاتے اور تاکید کر جاتے کہ خبردار! یہ لبادہ دو دینار کو دینا اور یہ تین دینار کو' اس میں کمی بیشی نہ کرنا۔ ایک دن ایک اعرابی (بدو) آیا اور غلام سے پوچھا' فلانا لبادہ کس قیمت کو دے گا۔ وہ لبادہ دو دینار کی قیمت کا تھا۔ غلام نے کہا' تین دینار کا۔ اعرابی کو سستا معلوم ہوا۔ تین دینار دے کر خرید لیا۔ راہ میں اسے محمد منکدر ملے۔ اپنا لبادہ پہچان کر اس سے پوچھا کہ شیخ یہ لبادہ کتنے کو لیا ہے۔ اس نے کہا تین دینار میں' محمد منکدر نے کہا' اس قسم کے لبادے دو دینار کو آتے ہیں' دوکاندار نے ایک دینار تجھ سے زیادہ لیا ہے۔ لوٹ آؤ اور لبادہ پھیر دو اور یہ ظاہر نہ کیا کہ یہ لبادہ میری دوکان کا ہے۔ اعرابی نازک مزاج ہوا کرتے ہیں۔ سمجھا اس نے یہ پسند کیا ہے اور سستا جان کر واپس کرواتا ہے تاکہ خود خرید لے۔ غصہ میں آکر کہا خواجہ یہ لبادہ ہمارے ملک میں دس بارہ دینار کا ہے تو براہ فریب مجھ سے پھروا کر خود خریدنا چاہتا ہے۔ حضرت محمد منکدر نے جب دیکھا کہ اس کے دل میں شک پیدا ہوا ہے۔ اس لیے غصہ ہوتا ہے۔ تو کہا شیخ ناراض نہ ہو یہ لبادہ میری دوکان کا ہے۔ میں غلام سے کہہ آیا تھا کہ اس قسم کا لبادہ دو دینار کو دینا اس نے تم سے تین دینار لے لئے ہیں۔ میرے ہمراہ چلو'

ایک دینار تم کو پھر دوں گا یا اس سے عمدہ لبادہ تین دینار والا تم کو دوں گا۔ اعرابی یہ سن کر ہمراہ آیا۔ حضرت منکدر نے ایک دینار اس کو دوکان سے واپس دلوایا۔ اعرابی نے وہاں سے لوٹ کر لوگوں سے پوچھا' یہ دوکاندار کون ہے' نہایت امین دیانتدار معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا' ان کو شیخ محمد منکدر کہتے ہیں۔ اعرابی نے تعجب سے کہا' شیخ محمد منکدر یہی ہیں۔ ہم تو اپنے وطن میں بڑے سخت حوادث میں ان کے نام کو اپنا شفیع کرتے ہیں۔ ان کے نام کی برکت سے سب مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ ہم جانتے تھے محمد منکدر کوئی بڑا شیخ ہے' خانقاہ میں رہتا ہو گا۔ یہ نہ معلوم تھا کہ وہ یوں زمرہ تاجروں میں ہوں گے۔

(الف) (کیمیائے سعادت ص 282)

(ب) (خیرالمجالس ملفوظات حضرت خواجہ نصیرالدین محمد چراغ' ص 88)

حضرت شیخ معروف کرخی اور شراب خوروں کی جماعت

ایک روز حضرت معروف کرخی بازار سے گزر رہے تھے کہ شراب خوروں کی ایک جماعت سے ان کا آمنا سامنا ہو گیا۔ یہ شیخ سے گستاخانہ پیش آئے۔ آپ کے ہمراہیوں نے ان کے حق میں بددعا کی درخواست کی تاکہ یہ بداعمال اپنے کیے کی سزا پائیں۔ شیخ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ لوگ منتظر تھے کہ شیخ کے ان شرابیوں کے حق میں بددعا کرنے کی دیر ہے۔ ان شرابیوں کو سزا مل کر رہے گی۔ کیونکہ شیخ مستجاب الدعوات تھے۔ اللہ اپنے بندوں کی دعا کو رد نہیں فرمایا کرتا۔ مگر شیخ نے جب دعا مانگنا شروع کی تو لوگ حیران رہ گئے۔ شیخ نے پوری توجہ اور خلوص دل سے گڑگڑا کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

یا الٰہی جس طرح تو نے اس گروہ کو دنیا میں خوش کیا ہے اسی طرح آخرت میں بھی انہیں خوشحال رکھ۔ دعا قبول ہوئی۔ شراب خوروں نے شراب کے مٹکے توڑ دیئے' لرزتے کانپتے اور گرتے پڑتے خدمت شیخ میں تائب ہوئے اور اپنے کیے پر معذرت چاہی۔ اس پر شیخ نے اپنے دوستوں سے مخاطب ہو کر فرمایا' تم نے دیکھا جہاں میری دعائے خیر سے ہم سب ان کے رنج و آزار سے آزاد ہو گئے۔ وہاں یہ شراب خوری کی آفت سے نجات پا گئے' گویا دونوں فریق اپنی اپنی مراد پا گئے۔

1۔ ترجمہ رسالہ قشیریہ' ص 213' مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی)

2۔ اردو ترجمہ خزینۃ الاصفیاء مرتبہ مفتی غلام سرور لاہوری' ج اول ص 129-128' طبع مکتبہ المعارف گنج بخش روڈ' لاہور)

حضرت ذوالنون مصری اور کھلنڈرے لوگ

ایک روز آپ اپنے رفیقوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے سامنے سے ایک دوسری کشتی آ رہی تھی۔ جس میں مصر کے کھیل کود والے لوگوں کا گروہ بیٹھا ہوا تھا اور حسب معمول شرارتیں اور شور و غل کر رہے تھے۔ آپ کے مریدوں کو ان سے بہت نفرت ہوئی اور کہنے لگے' "اے شیخ! دعا کیجئے کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ غرق کرے تاکہ ان کی نحوست لوگوں سے دور ہو جائے تو حضرت ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ (م 245ھ) نے اٹھ کر ہاتھ کھڑے کیے اور دعا کی بار خدایا! جیسا کہ اس جماعت کو تو نے اس جہان میں اچھی زندگی عطا فرمائی ہے ان کو اس جہان میں بھی اچھی زندگی مرحمت فرما۔ مرید آپ کے اس کلام کو سن کر بڑے متعجب ہوئے۔ جب وہ کشتی ذرا اور نزدیک آئی اور ان لوگوں کی نظر حضرت ذوالنور رحمتہ اللہ علیہ پر پڑی تو وہ رونے لگے اور ساز سب توڑ ڈالے اور توبہ کر کے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ آپ نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ آخرت کی اچھی زندگی دنیا کی توبہ ہے تم نے دیکھ لیا کہ سب کو مراد حاصل ہوگئی۔ تم اور ان سب لوگوں نے اپنی مراد پالی اور کسی کو کوئی رنج نہ پہنچا اور کلام اس پیر حقانی کا نہایت شفقت پر دلالت کرتا ہے اور اس میں آپ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتداء کیا ہے کہ جس قدر کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم و ستم کی زیادتی کرتے آپ رنجیدہ اور خفا نہ ہوتے بلکہ فرماتے:

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔

ترجمہ: "اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما' کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے"۔

(**کشف المحجوب** (ترجمہ) ص 164' مطبوعہ فیروز سنز)

حضرت بکر بن عبداللہ المزنی کی عجیب خیر خواہی

دین صرف نماز' روزے' نوافل اور **تسبیحات** کا نام نہیں بلکہ خلق خدا کی سراسر اور مقدور بھر خیر خواہی کا نام ہے۔ نبی پاک علیہ **التحیۃ** والثناء کا معروف ارشاد ہے:

الدین النصیحۃ۔

"دین خیر خواہی کا نام ہے"۔

صوفیاء کرام نے اس ارشاد نبوی کو ہمیشہ اپنی زندگیوں کا معمول بنائے رکھا اور خیر خواہی کے کمال نمونے چھوڑے۔ حضرت بکر بن عبداللہ المزنی رحمتہ اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی چھت کا پرنالہ کسی راہگزر پر گرنے کے خیال سے رستے کو چھوڑ کر اپنے گھر کے اندر

رکھتے۔ ایک مرتبہ آپ کی ایک بلی مرگئی تو آپ نے اسے گھر کے صحن میں ہی دفن کر دیا اور باہر نہ پھینکا تاکہ لوگوں کو اس کی بدبو سے تکلیف نہ پہنچے۔
(اخلاق صالحین ترجمہ تنبیہہ المغترین' از عبدالوہاب الشعرانی' ص 225' مطبوعہ' لاہور)

حضرت یونس بن عبید اور گاہوں کی خیر خواہی

حضرت یونس بن عبید رحمتہ اللہ علیہ چادریں اور اوڑھنیاں فروخت کیا کرتے تھے۔ لیکن جب کبھی آسمان پر بادل ہوتے تو ان کو فروخت نہ کرتے اور نہ بازار لے کر جاتے تھے۔ کسی نے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا' ابر کے دن خریدار کو اکثر معیوب اشیاء صاف نظر نہیں آتیں اور اس طرح گاہک دھوکہ کھا جاتا ہے اور کسی گاہک کو دھوکا دینا ہمارے دین میں جائز نہیں۔ اپنا نقصان برداشت کر لینا تو گوارا ہے لیکن کسی دوسرے آدمی کا خسارہ کسی قیمت پر منظور نہیں۔ دنیوی مال و دولت کا خسارہ کوئی خسارہ نہیں۔ مال آنی جانی چیز اور ڈھلتی چھاؤں ہے۔ آج ہے تو کل نہیں ہوگی۔ اصل نقصان تو دین کا نقصان اور آخرت کا نقصان ہے۔ اخروی نقصان نہیں ہونا چاہیے' دنیا کے نقصان کی خیر ہے۔ آج لوگوں کو آخرت کی فکر کی بجائے دنیا کی فکر ہے۔ عاقبت سنوارنے کی بجائے دنیا سنوارنے میں اپنی تمام صلاحیتوں کو کھپا رہے ہیں۔ انسان کی آنکھوں پر عام طور پر غفلت کی پٹی پڑی رہتی ہے۔ یہ غفلت کی پٹی اس وقت کھلے گی جب انسان اس دنیا سے رخت سفر باندھے گا مال و دولت اور عزیز و اقارب میں سے کوئی آدمی کے ساتھ قبر میں نہیں جائے گا۔ قبر کے اندھیرے اور وحشت و تنہائی کو صرف اعمال صالحہ ہی دور کریں گے۔

تربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا
شمعیں بھی جلاؤ تو اجالا نہیں ہوتا

(اخلاق صالحین ترجمہ تنبیہہ المغترین' ص 226)

حضرت عبداللہ خفیف اور دو درویش

دو درویش طویل سفر کے بعد جب آپ کے یہاں حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ آپ شاہی دربار میں ہیں۔ یہ سن کر ان لوگوں نے سوچا کہ یہ کس قسم کے بزرگ ہیں جو دربار شاہی میں حاضری دیتے ہیں۔ یہ سوچ کر دونوں بازار کی جانب نکل گئے اور اپنے خرقہ کی جیب سلوانے کے لیے درزی کی دکان پر پہنچے اسی دوران درزی کی قینچی گم ہوگئی اور اس نے ان دونوں کو چوری کے شبہ میں پولیس کے حوالے کر دیا اور جب پولیس ان دونوں

کو لے کر شاہی دربار میں پہنچی تو حضرت عبداللہ خفیف نے بادشاہ سے سفارش کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں چور نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کو چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ آپ کی سفارش پر ان دونوں کو رہا کر دیا گیا۔ اس کے بعد آپ نے ان دونوں سے فرمایا کہ میں دربار شاہی میں صرف اس غرض کے لیے موجود رہتا ہوں۔ یہ سن کر وہ دونوں معذرت خواہی کے بعد آپ کے ارادت مندوں میں داخل ہو گئے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خدا کے مقبول بندوں سے بے اعتقادی بھی وجہ مصیبت بن سکتی ہے۔

(شیخ عطار' تذکرۃ الاولیاء (اردو) ص '250)

خواجہ غوث نواز اجمیری اور ایک کسان

عوام کی خدمت' ان کی دردمندی' عوام کی تکالیف کو محسوس کرنا' اور خود تکلیف اٹھا کر ان کے درد دکھ کو دور کرنا' انسانی قلوب کو ایک رشتہ الفت میں پرونا' تصوف کی تعلیم کا اصل مقصد اور منشاء ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی زندگی میں ہمیں یہ کردار نمایاں نظر آتا ہے۔ ایک مرتبہ سرکاری کارندوں نے ایک کسان کے کھیت ضبط کر لئے' اس نے آکر آپ سے عرض کیا کہ دہلی کے حاکم نے میرے کھیت ضبط کر لیے ہیں' اب وہ کہتا ہے کہ شاہ التمش کے فرمان کے بغیر یہ کھیت تم کو واپس نہیں مل سکتے۔ اگر آپ شاہ التمش سے میرے کھیتوں کی بحالی کی سفارش فرمائیں تو میری اراضی مجھے واپس مل سکتی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے اس کام کے لیے خود تمہارے ساتھ دہلی جاؤں گا۔ چنانچہ آپ اس مظلوم کسان کے ساتھ دہلی تشریف لائے۔ سلطان التمش کو خبر ہوئی تو وہ خود حاضر خدمت ہوا اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے بعد تشریف آوری کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے کسان کا سارا واقعہ بیان کر کے اس کی سفارش فرمائی۔ سلطان شمس الدین التمش نے عرض کیا کہ آپ نے اس کام کے لیے ناحق زحمت فرمائی' اگر آپ اپنے کسی ادنی خادم سے کہلا بھیجتے تو مجھے تعمیل میں کیا عذر ہو سکتا تھا؟ فرمایا' مظلوموں کی امداد بھی عبادت میں داخل ہے۔ اس لیے میں خود ہی اس کام کو انجام دینے کے لیے چلا آیا۔

(کتاب اقبال کے محبوب صوفیاء' ص 130 و 131)

خواجہ فریدالدین گنج شکر اور ایک آدمی کی سفارش

سلطان غیاث الدین حضرت خواجہ فریدالدین سے معتقدانہ تعلق رکھتا تھا۔ دہلی کی سلطنت کا حصول بھی حضرت کی دعا اور محبت کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ اور خدام کی خدمت کو اپنی

سعادت تصور کرتا تھا۔ حضرت خواجہ نے ایک مرتبہ ایک شخص کے اصرار پر سلطان کو ایک سفارشی رقعہ لکھا جو سفارش و بے نیازی کا عجب مجموعہ ہے۔ فرماتے ہیں:

میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر آپ اس کو کچھ دیں گے تو حقیقی عطاء کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہو گا اور آپ مشکور ہوں گے اور اگر آپ نہ دیں گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہو گا اور آپ معذور ہوں گے۔

(بحوالہ اخبار الاخیار' تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم' ص 41)

سلطان المشائخ اور خیر خواہی عام

مولانا ضیاء الدین برنی فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق کے وقت سے چاشت کے وقت تک آپ کے جان بخش کلمات اور روح افزا گفتگو سننے میں مشغول رہا۔ اس روز بہت سے بندگان خدا سلطان المشائخ کی خدمت میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوئے اور دولت ابدی سے مشرف ہوئے۔ اس وقت میرے دل میں خطرہ گزرا کہ مشائخ سلف مرید کرنے میں نہایت احتیاط کرتے تھے اور خوب غور و تامل کے بعد کسی کو مرید کیا کرتے تھے۔ سلطان المشائخ انتہا درجہ کے کرم اور مہربانی کی وجہ سے عام و خاص کی دستگیری کرتے اور بغیر امتحان و امتیاز کے لوگوں سے بیعت لیتے ہیں۔ میرے دل میں آیا کہ آپ سے اس بارے میں دریافت کرنا چاہیے۔ لیکن چونکہ حضور مکاشف عالم تھے۔ فوراً میرے اس خیال سے واقف ہوگئے اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: مولانا ضیاء الدین! تم ہر بات کو مجھ سے دریافت کرتے ہو' لیکن کبھی یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کئے آنے والوں کو بیعت کے سلسلہ میں کیوں داخل کر لیتا ہوں اور بے تفتیش ہر شخص کے ہاتھ میں دست بیعت کیوں دے دیتا ہوں۔ سلطان المشائخ کی یہ بات سن کر میں سر سے پاؤں تک لرز اٹھا اور حضور کے قدموں میں گر کر عرض کیا کہ عرصہ سے یہ مشکل اور دشواری مجھے درپیش تھی۔ آج بھی میرے دل میں یہ خیال گزرا تھا.....

فرمایا تو سنو! خدا تعالیٰ نے ہر زمانے میں اپنی حکمت بالغہ کی ایک خاصیت پیدا کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے کے آدمیوں کا طریقہ اور رواج و رسم علیحدہ ہوتا ہے اور زمانے کی رفتار لوگوں میں اس درجہ اثر کرتی ہے کہ زمانہ موجودہ کے لوگوں کے مزاج اور طبیعت گزشتہ لوگوں کے طبائع سے بالکل مشابہت نہیں رکھتے۔ البتہ بہت کم آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کی طبیعتیں پہلے لوگوں کی طبیعتوں سے ملتی جلتی ہیں اور یہ بات تجربات سے خوب واضح ہوتی ہے۔ جب اس قدر بات معلوم کر چکے تو یہ بھی معلوم کرو کہ مرید کی اصل

ارادت یہ ہے کہ وہ غیر حق سے قطع تعلق کر کے مشغول بحق ہو جائے۔
..... سلف کا قاعدہ تھا کہ جب تک مرید میں کلی انقطاع نہ دیکھتے تھے اس کے ہاتھ میں دست بیعت نہ دیتے تھے۔ لیکن شیخ ابو سعید ابوالخیر کے زمانے سے شیخ سیف الدین باخرزی کے عہد تک اور شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردی کے عہد مبارک سے حضرت شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے زمانے تک ایک اور ہی طریقہ نے جلوہ گری کی تھی۔ ان اولوالعزم اور جلیل القدر بادشاہوں کے دروازوں پر جن کے علو درجات اور کرامات شرح سے مستغنی ہیں۔ ہر وقت ہجوم خلائق رہتا تھا اور ہر چار طرف سے بادشاہ' امراء' مشاہیر اور دیگر لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اخروی مہلکات کے خوف سے اپنے تئیں ان عاشقان خدا کی پناہ میں ڈال دیتے تھے۔ یہ مشائخ بغیر تحقیق و تفتیش کے عام و خاص سے برابر بیعت لیتے اور سلسلہ ارادت میں داخل کرتے تھے۔ اور ہر ایک شخص کو حسب مراتب خرقہ توبہ یا خرقہ تبرک عنایت فرماتے تھے' کیونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ محبوبان خدا کا سا معاملہ ہر شخص کے ساتھ دوسروں پر قیاس کر کے برتا جاتا۔ پس شیخ ابو سعید ابوالخیر' اور شیخ سیف الدین باخرزی اور شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ اسرارہم۔ لوگوں کو اسی طرح مرید کیا کرتے تھے جس طرح کہ میں کرتا ہوں اور اس زمانے کے موافق یہی ٹھیک بات ہے' کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کا ایک محبوب اور پسندیدہ شخص ایک جہاں کے گناہگاروں کو اپنے سایہ حمایت میں لینا چاہیے' تو لے سکتا ہے۔
اب میں تمہارے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

سنو! میں جو مریدوں سے بیعت لینے میں زیادہ احتیاط اور تفتیش نہیں کرتا تو اس کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ میں سنتا ہوں کہ بہت سے لوگ میری بیعت میں داخل ہونے سے معصیت و گناہ سے باز رہتے ہیں' نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں اوراد و نوافل میں مشغول و مصروف ہوتے ہیں۔ اگر میں پہلے ہی سے ارادت کے شروط و قیود ان سے بیان کروں اور ان شرائط کے بجالانے پر مجبور کروں نیز خرقہ توبہ اور خرقہ تبرک جو خرقہ ارادت کے قائم مقام ہیں نہ دوں تو اس قدر بھلائیاں جو ان سے ظہور میں آتی ہیں وہ ان سے محروم و بے نصیب رہیں۔ دوسرے یہ کہ مجھے شیخ سے اس بات کی اجازت ہے کہ بغیر کسی سفارش یا التماس یا وسیلہ کے بدون کسی تفتیش و کرید کے لوگوں سے بیعت لوں اور جب میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان آدمی عجز و اضطراب اور مسکنت و بے چارگی کے ساتھ میرے پاس آتا اور بصد الحاح کہتا ہے کہ میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں تو مجھے اس سے بیعت لینے میں کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے۔ خاص کر جبکہ میری نیت میں اس کے صادق

ہونے کا غالب احتمال ہوتا ہے۔ پس ایسی صورت میں مجھے اس سے بیعت لینا ضروری ہو جاتا ہے' قطع نظر اس کے کہ میں نے نہایت ثقہ اور راست باز لوگوں سے سنا ہے کہ جو لوگ میری ارادت و بیعت میں داخل ہوتے ہیں وہ تمام گناہوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔
(تاریخ مشائخ چشت' ص 289 تا 292)

شاہ رکن عالم اور حاجتمندوں کی عرضیاں

سیر الاولیاء کے مصنف امیر خورد کرمانی نے لکھا ہے کہ جب شیخ رکن العالم ڈولے میں سوار ہو کر حضرت سلطان المشائخ کی ملاقات کے لیے آئے اور مصنف کے والد ڈولے میں شیخ کے لیے کھانا رکھنے لگے تو ڈولے میں ہر طرف کاغذ ہی کاغذ پڑے ہوئے تھے۔ مصنف کے والد نے انہیں ایک طرف کر کے کھانا رکھنے کے لیے جگہ نکالنی چاہی تو شیخ رکن العالم نے حضرت شیخ سلطان المشائخ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "آپ کو معلوم ہے' یہ کاغذات کیسے ہیں"۔ پھر خود ہی کہنے لگے کہ یہ حاجت مندوں کی عرضیاں ہیں جو وہ مجھے اس لیے دیتے ہیں تاکہ میں بادشاہ تک پہنچاؤں۔ لیکن انہیں کیا معلوم کہ میں آج کس بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں! (سیر الاولیاء مترجم ص 123)

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ آپ کا قاعدہ تھا کہ آپ ان سب عرضیوں کے ساتھ جو ضرورت مند آپ کے تخت رواں پر ڈال دیتے' بادشاہ کے پاس پہنچتے اور ایک خادم کو ہدایت کرتے کہ یہ عرضیاں بادشاہ کے سامنے رکھے۔ چنانچہ بادشاہ یہ سب عرضیاں آپ کی موجودگی میں پڑھواتا۔ ہر عرضی پر حکم لکھواتا اور جب تک لوگوں کی مطلب براری نہ ہو جاتی آپ وہاں سے نہ ہلتے۔

(آب کوثر' ص 265-266)

شاہ رکن الدین ملتانی اور ضرورتمندوں کی سفارش

نقل ہے کہ سلطان علاؤالدین کے بیٹے سلطان قطب الدین کے زمانے میں بھی (رکن الدین ملتانی) دو مرتبہ دہلی تشریف لائے۔ اکثر ان دونوں بزرگوں میں رابطہ خلوص و محبت قائم رہتا۔ حضرت شیخ رکن الدین ملتانی کی عادت تھی کہ جب سلطان قطب الدین سے ملنے کی خواہش ہوتی اور دربار کو جاتے تو وہ تخت رواں کہ جس پر بیٹھے تھے اس کو کچھ دیر انتظار میں روکے رکھتے تھے اور ضرورت مند لوگ اپنی اپنی عرضیاں لکھ کر ان کے تخت رواں پر ڈال دیتے تھے اور اپنی اپنی حاجتیں بیان کرتے۔ وہ تخت رواں پر سوار ہو کر شاہی

محل کو روانہ ہوتے۔ تیسری دہلیز پر سلطان استقبال کے لیے آتا اور اندر سے جاتا دو زانو ہو کر باادب حضرت کے سامنے بیٹھ جاتا اور حضرت کے آنے کو بہت بڑی سعادت سمجھتا۔ حضرت سلطان المشائخ اپنے خادم کو حکم دیتے کہ وہ لوگوں کی تمام عرضیاں لائے اور سلطان کے سامنے رکھ دے۔ سلطان تمام عرضیوں کو پڑھتا اور ہر عرضی کا مناسب جواب اس کی پشت پر لکھتا اور مہر لگا دیتا۔ حضرت اس وقت تک وہاں سے واپس نہ ہوتے جب تک کہ مخلوق کے تمام معاملات طے نہ ہو جاتے۔

(سیر العارفین (مترجم) ص 202)

سید مخدوم جہانیاں کی ایک قیدی کے لیے بیس مرتبہ سفارش

حضرت شیخ المشائخ سماء الدین سے منقول ہے کہ خان جہاں تلنگی سلطان فیروز شاہ کا وزیر تھا۔ وہ حضرت (مخدوم جہانیاں) کا بالکل معتقد نہ تھا بلکہ ان کو برا بھلا کہتا تھا اگرچہ سلطان ان کے کمترین معتقدین میں سے تھا۔ ایک مرتبہ خان جہاں مذکور نے ایک محرر کے لڑکے کو جیل بھیج دیا اور وہ اس پر سختی کرتا تھا جب اس محرر نے اپنے لڑکے کی آزادی کی کوئی صورت نہ دیکھی تو حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں آیا اور حضرت کو اپنے لڑکے کی سفارش کے لیے خان جہاں کے دروازے پر لے گیا یہ خبر خان مذکور تک پہنچی۔ اس نے اندر سے اپنے ملازم کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ سید سے کہو کہ میں تمہاری سفارش ہرگز نہ مانوں گا اور تمہارا منہ بھی نہیں دیکھوں گا۔ دوبارہ میرے یہاں سفارش کے لیے مت آنا۔ کہا جاتا ہے: آپ تقریباً انیس مرتبہ خاں جہاں کے دروازے پر سفارش کے لیے گئے۔ وہ ہر مرتبہ یہی جواب دیتا یہاں تک کہ جب بیسویں مرتبہ پھر سفارش کے لیے گئے تو اس نے اندر سے کہلا بھیجا کہ سید تم کو غیرت نہیں آتی کہ میں نے اتنی مرتبہ تم کو جواب دے دیا ہے لیکن پھر تم میرے ہاں چلے آتے ہو۔ حضرت سید نے کہا کہ اے عزیز میں جتنی مرتبہ آتا ہوں۔ مجھے ثواب ملتا ہے مگر مظلوم کا مقصد پورا نہیں ہوتا چاہتا ہوں کہ اس مظلوم کو تمہارے ہاتھوں رہائی دلواؤں اور تم کو ثواب پہنچاؤں۔ خان جہاں مذکور نے جب یہ بات سنی تو اپنا سر ننگا کیا گلے میں ایک رسی باندھی اور حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور مرید ہو گیا۔ اور اس مظلوم کو خلعت اور گھوڑا دیا اور رہا کر دیا۔ اس نے کافی نذرانہ حضرت سید کو پیش کیا' حضرت نے وہ تمام نذرانہ مظلوم کو دے دیا اور اپنے گھر چلے آئے۔

(سیر العارفین مترجم' ص 227)

مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور فیروز شاہ تغلق

فیروز شاہ ہر دو سرے تیسرے روز حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی قیام گاہ پر ان سے ملاقات کے لیے حاضر ہوتا اور یہ دونوں بزرگ ایک جگہ بیٹھ کر محبت آمیز گفتگو فرماتے۔ اچ اور دہلی کے باشندے اپنی اپنی حاجت اور عرض سید جلال الدین بخاری کی خدمت میں پیش کرتے اور حضرت سید جلال الدین بخاری اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان کی حاجات کو قلم بند کر لیں۔

جب بادشاہ ملاقات کے لیے آتا تو وہ حاجت مندوں کے کاغذات کو اس کی خدمت میں پیش کرتے۔ سلطان فیروز ان کاغذات کو غور سے پڑھ کر ہر حاجت مند کی اس کے معروضے کے مطابق حاجت روائی کرتا۔

(تذکرہ صوفیائے پنجاب' بحوالہ تاریخ فیروز شاہی' ص 201)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور اہل حاجت کا خیال

بروایت مولوی منور علی حسب مسموع ہوا کہ ایک شخص مخلصین میں سے انتقال کرنے لگے۔ ان کے پاس کچھ مال تھا جس میں ان کو حق وصیت حاصل تھا۔ انہوں نے حضرت صاحب کے معتمد خاص مولوی منور علی صاحب مرحوم در بھنگوی کو اپنا وصی بنایا کہ میرا مال مستحقین کو تقسیم کر دیں۔ انہوں نے ایک فہرست مستحقین کی مرتب کی جس میں متوسلین کے نام لکھے اور مشورہ کی غرض سے حضرت صاحب کی خدمت میں اس کو پیش کیا۔ آپ نے بعض آدمیوں کے نام لیے جو اہل حاجت تھے مگر متوکل نہ تھے اور ادھر ادھر سے پھر پھرا کے اپنا کام نکال لیتے تھے اور دریافت فرمایا کہ ان لوگوں کے نام آپ نے کیوں نہیں لکھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ لوگ تو دنیا داروں سے مل ملا کر اپنا کام چلا لیتے ہیں۔ میں نے ایسے لوگوں کے نام لکھے ہیں جو کسی سے تعلق نہیں رکھتے۔ آپ نے تبسم فرمایا اور بعنوان لطیفہ ارشاد فرمایا کہ واہ صاحب خوب سمجھے۔ میاں چیز دیا کرتے ہیں ایسے شخص کو جو اس کی قدر کرے اور اس کو ضرورت ہو یہ متوکلین جن کی آنکھ میں اس کی کچھ قدر نہیں اور نیز اللہ تعالیٰ ان کے کفیل ہیں' ان کو تم دیتے ہو اور جن بیچاروں کے لیے کفالت خاصہ نہیں اور وہ اس کے قدر دان بھی ہیں۔ ان کو محروم کرتے ہو اس حیثیت خاص سے وہ لوگ زیادہ مستحق ہیں۔

(کتاب 'کمالات امدادیہ' ص 13' کمال نمبر 14)
از مولانا اشرف علی تھانوی' مکتبہ الفرقان گوالمنڈی' لاہور۔

پیر مہر علی شاہ اور متعلقین کی خیر خواہی

مولانا فیض احمد فیض مہر منیر (سوانح حیات پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف) میں پیر مہر علی شاہ کی چشم دید اور آزمودہ خیر خواہی کے متعلق لکھتے ہیں:

حضرت کی عادت مبارک تھی کہ اپنے متعلقین سے نہایت وفاداری کا معاملہ فرماتے تھے۔ ہمیشہ انہیں نصیحت اور خیر خواہی سے نوازتے۔ ان کے حالات دریافت فرماتے۔ ان پر اس قدر نوازش فرماتے تھے کہ لوگ آپ کو محض پیر نہیں بلکہ اپنا ملجا و ماوی اور سب سے زیادہ خیر خواہ سمجھتے تھے۔ ہر غم کی کشادگی، ہر درد کی دوا، ہر تکلیف کا مداوا حضرت کی ذات تھی۔

ایک دفعہ مجھے عرق النساء کی تکلیف ہوئی۔ یہاں تک کہ چار پائی سے اٹھنا دشوار ہو گیا۔ درد کی شدت کے باعث غشی طاری ہو جاتی تھی۔ کروٹ بدلنے کی ہمت بھی نہ تھی۔ انہی دنوں حضرت کو پاک پتن شریف لے جاتے ہوئے کھٹہ محبوب میں قیام فرمانا تھا جہاں پر حاضری میری عادت مستمرہ تھی مگر تکلیف کی وجہ سے حاضری محال تھی، طلبہ کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں وہاں حاضر ہوئی۔ تو حضرت نے استفسار فرمایا۔ تمہارا مولوی کہاں ہے؟ انہوں نے میری حالت بیان کی۔ آپ نے اسی وقت میاں شیخ احمد مرحوم کو فرمایا کہ ایسے سوت کی سات تاندیں (تاریں) لاؤ جس کے کاتنے والی عورت کا باپ اور خسر دونوں زندہ ہوں۔ وہ منگوا کر ان پر دم کر کے اور چند گانٹھیں لگا کر طلبہ کو دیں اور فرمایا کہ انہیں مولوی صاحب کے گلے میں باندھا جائے۔ اتفاقاً مجھے اس شام نیند آ گئی اور دوبارہ وہی حالت دیکھی۔ اس کے بعد میں نے محسوس کیا کہ درد جاتا رہا اور جسم میں ایک گنا طاقت بھی آ گئی ہے۔ فوراً حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کو تیار ہو گیا اور دوسرے روز صبح کے وقت ستاواں ریلوے اسٹیشن پر حضرت کی قدم بوسی کے لیے کھڑا تھا۔ حضرت تشریف لائے تو دور ہی سے فرمایا، سنا ہے تم بیمار ہو گئے ہو، میں نے عرض کیا، آپ نے بے توجہی جو فرمائی تھی، بیمار کیوں نہ ہوتا۔ فرمایا، کیا توجہ نہیں کی؟ میں نے عرض کیا تو پھر کیا میں حاضر نہیں ہو گیا؟

(مہر منیر از مولانا فیض احمد فیض، ص 313، طبع لاہور)

باب ششم

خدمتِ خَلق و غوب پروری

حضرت غوث اعظمؒ کی غوب نوازی

حضرت شیخ عبدالقادر الحسنی الحسینی الجیلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ حج کے ارادہ سے نکلے۔ جب بغداد کے قریب حلہ نامی موضع میں پہنچے تو آپ نے حکم دیا کہ یہاں کوئی ایسا گھر تلاش کرو جو سب سے زیادہ ٹوٹا پھوٹا اور اجڑا ہوا ہو' ہم اس میں قیام کریں گے۔ اگرچہ وہاں کے امیروں اور رئیسوں نے بڑے اچھے اچھے مکانات آپ کے سامنے قیام کرنے کے لیے پیش کیے' لیکن آپ نے انکار فرما دیا۔ تلاش بسیار کے بعد ایسا ایک مکان مل گیا جس میں بڑھیا' بڈھا اور ایک بچی تھی۔ آپ نے بڑے میاں سے اجازت لے کر رات اس مکان میں گزاری اور وہ تمام نذرانے اور ہدایا جو نقد' جنس اور حیوانات کی صورت میں آپ کو پیش کیے گئے تھے' آپ نے یہ کہہ کر کہ میں اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں۔ وہ تمام کے تمام بڑے میاں کو دے دیئے۔ حاضرین نے بھی آپ کی موافقت میں تمام مال و اسباب ان بڑے میاں کو دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بوڑھے کو آپ کے مبارک قدموں کی برکت سے ایسی دولت عطا فرمائی کہ ان کی اطراف میں کسی کو نہ ملی۔

(ترجمہ اخبار الاخیار' ص 47-46)

حضرت غوث اعظمؒ اور ایک فقیر

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک روز ایک فقیر کو شکستہ خاطر ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا دیکھا' دریافت فرمایا کہ کس خیال میں ہو اور کیا حال ہے؟ عرض کیا کہ میں دریا کے کنارے گیا تھا۔ ملاح کو دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں تھا' کہ کشتی میں بیٹھ کر پار اترتا' ابھی اس فقیر کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ ایک شخص نے تیس اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی آپ کی نذر کی۔ آپ نے وہ تھیلی فقیر کو دے دی اور فرمایا' جاؤ ملاح کو دے دو۔

(اخبار الاخیار' (ترجمہ) ص 47
شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

شیخ عبدالقادر جیلانی اور خدمت خلق

معروف ہندوستانی عالم سید ابوالحسن علی ندوی نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے اوصاف و اخلاق کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ آنجناب کو غرباء' مساکین اور حاجت مند لوگوں پر خرچ کرنے اور انہیں کھانا کھلانے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ علامہ نجار نے اپنی تاریخ میں جمائی کے حوالے سے حضرت شیخ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

میں نے تمام اعمال کی تفتیش اور چھان بین کی تو میں نے ان میں کھانا کھلانے اور حسن اخلاق سے بڑھ کر کوئی افضل اور اشرف عمل نہ پایا۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا بھی میرے ہاتھ میں ہو تو میں وہ بھوکوں کو کھلا دوں۔ آپ نے فرمایا' میری ہتھیلیاں سوراخ دار ہیں جن میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی۔ اگر میرے پاس ہزار دنیار آ جائیں تو شام تک ایک دینار بھی نہیں بچے گا۔ صاحب قلائدالجواہر نے بیان کیا ہے کہ ہررات آپ دسترخوان بچھانے کا حکم فرماتے' جس پر ہزاروں مہمان' مسافر' امیر غریب سب مل کر کھانا کھاتے۔ آپ خود ضعیف' کمزور' شکستہ دل اور ان بے چاروں کے ساتھ بیٹھتے جنہیں معاشرے میں کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا۔ آپ کی اس شفقت اور ترحم سے انہیں اپنے افلاس اور غربت کا غم بھول جاتا۔ ہر آدمی یہی محسوس کرتا کہ آپ کو اس سے سب سے زیادہ پیار ہے جو ساتھی غائب ہوتا' اس کی خیریت دریافت فرماتے۔ ہر ایک سے محبت فرماتے' ان کی خطاؤں سے درگزر اور چشم پوشی فرماتے۔

(رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام: ص 225-226' طبع دمشق 1965ء)

حضرت ابوالحسن ؒ کے مہمانوں کا عجیب ایثار

حضرت ابوالحسن انطاکی خراسان کے شہرے میں رہتے تھے۔ ایک دن تیس سے زیادہ مہمان آ گئے اور روٹی تھوڑی تھی' تیاری کا موقع نہ تھا۔ رات کا وقت تھا' انہوں نے جتنی روٹیاں موجود تھیں' سب کے ٹکڑے کیے اور دسترخوان پر ان کو پھیلا کر سب کو بٹھانے سے پہلے چراغ گل کر دیا اور سب نے کھانا شروع کر دیا۔ سب کے منہ چلانے کی آواز آتی تھی۔ جب دیر ہوگئی' گویا سب بالکل فارغ ہوگئے تو چراغ جلا دیا گیا اور دسترخوان اٹھایا گیا۔ اس میں وہ سارے ٹکڑے بدستور رکھے تھے۔ سب ہی خالی منہ چباتے رہے۔ کسی نے بھی اس خیال سے نہ کھایا کہ اچھا ہے' دوسرے ہی کا کام چل جائے گا۔ صوفیاء کی پہچان ہی یہی ہے کہ وہ اپنے پیٹ اور نفس کے بندے نہیں ہوتے۔ وہ اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے جیتے ہیں۔ وہ خود بھوکے رہتے ہیں اور دوسروں کو کھلاتے ہیں' جو آدمی

پیٹ کا پجاری اور اپنے پیٹ پر ہاتھ مارنے والا ہے' وہ بھی صوفی نہیں ہو سکتا۔ تصوف و طریقت تو نام ہی خدمت خلق کا ہے۔

(مخزن اخلاق' ص 240)

حضرت ابوالحسن نوری کا کمال ایثار

حکایات میں یہ بات مشہور ہے کہ جب غلام الخلیل نے اس گروہ کے ساتھ جب اپنی عداوت ظاہر کی اور ہر ایک سے دشمنی کا اظہار کیا اور سرکاری آدمی حضرت نوری و حضرت رقام و حضرت ابو حمزہ کو پکڑ کر دارالخلافہ میں لے گئے اور غلام الخلیل نے کہہ دیا کہ یہ لوگ بے حقیقت اور بے دین ہیں۔ اگر امیرالمؤمنین ان کے قتل کا حکم فرمائے تو بے دینی کی جڑ کٹ جائے گی کیونکہ سب بے دینوں کے سرغنہ یہی لوگ ہیں اور جس کے ہاتھ سے یہ نیکی ہو' میں اللہ تعالی کے ہاں اس کے لیے بہت بڑے اجر کا ضامن ہوں۔ چنانچہ خلیفہ نے اسی وقت ان کی گردنیں اڑا دینے کا حکم دیا۔ جلاد آ گیا اور تینوں کے ہاتھ باندھ دیئے۔ جب جلاد نے حضرت رقام کے قتل کرنے کا قصد کیا تو حضرت نوری اٹھ کر بڑی خوشی سے حضرت رقام کی جگہ جلاد کے سامنے جا بیٹھے۔ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ جلاد نے آپ سے کہا' اے جوانمرد! یہ تلوار ایسی چیز نہیں ہے کہ کوئی ایسی رغبت سے اس کے سامنے آ جائے جیسے کہ تم آ گئے ہو۔ حالانکہ ابھی تک تمہاری باری نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا' یہ صحیح ہے کہ میری باری نہیں آئی لیکن میرا طریق ایثار پر مبنی ہے اور دنیا میں عزیز ترین چیز زندگی ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ یہ چند سانس بھی ان بھائیوں کے کام میں صرف کروں' کیونکہ دنیا کا ایک سانس آخرت میں میرے نزدیک ہزار سال سے بہتر ہے۔ اس لیے یہ دنیا عمل کا گھر ہے اور آخرت ثواب کا۔ اور ثواب خدمت کرنے پر ہی حاصل ہوتا ہے۔ جب قاصد نے یہ خبر خلیفہ کو پہنچائی تو خلیفہ آپ کی طبیعت کی رقت اور آپ کے کلام کی باریکی کی وجہ سے سخت متعجب ہوا اور آدمی بھیج کر حکم دیا کہ ان لوگوں کے معاملہ میں سردست توقف کیا جائے۔ ابوالعباس بن علی اس وقت قاضی القضاۃ تھے۔ چنانچہ ان کا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ وہ ان تینوں حضرات کو اپنے گھر لے گئے اور جو کچھ ان حضرات سے شریعت و حقیقت کے احکام کے متعلق دریافت کیا' اس میں ان کو درست پایا۔ وہ اپنی غفلت کی وجہ سے ان کے حال سے سخت پریشان و پشیمان ہوا۔ اس پر حضرت نوری نے فرمایا! اے قاضی آپ نے یہ سب کچھ تو پوچھا مگر پوچھنے کی بات نہ پوچھی۔

فان للہ عبادا یاکلون باللہ و یشربون باللہ ویلبسون باللہ و یقولون باللہ۔

"پس بلاشبہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کا کھانا' پینا' بیٹھنا اور بولنا سب اللہ کے ساتھ ہے"۔

کیونکہ ان کا قیام و قعود و نطق و حرکت و سکون سب اللہ کے ساتھ ہے' اسی کے ساتھ وہ زندہ ہیں اور اسی کے مشاہدہ سے ان کی بقاء ہے کہ اگر لحظہ بھر مشاہدہ حق ان کے حال سے منقطع ہو جائے تو ان کے وجود میں شور برپا ہو۔ قاضی صاحب آپ کے کلام کی دقت اور آپ کے حال کی صحت پر بڑے متعجب ہوئے اور خلیفہ کو لکھ دیا کہ اگر یہ لوگ ملحد ہیں' تو من الموحد فی العالم۔ "پھر جہان میں موحد کون ہے؟"۔ میں گواہی دیتا ہوں اور حکم کرتا ہوں کہ اگر یہ لوگ بے دین ہیں تو پھر روئے زمین پر کوئی موحد نہیں۔ خلیفہ نے ان حضرات کو بلا کر فرمایا۔ کوئی حاجت طلب کرو۔ انہوں نے فرمایا' ہمیں صرف یہ حاجت ہے کہ آپ ہمیں بالکل فراموش کر دیجئے۔ نہ ہمیں اپنے قبول سے مقرب بنائیے اور نہ اپنے ہجر سے راندہ درگاہ کیجئے کیونکہ آپ کا ہمیں چھوڑ دینا بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ رد کر دینا۔ خلیفہ رو پڑا اور عزت و احترام سے ان کو واپس کر دیا۔

(کشف المحجوب (ترجمہ) ص 291)

حضرت ابراہیم بن ادھم اور ساتھی کی خدمت

سہل بن ابراہیم کہتے ہیں: میں کچھ عرصہ حضرت ابراہیم بن ادھم کی صحبت میں رہا۔ ایک بار میں بیمار پڑ گیا' انہوں نے تمام سرمایہ اور اپنی کل پونجی میری تیمارداری پر خرچ کر ڈالی۔ مجھے کچھ کھانے کی خواہش ہوئی تو چونکہ گدھے کے سوا کوئی چیز ان کے پاس نہ تھی۔ اس لیے گدھے کو ہی بیچ ڈالا اور اس سے حاصل شدہ رقم مجھ پر خرچ کر ڈالی۔ اس واقعے کا مجھے کوئی علم نہ ہوا۔ جب میں ان کی مسلسل تیمارداری اور علاج معالجے سے روبصحت ہوا تو میں نے پوچھا' ابراہیم! گدھا کہاں ہے؟ فرمایا' بیچ دیا۔ میں نے کہا' میں کمزور آدمی ہوں اب میں کس پر سوار ہوں گا۔ فرمایا: میرے بھائی میری گردن پر۔ آپ کا یہ جواب محض طفل تسلی نہ تھا مجھے بہلانا نہ تھا بلکہ حقیقت پر مبنی تھا۔ اس کے بعد آپ مجھے کندھوں پر اٹھا کر تین منزل تک لے گئے۔ (امام ابوالقاسم قشیری: رسالہ قشیریہ ص 23)

شقیق بن ابراہیم اور آپ کا پڑوسی

شقیق بن ابراہیم مالدار تھے۔ نوجوان تھے اور نوجوانوں کی صحبت میں رہتے تھے۔ اس وقت بلخ کا حاکم علی بن عیسی بن ماہان تھا جسے شکاری کتوں سے بڑی محبت تھی۔

ایک بار اس کا ایک کتا گم ہو گیا۔ کسی نے شکایت کی کہ فلاں شخص کے پاس ہے۔ یہ شخص شقیق کے پڑوس میں رہتا تھا' جب اس کی تلاش ہوئی تو اس نے بھاگ کر شقیق کے گھر میں پناہ لی۔ شقیق حاکم کے پاس گئے اور کہا' کتا تو میرے پاس ہے۔ لہٰذا اس کا پیچھا چھوڑ دو۔ میں تین دن کے اندر اندر کتا تمہیں دے دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اس شخص کو چھوڑ دیا۔ شقیق واپس آیا' تو بہت فکر مند ہوا تھا۔ یہاں تک کہ تیسرا دن بھی آ گیا۔ شقیق کا ایک دوست بلخ سے کہیں گیا ہوا تھا اور اب بلخ واپس آ رہا تھا۔ راستہ میں اسے ایک کتا ملا جس کے گلا میں پٹہ پڑا ہوا تھا۔ اس نے اسے پکڑ لیا۔ اس خیال سے کہ وہ شقیق کو بطور تحفہ دے گا' کیونکہ وہ کتوں کا دلدادہ تھا۔ چنانچہ وہ کتا لے آیا۔ جب شقیق نے دیکھا تو وہی امیر کا کتا تھا۔ یہ دیکھ کر شقیق بہت خوش ہوا۔ کتے کو جا کر امیر کو دے دیا اور ضمانت سے پیچھا چھڑایا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شقیق اس واقعہ سے غفلت سے بیدار ہوا۔ اپنے اعمال سے توبہ کی اور طریق زہد اختیار کر لیا۔

(ترجمہ رسالہ قشیریہ' ص 61-60)

حضرت بایزید بسطامی اور ایک یہودی

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا یہودی ہمسایہ تھا۔ وہ سفر کو گیا ہوا تھا۔ اس کی عورت حاملہ تھی جس نے بچہ جنا۔ اس کے پاس اتنی بھی چیز نہ تھی کہ چراغ ہی لا کر روشن کرے' وہ بچہ تاریکی کے سبب روتا رہتا تھا۔ یہ خبر خواجہ صاحب نے سنی تو ہر روز بنئے کی دکان سے تیل خرید کر اس یہودی عورت کو دے جاتے۔ مدت بعد جب یہودی آیا تو عورت نے ساری کیفیت بیان کی۔ وہ شرمندہ ہوا اور خواجہ صاحب کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ آپ نے بڑی عنایت فرمائی۔ فرمایا' ہمسائیگی کا حق تھا اور یہ حق بہت بڑا ہوتا ہے۔ میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ ہمارے مذہب کا ہمیں یہی حکم ہے۔ ہماری شریعت میں ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید ہے۔ تیری عدم موجودگی میں تیرے اہل خانہ کی یہ چھوٹی سی خدمت کر کے میں نے ان پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ ہمسائیگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ حق بہت بڑا ہوتا ہے۔ یہودی نے عرض کیا اگر آپ کا مذہب آپ کو غیر مذہب لوگوں کے ساتھ بھی اس حسن سلوک اور ان حقوق کی تعلیم دیتا ہے تو میں بھی اس سچے اور پیارے مذہب کو قبول کرتا ہوں۔ لائیے اپنا دست کرم بڑھائیے اور مجھے دائرہ اسلام میں داخل فرمائیے۔ حضرت بایزید بسطامی کے یہودی کے گھر میں تیل کا دیا جلانے نے یہودی کے دل میں ایمان و کلمے کا دیا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جلا دیا۔

1 (شیخ عطار: تذکرۃ الاولیاء "اردو" ص 96)
2- (افضل الفوائد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء)' ص 15)

حضرت ابراہیم خواص اور بیمار کی خاطر اپنا گدھا بیچ دینا

ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے۔ وہ کسی شہر میں چالیس دن نہیں ٹھہرتے تھے' جہاں بھی وہ جاتے چالیس دن سے کم ٹھہرتے۔ پھر وہاں سے دوسری جگہ روانہ ہو جاتے۔ ان کا عمر بھر یہی معمول رہا۔ ایک دفعہ ایک نوجوان نے ان کے ساتھ رہنے کی التماس کی' ابراہیم خواص نے کہا تم میرا ساتھ نہیں دے سکتے۔ میں کبھی اس شہر میں ہوں' کبھی اس شہر میں۔ کبھی تو سامان ہوتا ہے اور کبھی سرے سے کوئی سامان ہوتا ہی نہیں' تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ وہ نوجوان ان کی یہ بات سن کر بھی باز نہ آیا۔ اس نے کہا' میں تو آپ کا ضرور ساتھ دوں گا۔ جب اس نے بہت اصرار کیا تو ابراہیم خواص مان گئے۔ الغرض ابراہیم خواص اپنے مقرر شدہ دستور کے مطابق شہر شہر گھومنے لگے وہ جہاں بھی جاتے۔ چالیس دن سے کم ٹھہرتے۔ گھومتے گھومتے وہ ایک جگہ پہنچے جہاں وہ نوجوان بیمار ہو گیا۔ خواجہ ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ اس کی بیماری کی وجہ سے اس جگہ تین مہینے ٹھہرے۔ بعد ازاں ایک دن اس نوجوان کا نان اور مچھلی کھانے کو جی چاہا' چنانچہ شیخ ابراہیم سے اس کا ذکر کیا' ان کے پاس ایک گدھا تھا۔ جس پر وہ کبھی کبھی سفر کے دوران میں سوار ہو جایا کرتا تھا۔ اس گدھے کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور سامان نہ تھا کہ جس کے بیچنے سے انہیں کچھ پیسے مل جاتے۔ بہرحال انہوں نے وہ گدھا بیچ دیا اور اس نوجوان کی خواہش پوری کر دی۔ جب کچھ عرصہ گزرا اور وہ نوجوان قدرے صحت یاب ہو گیا تو خواجہ ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ نے عزم سفر کیا۔ نوجوان نے ان سے کہا کہ اپ اپنا گدھا مجھے دے دیں تاکہ میں اس پر سوار ہو کر آپ کے ساتھ چل سکوں۔ اس وقت ابراہیم کو ضرورت پڑی کہ اس نوجوان کو صورت حال سے آگاہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے اسے بتایا کہ میں نے وہ گدھا بیچ دیا اور اس کی قیمت سے تمہارے لیے نان اور مچھلی کا انتظام کیا۔ الغرض اس جگہ سے وہ دونوں ایک سمت کو روانہ ہو گئے اور تین دن تک خواجہ ابراہیم اس نوجوان کو اپنی پشت پر اٹھائے چلتے رہے۔

(فوائد الفواد' ص 340)

حضرت ابراہیم خواص اور ساتھی کی خدمت

درویش کہتا ہے کہ ایک دفعہ میں کوفہ سے مکہ کے ارادہ سے جارہا تھا۔ میں نے حضرت ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ کو راستہ میں پایا۔ ان سے صحبت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا' صحبت کے لیے ایک امیر چاہیے اور ایک حکم ماننے والا۔ کیا تو چاہتا ہے کہ تو امیر ہو یا میں؟ میں نے کہا' امیر آپ ہو جایئے۔ آپ نے فرمایا' اب تجھے میرے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا ہو گا۔ میں نے کہا بجا ہے۔ اس نے بیان کیا ہے کہ جب ہم منزل پر پہنچے تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔ بیٹھ جا' میں نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے کنوئیں سے پانی نکالا۔ سردی تھی' ایندھن جمع کیا اور آگ روشن کر کے مجھے گرم کیا میں جس کام کا ارادہ کرتا فرماتے تھے بیٹھ جا۔ اور میں چونکہ حکم کی شرط ملحوظ رکھتا۔ اس لیے خاموش ہو جاتا۔ جب رات ہوئی' بارش بہت برسنے لگی' آپ نے اپنی گدڑی نکالی اور صبح تک میرے سر پر کھڑے رہے۔ گدڑی ہاتھوں پر ڈالے ہوئے تھے اور میں شرمندہ ہو رہا تھا اور شرط کی رو سے کوئی بات نہ کہہ سکتا تھا۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ جب صبح ہوئی تو میں نے کہا' اے شیخ! آج امیر میں ہوں۔ آپ نے فرمایا' بہت بہتر۔ جب ہم منزل پر پہنچے تو آپ نے وہی خدمت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ میں نے کہا' میرے حکم سے آپ باہر نہ ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ فرمان سے وہ شخص باہر نکلتا ہے جو امیر کو اپنی خدمت سپرد کرے۔ مکہ تک اسی طرح آپ میرے ساتھ صحبت رکھی' جب ہم مکہ پہنچے تو میں مارے شرم کے بھاگ گیا۔ یہاں تک کہ منیٰ میں آپ نے مجھے دیکھا اور کہنے لگے' بیٹا! تجھ پر لازم ہے کہ درویشوں کے ساتھ ایسی صحبت رکھے جیسی میں نے تیرے ساتھ رکھی۔

(کشف المحجوب "ترجمہ" ص 506)

حضرت بایزید بسطامی اور ماں کی خدمت

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جتنے بھی مراتب حاصل ہوئے' سب والدہ کی اطاعت سے حاصل ہوئے۔ ایک مرتبہ میری والدہ نے رات کو پانی مانگا۔ اتفاق سے اس وقت گھر میں قطعاً پانی نہ تھا۔ چنانچہ میں گھڑا لے کر نہر سے پانی لایا مگر میری آمدورفت کی تاخیر کی وجہ سے والدہ کو پھر نیند آ گئی اور میں رات بھر پانی لیے کھڑا رہا حتی کہ شدید سردی کی وجہ سے وہ پانی آبخورے میں منجمد ہو گیا اور جب والدہ کی بیداری کے بعد میں نے انہیں پانی پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم نے پانی رکھ دیا ہوتا۔ اتنی دیر کھڑا رہنے کی کیا ضرورت تھی' میں نے عرض کیا کہ محض اس خوف سے کھڑا رہا کہ مبادا آپ نہیں بیدار ہو کر پانی نہ مانگیں اور آپ کو تکلیف پہنچے۔ یہ سن کر انہوں نے مجھے دعائیں دیں۔ اسی طرح

ایک رات والدہ نے فرمایا کہ دروازے کا ایک پٹ کھول دو، لیکن میں رات بھر اسی پریشانی میں کھڑا رہا کہ نہ معلوم داہنا پٹ کھولوں یا بایاں۔ کیونکہ اگر ان کی مرضی کے خلاف غلط پٹ کھل گیا تو حکم عدولی میں شمار ہو گا۔ چنانچہ انہیں خدمتوں کی برکت سے یہ مراتب مجھ کو حاصل ہوئے۔

(شیخ عطار: تذکرۃ الاولیاء، ص 90)

حضرت عبداللہ مروزی اور ہمسفر کی خدمت

ابو علی رباطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں عبداللہ مروزی رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت میں رہا، ان کی صحبت میں میرے آنے سے پہلے وہ بیابان میں زاد سفر لیے بغیر چلے جاتے تھے۔ جب میں ان کی صحبت میں آیا تو فرمایا: کیا پسند کرتے ہو، آیا تم حکم دینے والا بننا چاہتے ہو یا میں بنوں۔ میں نے کہا آپ ہی حکم دینے والے بنیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا، اب تم پر لازم ہو گا کہ تم میری اطاعت کرو۔ میں نے کہا، جی ہاں۔ پھر آپ نے ایک تھیلا لیا اور اس میں زاد سفر ڈالا اور اپنی پشت پر ڈال لیا۔ جب میں کہتا کہ جناب مجھے اٹھانے دیجئے تو آپ فرماتے، کیا میں تمہارا امیر نہیں ہوں، لہٰذا تجھے میری اطاعت کرنی چاہیے۔ ابو علی کہتے ہیں کہ ایک رات بارش آگئی تو وہ رات بھر میرے سر پر چادر لیے کھڑے رہے اور میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ بارش کو روک رہے تھے۔ میں دل میں کہتا کہ کاش میں مر جاتا اور یہ نہ کہتا کہ آپ امیر ہیں۔ آپ نے مجھے کہا جب کوئی شخص تمہاری صحبت میں رہے تو تم اس سے اسی طرح صحبت رکھنا جیسا کہ تو نے مجھے دیکھا ہے یا اسی قسم کے کچھ اور الفاظ کہے۔

یہ واقعہ حضرت ابراہیم کے حوالے سے پیچھے بیان ہوا ہے۔

1۔ (کتاب اللمع فی التصوف از ابونصر سراج طوسی، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص 267)
2۔ (ترجمہ رسالہ قشیریہ ص 444، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد)
3۔ (مذاق العارفین اردو ترجمہ احیاء العلوم، ج 2، ص 233، مطبوعہ، لاہور)

علی بن طلق کا حج کا زادِ راہ ہمسایہ کو دے دینا

شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی نے فرمایا: فوائدالفواد شریف میں ایک روایت آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔ میں حطیم میں سویا ہوا تھا۔ دو شخص میرے پاس آکر کھڑے ہوگئے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ اس سال کتنے آدمی حج پر آئے ہیں، دوسرے نے کہا، سات لاکھ آدمی۔ میرے دل میں خیال آیا، اتنے

آدمیوں کا شمار کرنا ناممکن ہے۔ معلوم ہوتا ہے' یہ دونوں فرشتے ہیں۔ سوال کرنے والے نے پوچھا' کتنے آدمیوں کا حج منظور ہوا ہے۔ دوسرے نے جواب دیا' کسی کا حج بھی منظور نہیں ہوا۔ پھر پوچھا' کتنے آدمی بخشے گئے؟ جواب ملا تمام بخشے گئے۔ سوال کیا' حج کسی کا منظور بھی ہوا ہے یا نہیں' فرمایا: صرف ایک شخص کا حج منظور ہوا ہے جو حاضر بھی نہیں ہوا۔ سوال کیا' یہ لوگ کس کے طفیل بخشے گئے' جواب دیا' علی ابن طلق کے طفیل۔ سوال کیا' علی ابن طلق کون اور کہاں کے رہنے والے ہیں۔ جواب دیا دمشق میں فلاں محلّہ کے رہنے والے ہیں اور موچیوں کا کام کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں۔ جب میں جاگا تو ارادہ کیا جس شخص کے طفیل سات لاکھ آدمیوں کی بخشش ہوئی ہے اور اس کا حج بھی گھر بیٹھے منظور ہوا ہے۔ اس شخص کی ضرور زیارت کروں گا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ سے فارغ ہوکر میں دمشق گیا' اس شخص کو نام اور مقام کی وجہ سے تلاش کیا نہ ملا لیکن تہیہ کر لیا' ضرور زیارت کر کے رہوں گا۔ بہت سے دن وہاں اسی تلاش میں گزارے۔ بالآخر ایک روز پہنچ گیا' ایک شخص موچیوں کا کام کر رہا تھا۔ اس کے پاس گیا' نام پوچھا اس نے علی ابن طلق بتایا وہیں بیٹھ گیا۔ اسے کہا میں آپ کی تلاش میں رہا ہوں اور بڑی مدت کے بعد مجھے آپ کی ملاقات نصیب ہوئی۔ اس نے پوچھا اس سال آپ حج پر گئے ہیں یا نہیں' انہوں نے نہایت حسرت بھری آواز میں جواب دیا' بلکہ آنکھوں سے پانی آنسوؤں کی شکل میں بھر آیا اور کہا کہ اس سال حج پر نہیں جا سکا۔ سبب پوچھا تو بتایا کوئی عذر ہے۔ میں نے عرض کیا وہی عذر تو پوچھنا ہے۔ جواب دیا میں نے حج کی تیاری کی' سامان وغیرہ باندھا لیکن میرے گھر میں بچہ پیدا ہونے کا وقت آ گیا۔ میرے ہاں پہلے بچہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی امید تھی۔ جب اہلیہ کو زیادہ تکلیف ہوئی' انہوں نے کہا' اس وقت میرا دل گوشت کھانے کو چاہتا ہے۔ میں نے سوچا' بازار سے لانے اور پکانے میں دیر ہو جائے گی۔ گھر والوں نے بتایا' مجھے معلوم ہوتا ہے' شاید پڑوسیوں کے ہاں گوشت پکا ہے۔ میں نے وہاں جاکر پوچھا' انہوں نے بتایا جی ہاں' گوشت ہم نے پکایا ہے۔ تھوڑا سا سالن مانگا' انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے کہا پورے دنبے کی رقم دیتا ہوں لیکن نہ مانے۔ بالآخر انہوں نے کہا کہ تو امیر آدمی ہے۔ ہم نے بھوک کی وجہ سے حرام گوشت پکایا ہے۔ مسکین اور مضطرب کے لیے تو حرج نہیں۔ ہم نے جب بال بچوں کی اضطرابی اور بھوک کی شدت دیکھی تو باہر ایک گدھا مرا پڑا تھا اس سے گوشت کاٹ لائے اور پکا رہے ہیں۔ تیرے لیے تو حرام ہے تجھے کس طرح دیں۔ یہ سن کر مجھے بہت افسوس ہوا' واپس گھر آیا۔ جتنا سامان حج کا باندھا رکھا تھا' تمام اٹھا کر انہیں دے دیا اور معافی بھی مانگی کہ گذشتہ حالات میری بے خبری اور ناواقفیت کے عالم

میں ہوئے ہیں۔ آئندہ تمہارا لحاظ پہلے رکھوں گا اور بعد میں میرے بچے کھائیں گے۔ لہٰذا میں تو اس لیے حج پر حاضر نہ ہو سکا۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا: اے شخص تجھے مبارک ہو حج بھی اس سال صرف تیرا منظور ہوا اور تیرے طفیل سات لاکھ آدمی (حاجی) بخشے گئے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کے واقعہ پر یہ بھی آپ نے فرمایا کہ حضرت علی ابن طلق نے پڑوسی کا لحاظ رکھا اور اپنا حج موقوف کر دیا۔ پڑوسی کے حق کو پہچانا تو اللہ تعالیٰ نے اسے گھر بیٹھے حج کا ثواب دے دیا۔ آج کل ہم لوگ حج پر دوڑ جاتے ہیں حالانکہ پڑوسیوں کے حالات سے واقف ہوتے ہوئے پرواہ نہیں کرتے۔

(انوار قمریہ' ص 207-208-209)

خواجہ غریب نواز اجمیریؒ اور حق ہمسائیگی

ہمسائیوں میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو میت کے ہمراہ ضرور تشریف لے جاتے۔ نماز جنازہ اور تدفین کے بعد جب تمام لوگ واپس چلے جاتے تو اکیلے اس کی لحد پر بیٹھے رہتے اور دعائیں جو اس وقت کے لیے موزوں ہیں پڑھتے۔ ایک بار ایک پڑوسی فوت ہو گیا تو حسب سابق جنازہ کے ساتھ گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بھی معیت میں تھے' لوگوں کے جانے کے بعد تک حضرت خواجہ ہمسایہ کی قبر پر ٹھہر گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا اور پھر اسی وقت اصلی رنگ پر آ گیا اور آپ الحمد اللہ فرماتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت قطب الدین نے چہرے کے رنگ کے بدلنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا: قبر میں عذاب کے فرشتے آئے تھے' لیکن پھر رحمت الٰہی نازل ہوئی۔ خود بھی عذاب قبر سے بے حد خائف رہتے تھے جب کبھی قبر کا تذکرہ آتا تو سکتہ طاری ہو جاتا اور کبھی چیخیں مار کر روتے۔

(بزم صوفیہ' ص 47)

حضرت محبوب الٰہیؒ اور خدمت خلق

ابتدائی زمانہ میں حضرت محبوب الٰہی لوگوں کے ہجوم سے بہت گھبراتے تھے۔ جب غیاث پور آ کے مقیم ہوئے تو کیقباد کی وجہ سے وہاں خلقت کا ہجوم بڑھ گیا۔ آپ نے چاہا کہ وہاں سے کہیں اور منتقل ہو جائیں مگر آپ یہ خوب جانتے تھے کہ کسی ویرانے میں عبادت و ریاضت کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ مخلوق میں رہ کر اس کی اصلاح حال کی فکر کی

جائے۔ لہٰذا آپ نے یہی فیصلہ فرمایا کہ غیاث پور کی اقامت برقرار رکھی جائے، لیکن وہاں زندگی بڑی عسرت اور تنگدستی میں گزاری۔ بعض اوقات تین تین دن کے مسلسل فاقے ہو جاتے تھے۔ اس فقر میں بھی استغنا کا یہ عالم تھا کہ سلطان جلال الدین خلجی نے گاؤں پیش کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو تمہارے گاؤں کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن جب آپ پر فتوح کے دروازے کھلے ہزاروں آدمی ان کے لنگر سے کھانا کھانے لگے۔ اس وقت بھی ان کا یہ حال تھا کہ مسلسل روزے رکھتے اور سحری کے وقت صرف اس لیے کچھ نہ کھاتے تھے کہ شہر میں کہیں کوئی بھوکا نہ سو رہا ہو۔ خلق کی اس دردمندی نے آپ کو اقلیم دل کا تاجدار بنا دیا تھا۔ کوئی شخص اگر اپنی لڑکیوں کی شادی کے لیے پیسہ سے پریشان ہو کر آپ کی خدمت میں آتا تو آپ اس کو اس قدر دیتے کہ اس کی حاجت روائی ہو جاتی۔ پچھلی رات اکثر لوگوں کے لیے دعا کرتے جو دن میں آپ سے دعا کے لیے طالب ہوتے اور دعا بھی اس انداز سے کہ ایک ایک کی تکلیف خود پر طاری کر لیتے۔ تڑپ کر باب اجابت پر نعرے مارتے۔

حضرت بابا فرید نے ایک مرتبہ محبوب الٰہی کے حق میں دعا فرمائی تھی کہ:

"خدا تجھے ایسے سائے دار درخت کی مانند بنائے کہ تھکے ہارے مسافر اس کے نیچے سکون کا سانس لے سکیں"۔

یہ دعا مقبول ہوئی اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کی خانقاہ میں لوگ مضطرب آتے اور سکون کی دولت سے مالا مال ہو کر لوٹتے، روتے ہوئے آتے، دلی مسرتوں سے مالا مال ہو کر لوٹتے۔ جو شخص جس وقت بھی باریاب ہونا چاہتا، آپ اجازت مرحمت فرما دیتے۔
(اسلام کی زندہ تحریک چشتیت: ص 122-121، مؤلفہ "عبدالغفور غوری")

حضرت محبوب الٰہی کا عام لنگر

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت جب اپنے مرشد کی خدمت میں تھے، تو ایک موقع پر اپنی دستار رہن رکھ کر مرشد کے لیے لوبیا خریدی اور اس کو جوش دے کر ان کی خدمت میں پیش کیا۔ اس میں نمک ایسے مناسب انداز سے ڈالا گیا تھا کہ مرشد کو بہت پسند آیا۔ انہوں نے اپنے محبوب مرید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے لوبیا بہت اچھی پکائی، نمک بھی خوب ڈالا، خدا کرے تمہارے باورچی خانہ میں 70 من نمک خرچ ہوا کرے۔ مرشد کی دعا سے حضرت محبوب الٰہی کا مطبخ ہمیشہ گرم رہا۔ کئی ہزار

فقراء اور مساکین روزانہ کھانا کھاتے۔ (بزم صوفیہ ص 213)

مولانا مناظر احسن گیلانی نے حضرت محبوب الہی کے عام لنگر اور غوب پرور کے متعلق خوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

آج جن میزوں پر الوان نعمت کے لقموں کے ساتھ غریبوں کا دکھڑا رویا جاتا ہے' گویا یہ بھی ایک قسم کا حدیث المائدہ (ٹیبل ٹاک) اور ہضم کرنے کا چورن ہے' ان کو کیا معلوم کہ اسلامی تاریخ میں غریبوں اور امیروں کے درمیان صوفیہ اسلام کی یہی خانقاہیں درمیانی کڑی کا کام دیتی تھیں' ان بزرگوں کا دربار وہ دربار تھا' جہاں سلاطین بھی خراج داخل کرتے تھے' خود سلطان المشائخ کا کیا حال تھا تو کہ ولی عہد سلطنت خضر خان تک اسی دربار کا حلقہ بگوش تھا' علاء الدین جو سارے ہندوستان سے خراج وصول کرتا تھا' لیکن ایک خزانہ وہ بھی تھا' جس میں اسے بھی مالگزاری داخل کرنی پڑتی تھی۔ اسی بادشاہ کے ذکر میں طباطبائی نے لکھا ہے:

"شیخ نظام الدین معروف باولیاء در زمان او (علاء الدین) بود اگرچہ سلطان در ظاہر باشیخ ملاقات نمی کرد' امابار سال رسل و رسائل و تحائف و ہدایا رسم اخلاق می سپرد"۔

علاء الدین کو جتنا بھی بے شعور قرار دیا جائے لیکن آخر دور والوں کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو کیا اتنے قوب سے بھی اپنی فوجی قوت کے حقیقی مخزن کو وہ نہیں دیکھ سکتا تھا' میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ایک دلیل ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان کی فوجی قوت نے غیر معمولی طور پر جو اہمیت حاصل کر لی تھی' اس کی تہہ میں حضرت سلطان المشائخ کے توحیدی جوش و خروش کا زور چھپا ہوا تھا' خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہی خانقاہیں تھیں جن کے ذریعہ سے ملک کے عام غرباء فقراء تک ان کا حصہ پہنچایا جاتا تھا اور یہی مطلب ہے' اس مشہور فقرہ کا کہ "مال صوفی سبیل ست" (فوائد الفواد' ص 95) یعنی راستوں پر پانی پلانے کی جو سبیلیں لوگ کھولتے ہیں اور ہر آنے جانے والے کو اختیار ہے کہ بغیر کسی معاوضہ کے پانی پیئے' صوفیہ کے پاس جو آمدنی آتی ہے' اس کا بھی یہی حال ہے' فوائد الفواد میں سلطان المشائخ کے حوالہ سے بھی یہ فقرہ نقل کیا گیا ہے۔ خود سلطان جی نے وفات سے پہلے حکم دیا کہ جو کچھ غلہ سازوسامان میری خانقاہ میں ہے' اسے لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے اور وفات ہی کے وقت نہیں۔ یوں بھی عام دستور ساری زندگی میں یہی رہا کہ جو کچھ آمدنی ہفتہ بھر میں ہوتی' وہ تقسیم ہوتی رہتی تھی' اور

در ہر جمعہ تجرید فرمودے۔ حجرہا و انبار خانہا خالی کنانیدے چنانکہ جاروب می کردند بعدہ در مسجد جمعہ رفتے۔

میر خورد نے لکھا ہے کہ اگر کسی دن اتفاق سے غیر معمولی آمدنی آجاتی یعنی'

وقتے اگر فتوح گراں رسیدے گر یہ بیش تر کردے وجہد بیش تر فرمودے که زود تر تفرقہ۔ کنید و ساعۃ فساعۃ کساں می فرستاد کہ تفرقہ کردند؟

گویا مسلسل آدمی پر آدمی بھیجتے چلے جاتے' پوچھتے کہ تقسیم سب خرچ ہو گیا۔

چوں می شنیدند کہ در حال قسمت کردند و بعضتا جاں رسانیدند خاطر مبارک قرار گرفتے۔ (ص 131)

میر خورد نے یہ بھی لکھا ہے کہ علاوہ دستر خوانی طعام کے سلطان جی کا قاعدہ تھا کہ افطار اور نماز مغرب کے بعد بالاخانہ پر تشریف لے جاتے' مغرب اور عشاء کے وقت ہر قسم کے لوگوں کو آنے کی اجازت تھی' اس وقت بھی'

"از ہر جنس میوہائے خشک و ترو ماکولات و مشروبات لطیف و لذیذ پیش می آوردند و آں عزیزاں تناول می کردند و ایشاں را دلداری می فرمود' و از عالم ہر یکے پرسش می کرد"۔

یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ معاملہ صرف واقعی کھلانے پلانے ہی کی حد تک محدود تھا' خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے غریبوں کو کپڑے' لباس' جوتے اور دوسری ضرورت کی چیزیں ملتی رہتی تھیں۔ میر خورد نے ایک موقع پر لکھا ہے:

"آئندہ و رونده از غوب و شہری ہر کہ بیامدے و سعادت پائے بوس حاصل کردے ہیچ کس را محروم نگذاشتے از جامہ و جیتل و تحف و ہدایا کہ از عالم غیب رسیدے ہمہ بہ مصرف رسانیدے و ہر کہ آمدے بہر وقت کہ آمدے توقف نہ نمودے در حال پیش می فرمودند"

یعنی ملنے کے لیے جو بھی جس وقت آتا حکم تھا کہ فوراً اس کو خدمت اقدس تک پہنچا دیا جائے۔

(ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت: ص 214-215)

خواجہ نظام الدینؒ اور مہمان کی خدمت

خواجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ کبیر کی خدمت میں اجودھن حاضر تھا۔ ایک عالم جو میرے دوست اور ہم درس تھے اور ہم دونوں ایک ساتھ مذاکرہ کرتے تھے جب اجودھن آئے تو انہوں نے مجھے پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا تو بڑی حیرت و تاسف سے مجھ سے کہا' مولانا نظام الدین تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے۔ اگر تم شہر میں درس و تدریس

کی خدمت میں مشغول رہتے تو مجتہد زمانہ ہوتے اور بڑی شان و شوکت سے رہتے۔ میں نے اپنے دوست کی یہ بات سنی اور ان سے معذرت کر دی۔ اس کے بعد شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے خود بخود فرمایا کہ نظام! اگر تمہارا کوئی دوست تمہیں ملے اور تم سے کہے کہ تم نے اپنا کیا حال بنالیا ہے اور تعلیم و تعلم کا وہ سلسلہ کیوں چھوڑ دیا جو فارغ البالی اور خوشحالی کا ذریعہ بنتا اور یہاں اس حال میں کیوں ہو۔ تو تم اس کا کیا جواب دو گے۔ میں نے عرض کیا کہ جو ارشاد عالی ہو وہی کہہ دوں گا۔ فرمایا اگر کبھی کوئی ایسا سوال کرے تو یہ شعر پڑھ دینا۔

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیرو برو
ترا سلامتی بادا مرا نگو نساری

اس کے بعد حکم ہوا کہ خانقاہ کے مطبخ سے مختلف قسم کے کھانے ایک خوان میں اپنے سر پر رکھ کر اس رفیق کے پاس لے جاؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ میرے دوست نے جب یہ منظر دیکھا تو روتا ہوا دوڑا اور میرے سر سے خوان اتارا اور کہنے لگا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ میں نے سارا قصہ سنایا' اس نے سن کر کہا کہ تمہارے شیخ ایسے ہیں کہ انہوں نے تم کو بے نفسی کے اس مقام پر پہنچا دیا ہے۔ مجھے بھی ان کی خدمت میں لے چلو۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو اپنے ملازم سے کہا کہ یہ خوان اٹھا اور ہمارے ساتھ چلو۔ میں نے کہا کہ نہیں جیسے میں یہ خوان اپنے سر پر رکھ کر لایا ہوں ویسے ہی سر پر رکھ کر لے جاؤں گا۔ غرض ہم دونوں خدمت بابرکت میں پہنچے اور ہمارے دوست نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت و توبہ کی۔ اور آپ کے حلقہ خدام میں داخل ہو گیا۔

(بحوالہ سیرالاولیاء' ص 239-240)
(تاریخ دعوت و عزیمت' حصہ سوم' ص 65-66)

حضرت چراغ دہلویؒ اور زائرین

شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے ابتدائے حال میں امیر خسرو کے ذریعہ پیر سے درخواست کی تھی کہ ان کو کسی تنہائی کے مقام پر رہ کر عبادت کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ حضرت محبوب الٰہی نے جواب دیا: "شیخ نصیرالدین سے کہہ دو کہ تمہیں خلق میں رہنا اور لوگوں کے جور و ظلم کے مصائب جھیلنے چاہئیں اور ان کے عوض میں بذل و ایثار اور سخاوت و بخشش کرنا چاہیے

پیرو مرشد کے اس فرمان پر وہ آخری دم تک عامل رہے۔ کوئی جفا اور قفا ایسی نہ تھی جس سے انہیں دوچار ہونا نہ پڑا ہو' لیکن ان کی زبان پر کبھی حرف شکایت نہ آیا اور ان کے پائے ثبات میں کبھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔

ان کی خانقاہ میں عقیدت مندوں کے ہجوم کا یہ حال رہتا تھا کہ ان کو سونے کا وقت تک نہ ملتا تھا۔ ایک دن خود فرمانے لگے: "اب مجھ کو فرصت مشغولی اور خلوت کی نہیں ہے۔ دن بھر مخلوق کے ساتھ رہنا پڑتا ہے بلکہ قیلولہ بھی اکثر میسر نہیں ہوتا۔ بارہا قیلولہ کرنا چاہتا ہوں' جگا دیتے ہیں کہ فلاں آیا ہے' اڈھبے"۔
(تاریخ مشائخ چشت' ص 181-183' بحوالہ سیر الاولیاء و خیر المجالس)

شیخ بہاؤالدین زکریاؒ اور فقراء

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا کے مطبخ میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے' لیکن ان کو ان نعمتوں کے کھانے میں اسی وقت لذت ملتی' جب وہ مہمانوں' مسافروں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے۔ جس شخص کو دیکھتے کہ وہ کھانا رغبت سے کھاتا ہے تو اس کو بہت دوست رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ فقراء کی ایک بڑی جماعت دسترخوان پر شریک تھی' حضرت بہاؤالدین زکریا نے ہر فقیر کے ساتھ ایک لقمہ کھایا' ایک فقیر کو دیکھا کہ روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا ہے۔ فرمایا' سبحان اللہ ان سب فقیروں میں یہ فقیر خوب کھانا جانتا ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ثرید کو کھانوں پر وہی فضیلت ہے جو مجھے تمام انبیاء پر ہے اور عائشہ کو تمام دینائی عورتوں پر ہے۔ (بزم صوفیہ ص 94)

ملتان میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا اور حاکم وقت کو غلے کی ضرورت ہوئی۔ حضرت شیخ بہاؤالحق زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی مقدار میں غلہ اس کے پاس بھجوایا۔ جب غلہ اس کے پاس پہنچا تو نقرئی ڈھکوں سے بھرے ہوئے سات کوزے بھی نکلے۔ ملتان کے حاکم نے آپ کو اس کی اطلاع دی' فرمایا ہمیں پہلے سے معلوم تھا' ہم نے غلے کے ساتھ ڈھکے بھی دیئے۔ ہمارا تو وظیفہ ہی فقراء حاجتمندوں کی خدمت کرنا ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے یہ غرباء و مساکین کے لیے وقف ہے۔

(تذکرہ صوفیائے پنجاب' ص 122)

مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ اور ایک سید سائل

حضرت جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کے رشد و ہدایت کے زمانے میں ان کی

خانقاہ میں دن بھر جتنی چیزیں آتیں' رات تک تقسیم کر دی جاتیں۔ فرماتے یہی ترک و تجرید باطن میں محبت پیدا کرتی ہے' پھر محبوب کے سوا کسی اور چیز کی طلب نہیں ہوتی۔ جب کوئی چیز پاس نہیں ہوتی تو قرض لے کر مدد فرماتے اور کہتے کہ حاجت کے وقت مسلمان اور کافر سے قرض لینا درست ہے۔ ایک بار ایک سید آئے اور اپنے لیے کفن کا کپڑا مانگا اس وقت کوئی کپڑا نہ تھا اور نہ دام تھے۔ جاڑے کا بستر موجود تھا' خادموں سے فرمایا' جاڑے کا موسم ختم ہو چکا ہے' بستر سے روئی نکال لو اور کپڑا کفن کے لیے دے دو۔ روئی بیچ کر دام رکھ لو تاکہ درویشوں کے وظیفہ کے کام آئے۔ یہ کہہ کر نماز پڑھنے لگے۔ خادم خاص نے ایسا ہی کیا اور کہنے لگا' قطب عالم کیسی شفقت رکھتے ہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی' **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین**۔ حضرت جلال الدین نے آیت سنی تو نماز توڑ دی اور فرمایا' یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے کسی اور کے لیے نہیں ہو سکتی۔

(الدرالمنظوم' ص 452' بحوالہ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں' ص 141-142)

شاہ فخرالدین دہلوی کا غریب بڑھیا کو حج کا زاد راہ دے دینا

حضرت مولانا شاہ فخرالدین رحمتہ اللہ علیہ کا اخلاق نہایت اعلی تھا۔ آپ خندہ پیشانی سے ملا کرتے تھے۔ کسی کو مصیبت میں دیکھتے تو اس وقت تک چین نہ پاتے' جب تک کہ اس کی مدد کر کے اس کی حاجت روائی نہ کر دیتے۔ ایک مرتبہ ارادہ حج سے روانہ ہوئے مگر راستہ میں ایک بڑھیا نے سوال کیا اور عرض کیا کہ مجھے اپنی لڑکی کی شادی کرنی ہے اور میرا یہ حال ہے کہ فاقہ کرتی ہوں۔ اگر آپ دستگیری فرمائیں تو میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ شاہ صاحب نے اس کی داستان سن کر سفرِ حج کا سارا خرچ اس کے حوالے کیا اور دہلی واپس آ گئے۔ آپ طبعًا اس قدر رحیم تھے کہ کسی کو آزردہ اور ملول نہیں دیکھ سکتے تھے۔ آپ کے حسنِ اخلاق سے دشمن تک متاثر ہوتے تھے۔ (مناقب فخریہ)

ایک مرتبہ ایک افغانی نے آپ کی خانقاہ میں آ کر آپ پر حملہ کر دیا۔ خدام نے اس کو پکڑ کر قابو کر لیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دو اور اپنا سر مبارک زمین پر ڈال کر فرمایا' ہم حاضر ہیں تم جو چاہو کر گزرو۔ اب تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔ وہ شخص اس وقت تو چلا گیا مگر تھوڑی دیر کے بعد دو ساتھی لے کر پھر آیا۔ آپ فوراً حسب عادت ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے اور ان کی خیریت معلوم کی۔ اس مرتبہ آپ کے اخلاق نے پورے طور پر کام کیا۔ وہ تینوں آپ کے قدموں پر گر گئے اور اپنے ناپاک ارادوں کی معافی مانگ کر تلافی کی۔

1۔ (تاریخ مشائخ چشت' ص 483 طبع کراچی)
2۔ (اسلام کی زندہ تحریک چشت' "عبدالغفور غوری" ص 187)

شاہ نظام الدین اورنگ آبادی اور حاجتمند لوگ

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوضات میں لکھا ہے کہ حضرت اورنگ آبادی کی خانقاہ کے دس دروازے تھے۔ ہر در پر ایک کاتب بیٹھا رہتا تھا جو حاجت مند آتا' اس کی حاجت کو لکھ کر دے دیتا۔ اس پر حضرت کی مہر لگادی جاتی تھی جس کا سجع تھا۔

ذکر	مولے	از	ہمہ	اولے
در	رعایت		دلہا	بکوش
نظام	دین		بدنیا	مفروش

حاجت مند یہ پرچہ جس امیر کے پاس لے جاتا' وہ اس کی حاجت براری کو اپنے لیے سعادت دارین سمجھتا تھا۔ خانقاہ کے دروازے ہر شخص کے لیے کھلے ہوئے تھے۔
(تاریخ مشائخ چشت' ص 437' بحوالہ فخرالطالبین)

شیخ نورالحق کی خدمت خلق

شیخ نورالحق جو بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے' اپنے والد محترم کی خانقاہ کے درویشوں اور فقیروں کی خدمت کرتے تھے۔ ان کے کپڑے بھی اپنے ہاتھ سے دھویا کرتے تھے۔

ایک روز آپ کے والد شیخ علاؤالدین نے کہا' نورالحق دیکھو' یہ عورتیں جہاں پانی بھرتی ہیں' وہ زمین گیلی ہونے کے سبب چھلنی ہوگئی ہے۔ جس کی وجہ سے پاؤں پھسلنے اور گھڑوں کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہے۔ اس لیے تم بھرے ہوئے گھڑوں کو اپنی گردن پر اٹھا اٹھا کر ان عورتوں کو باہر لاکر دیا کرو۔ چنانچہ شیخ نورالحق رحمتہ اللہ علیہ نے یہ خدمت چار سال تک انجام دی۔ اس حالت پر بنگالی لوگ آپ پر ہنسا کرتے تھے۔
(اخبار الاخیار' ص 329)

شیخ رکن الدین چشتی اور کھانا کھلانا

کھانا کھلانے کی فضیلت کا ذکر ہونے لگا۔ آپ (خواجہ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ خلق کو کھانا کھلانا بڑی اچھی بات ہے۔

اس سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ خواجہ علی پسر خواجہ بزرگ شیخ رکن الدین چشتی۔ ـــــ اللہ تعالیٰ ان سب کی عاقبت بخیر کرے۔ تاتاری کافروں کی چڑھائی کے موقع پر گرفتار ہو گئے۔ انہیں چنگیز خان کے سامنے لے جایا گیا۔ آپ کے خانوادہ طریقت کے مریدوں میں سے ایک شخص وہاں موجود تھا۔ اور وہاں وہ اثر و رسوخ بھی رکھتا تھا۔ جب اس نے خواجہ علی کو اسیر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ ان کی رہائی کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے اور میں ان کا چنگیز خان کے سامنے کس طرح ذکر کروں؟ اگر میں کہوں کہ یہ اصحاب کرامات اور اہل فضیلت کے خاندان سے ہیں تو وہ کیا سمجھے گا اور اگر میں ان کی اطاعت و عبادت الٰہی کا ذکر کروں تو یہ چیز بھی موثر نہیں ہوگی۔ الغرض کافی سوچ بچار کے بعد وہ چنگیز خان کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اس شخص کا باپ ایک بزرگ آدمی تھا۔ وہ لوگوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا۔ اسے رہا کر دینا چاہیے۔ چنگیز خان نے پوچھا کہ وہ اپنے لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا یا بیگانوں کو؟ اس آدمی نے کہا' بیگانوں کو۔ اپنے لوگوں کو تو ہر شخص کھانا کھلاتا ہے۔ اس شخص کا باپ بیگانوں کو کھانا کھلاتا تھا۔ چنگیز خان اس بات سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ وہ شخص کتنا اچھا تھا جو بیگانوں کو کھانا کھلاتا تھا۔ پس اسی وقت حکم دیا کہ انہیں رہا کر دیا جائے۔ چنگیز خان نے انہیں خلعت بھی دی اور ان سے معذرت بھی کی۔

(فوائد الفواد' اردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور' ص 72-73)

شاہ سلیمان تونسویؒ کا لنگر عام

لنگر تو آپ نے پہلے دن سے ہی کوہ درگ میں شروع کر دیا تھا جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی اسے فقراء پر خرچ کر دیتے۔ صرف توکل سے لنگر کا کام چلتا تھا۔ جب تونسہ شریف میں مستقل رہائش اختیار کی اور ولایت سلیمانی کا شہرہ اطراف عالم میں پھیلا اور طالبان حق افغانستان' ہندوستان' عرب' عجم' روم اور شام سے فوج در فوج آنے شروع ہوئے تو آپ نے یہاں لنگر کے نظام کی از سرنو باقاعدہ تشکیل فرمائی۔ پیارا نام کا ہندو بقال تھا۔ اسے اپنے لنگر کا نگران مقرر کیا۔ فقراء کے امور کے لیے اجراء پروانہ کا کام میاں علی محمد ہوتانی کے سپرد فرمایا اور مستوفی حساب میاں برخوردار چاکی کو وکیل سرکار اور مدبر صلاح کار نور خان گورمانی مقرر کیا۔ ان کے فوت ہو جانے کے بعد میاں گل محمد فقیہ داماں کو مشیر یا تدبیر مقرر کیا۔ منشی گری کا عہدہ صدیقی محمد کاہی کو عطا فرمایا۔ نیز حجام' ترکھان'

لوہار، موچی، ماشکی، خارکش، دھوبی اور کوٹانہ مستقل طور پر لنگر کے روزینہ خوار یا ملازم تھے۔ انہیں ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ بیماروں کے علاج کے لیے طبیب مقرر کیے۔ لانگری کے عہدہ پر پہلے محمود کا تقرر کیا۔ ان کے بعد قبول کو لانگری مقرر کیا اور پھر خدا بخش لانگری مقرر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن خدا بخش لانگری نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس مہینہ میں سات سو روپیہ صرف فقراء کی دواؤں پر خرچ ہو گیا ہے۔ آپ سخت ناراض ہوئے۔ فرمایا کہ درویشوں کی جان زیادہ عزیز ہے اگر مہینہ میں سات ہزار روپیہ بھی خرچ ہو جائے تو مجھے اطلاع نہ دی جائے۔ لنگر سے ہر ایک کو خوراک و لباس ملتا تھا۔ بعض قرضداروں کے قرض کی ادائیگی بھی لنگر سے کر دی جاتی تھی۔ مدرسین اور علماء و فضلا کو اچھی پوشاک اور اچھی خوراک دی جاتی۔ یہاں تک کہ فقراء و علماء میں سے اگر کسی کی شادی ہوتی تو اس کے اخراجات بھی برداشت کیے جاتے۔

(مناقب المحبوبین ص 159، مؤلفہ حاجی نجم الدین سلیمانی)

لنگر کا یہ قاعدہ تھا کہ ہر درویش کو تین پاؤ پختہ روٹی ملا کرتی تھی۔ چھ مہینے کے بعد کپڑے اور جوتیاں ملتی تھیں۔ علاوہ ازیں ایک سیر تیل اور کچھ گھی ملا کرتا تھا۔ ان مدرسین کے لیے جو رات دن درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، ان کے علاوہ بھی کچھ مراعات حاصل ہوتی تھیں۔ ان کا کام چونکہ دماغی محنت کا تھا، اس لیے ان کو ایک سیر پختہ روزینہ سیر بھر گھی ماہانہ اور ایک سیر تیل ملا کرتا تھا۔ لباس ان کو بھی چھ مہینے میں ہی ملتا تھا۔ ایک سفید لنگی اور گو سفند بھی عطا ہوتا تھا۔ خواجہ صاحب کے لنگر کی حیثیت بہت ہمہ گیر تھی۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس لنگر میں زیادہ تر علماء و مدرسین شامل تھے۔ خواجہ صاحب نے ان کو تمام ضروریات زندگی سے بے فکر کر کے پوری ذہنی مرکزیت کے ساتھ درس و تدریس کے کام کے لائق بنا دیا تھا۔ علماء کی ایک کثیر تعداد اس طرح دینی کام کے لیے تیار ہو جاتی تھی۔ آج ہم اس عظیم الشان لنگری نظام کے دور رس اثرات اور نتائج پر معلومات کی کمی کی بناء پر تفصیلی بحث کرنے سے قاصر ہیں، لیکن اس کی افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ویسے تو اس زمانہ میں ہندوستان کی کئی خانقاہوں میں بڑے بڑے لنگر قائم تھے اور سینکڑوں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔ مثلاً دہلی میں شاہ غلام علی کی خانقاہ میں پانسو فقیر رہتے تھے اور ان کے خورد و نوش کا انتظام ہوتا تھا۔ خواجہ محمد عاقل کی خانقاہ میں بھی لنگر کا بڑا اہتمام تھا، لیکن جو باقاعدگی اور مقصد شاہ محمد سلیمان کے لنگری نظام میں ملتا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں تھا۔ شاہ سلیمان کا یہ کل نظام ایک مقصد کے ماتحت تھا۔ وہ اس طرح کی

سہولتیں بہم پہنچاکر علماء کو درس و تدریس اور مشائخ کو تبلیغ و اصلاح کے لیے تیار کرتے تھے۔ شائقین علم و فضل جگہ جگہ سے تونسہ آکر جمع ہو جاتے تھے اور شاہ صاحب ان کی صلاحیتوں کو کار آمد بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔

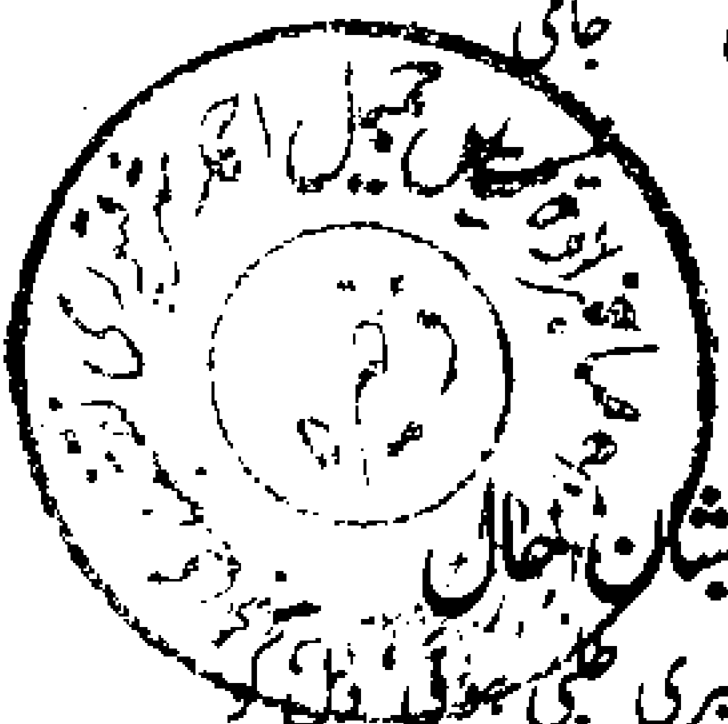
(تاریخ مشائخ چشت' ج 5' ص 345-346' طبع دلی بحوالہ خاتم سلیمانی

خواجہ اللہ بخش تونسوی اور غرباء پروری کا خفیہ وظیفہ

حضرت شیخ الاسلام الحاج الحافظ خواجہ قمرالدین سیالوی نے فرمایا' حضرت کریم بخش تونسوی رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ حافظ صاحب کے پاس ان کا ایک خاص غلام ایک کتاب لایا' جس میں تمام شہر کے یتیم' مسکین' بیواؤں' غربا اور بے نوا لوگوں کے نام درج تھے اور ہر ایک نام کے ساتھ ان کا وظیفہ ماہانہ سالانہ تحریر شدہ تھا۔ مثلاً فلاں کے بیس روپے فلاں کے تیس پچاس اور سو وغیرہ وغیرہ کسی کے نام گندم کی مقدار اور کسی کے نام آٹا وغیرہ ساتھ ہی کتاب پیش کرنے والے نے عرض کیا کہ دوسرے وظیفوں اور عبادت کے علاوہ حضرت کریم اللہ بخش ؒ کا ایک یہ بھی وظیفہ تھا جو اپنے جانشین کے لیے فرما گئے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اس کتاب کا علم اس غلام خاص کے سوا کسی اور کو نہ تھا۔ قائم مقام خلف الرشید حضرات تک بے خبر تھے۔ عمر بھر اس قسم کی سخاوت اختیار فرمائی جو فرمان نبویؐ کے مطابق تھی۔ حدیث پاک میں ہے کہ داہنے ہاتھ سے اس طرح فی سبیل اللہ دو کہ بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو۔ چنانچہ جب سردی کا موسم آتا تو آپ بہت سے نئے لحاف بنوا کر غرباء لوگوں کے گھروں میں راتوں رات جاکر صحن میں ڈال دیا کرتے۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے

(انوار قمریہ' ص 237)



مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی اور ایک پریشان حال

عشاء پڑھ کر رات گزار دی۔ بعد اشراق دن چڑھے میری طلبی ہوئی' دل کو پکڑے ہوئے ہیبت زدہ خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت والا ایک کھری بس کھٹیا پر لیٹے ہوئے تھے' زمین پر ایک چٹائی تھی' میں اس پر دو زانو بیٹھ گیا۔ حضرت نے پھر پوچھا کہ کیسے آئے ہو' میں نے ڈرتے ڈرتے ٹوٹی پھوٹی زبان میں عرض کیا کہ مرید ہونا بھی چاہتا ہوں اور کچھ تکلیفیں بھی ہیں۔ اس لیے حضور کی توجہ چاہتا ہوں۔ حضرت نے وضو کو پوچھا' میں باوضو تھا

ہی۔ حضرت نے بلاقیل و قال حضرت شاہ آفاق رحمتہ اللہ علیہ کے نام بیعت کر لیا اور جو جملے کہلوائے ان کو دہرا لیا۔ عجیب رقت اور عجیب کیفیت تھی۔ حضرت کے منہ سے جو جملہ نکلتا دل کے پار ہو جاتا۔ آنسو ابلتے تھے اور ایسی گھگھی بندھی ہوئی تھی کہ جملوں کو دہرانا مشکل تھا۔ بعض بعض الفاظ پر ایسا زور دیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ الفاظ آسمان سے نازل ہو رہے ہیں۔ مثلاً جب کہلایا کہ شرع شریف پر مرتے دم تک قائم رہوں گا تو شرع شریف کا لفظ جس عظمت اور قوت سے کہا ہے وہ اب تک کانوں میں گونج رہا ہے۔ جب کہلایا کہ ہر قسم کے گناہ سے عمر بھر پرہیز کروں گا تو یہ بات رگ و پے میں ایسی پیوست ہوگئی کہ اس وقت ہر گناہ سے نفرت ہوگئی۔ جب کہلایا کہ غلطی سے گناہ ہو گیا تو بلاتاخیر توبہ کروں گا تو اس وقت توبہ کی اہمیت عمر بھر کے لیے دل میں جاگزیں ہو گئی۔ اسی وقت دل اللہ اور اللہ والوں کی محبت سے لبریز ہو گیا۔

کسی کے درد محبت نے عمر بھر کے لیے
خدا سے مانگ لیا انتخاب کر کے مجھے

حضرت نے مرید فرما کر قیام گاہ پر جانے کے لیے فرما دیا اور تکلیفوں کی بابت کچھ پوچھا۔ واقعی حضرت بڑے ہی حقیقت شناس تھے۔ اگر اس مجلس میں تکالیف کے لیے پوچھتے تو بیان کرنے کا یارا بھی کس کو تھا۔ دل کی بدلی ہوئی حالت کو لے کر قیام گاہ کی طرف چلا آیا‘ دن گزرا‘ حضرت نے بعد عصر مسجد ہی میں روک لیا۔ لوگ جلدی جلدی اٹھ گئے۔ گویا میرا روکا جانا نمازیوں کے لیے اشارہ ہو گیا۔ اب حضرت نے بڑے لطف و کرم کے ساتھ فرمایا کہ اپنی تکالیف بتاؤ۔ میں نے سب سے پہلے عرض کیا کہ مخالفوں نے مشہور کر دیا ہے کہ میری انگلیوں میں سفید داغ ہیں جس سے مجھ کو بڑی شرم دامن گیر ہے اور انگلیوں کے سروں کی رنگت کافی بدنما اور بھدی ہوگئی ہے اور دیکھنے میں سفید داغ ہی معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: لاؤ دیکھیں میں نے انگلیاں آگے بڑھا دیں۔ حضرت بار بار یہ جملہ ایک جذب کے ساتھ دہرانے لگے۔ ”کہاں ہیں داغ‘ کہاں ہیں داغ“۔ اب جو میں نے بھی نظر ڈالی تو انگلیوں کا رنگ اور ان کی ہیئت نہایت خوشنما تھی۔ (اس جگہ ناچیز عبدالرب بیان کرتا ہے کہ میں ان کی سب سے چھوٹی اولاد ہوں اور میں نے ان کا ادھیڑ پن کا زمانہ اپنے بچپن میں پایا اور جب میرا سن 45‘46 سال کا تھا‘ اس وقت ان کا انتقال ہوا۔ جب بھی میں نے اپنے والد صاحب کو گورے چٹے خوبصورت رنگ کا آدمی پایا‘ وہ متناسب الاعضاء بھی تھے۔ قیاس ہے کہ جوانی کی عمر میں انگلیاں بھی نہایت سڈول اور خوش رنگ ہوں گی۔

جب مجھے اپنی انگلیاں صاف نظر آئیں تو میری حیرت اور حسرت کی انتہا نہ رہی اور حضرت کی محبت اور عظمت سے میرا دل پہلے کی نسبت زیادہ لبریز ہو گیا۔ پھر حضرت نے پوچھا اور کیا تکلیف ہے۔ میں نے شرماتے ہوئے کہا' شادی کو چھ سال ہو گئے' اب تک کوئی اولاد نہیں ہے۔ حضرت صاحب نے اپنے خادم کو پکارا' وہ آئے تو فرمایا: ہمارا بدھنا اٹھا لاؤ' ہم اس میں سے ان کو کچھ دیں گے۔ خادم صاحب آنا فانا ایک بدھنا لے آئے۔ حضرت صاحب نے اس کو چٹائی پر الٹ دیا' اس میں کچھ بیر تھے' کچھ بتاشے تھے اور ایک چھوٹی سی گھڑی تھی۔ حضرت نے فرمایا: جو چاہے لے لو۔ بھلا گھڑی لینے کی ہمت تو کیا پڑ سکتی تھی۔ میں نے شاید چار بیر اور پانچ بتاشے یا اس کے بالعکس اس خیال سے لیے کہ حضرت صاحب کے دل میں یہ نہ آئے کہ یہ شخص طامع اور دہقانی ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا' اور لے لو پھر نہ کہنا۔ میں نے پھر اسی خیال سے کہہ دیا کہ ٹھیک ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اچھا ان کو کھا لو۔ میں نے اسی وقت کھا لیا۔ حضرت نے نہایت جوش اور قوت سے فرمایا' انشاء اللہ انشاء اللہ تمہارے اتنے ہی لڑکے ہوں گے جتنے تم نے بیر کھائے اور اتنی ہی لڑکیاں ہوں گی جتنے تم نے بتاشے کھائے ہیں یا اس کے بالعکس فرمایا۔ (راوی عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالی نے والد کو چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں ارزانی فرمائیں) اس کے بعد حضرت نے فرمایا: اور کیا تکلیف ہے؟ میں نے عرض کیا' حضرت افلاس انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ فرمایا: اچھا ہم دعا کرتے ہیں۔ انشاء اللہ کبھی ننگے بھوکے نہ رہو گے۔ عمر بھر کھاتے کھلاتے کشادہ دست و فارغ البال رہو گے۔ پھر پوچھا اور کیا تکلیف ہے؟ میں نے عرض کیا: حضرت اور کوئی تکلیف نہیں ہے۔ حضرت صاحب نے پوچھا' اپنے گھر کب جاؤ گے؟ میں نے کہا: حضرت صبح کو ارادہ ہے۔ فرمایا' اچھا ہم صبح تم کو توجہ دیں گے۔ وہ مجلس ختم ہو گئی۔ رات گزری' جب فجر پڑھ چکا تو حضرت صاحب نے مسجد ہی میں روک لیا۔ اپنے سامنے بٹھایا' بلند آواز سے جلال کے ساتھ فرمایا: آنکھیں بند کر لو ہم توجہ دیتے ہیں۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں' دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ حضرت نے جس طرح چاہا توجہ دی لیکن مجھ کو معلوم نہ ہوا۔ پھر فرمایا' آنکھیں کھول دو۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ حضرت صاحب نے بڑے جوش سے فرمایا کہ: جاؤ انشاء اللہ عمر بھر کے لیے کافی ہے۔ حضرت صاحب نے اپنے دست مبارک سے شجرہ بھی ارزانی فرمایا اور کچھ کتابیں بھی مرحمت فرمائیں اور پوچھا کہ کدھر جاؤ گے؟ میں نے عرض کیا کہ: آسیون ہو کر۔ حضرت نے فرمایا: نہیں ادھر سے نہ جانا بلکہ اس طرح جانا۔ اور پھر راستہ بتایا' اس کی تفصیل ارشاد فرمائی۔ حضرت صاحب نے کھڑے ہو کر مصافحہ فرمایا اور پڑھا: **استودع اللہ دینکم و خواتیم اعمالکم۔** اور فرمایا: جاؤ اللہ کے سپرد کیا۔ میرے آنسو برابر جاری رہے اور

اسی طرح سلام کر کے روانہ ہوگیا۔
(تذکرہ مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی' ص 132 تا 135)

یہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے دوست صوفی عبدالرب صاحب کے والد مولوی عباد علی مرحوم کی حضرت گنج مراد آبادی کی بارگاہ میں حاضری کی دلاویز داستان کا ایک حصہ ہے۔

شاہ بلاول لاہوری اور خلق خدا کی خدمت

عادت مبارک یہ تھی کہ شاہ بلاول رحمتہ اللہ علیہ صبح سے چاشت تک مراقبے اور عبادت میں مشغول رہتے۔ پھر لوگوں کو کھانا تقسیم فرماتے۔ کھانا تقسیم فرمانے کے بعد دوپہر میں کچھ دیر آرام فرماتے۔ پھر نماز ظہر باجماعت ادا کرتے۔ پھر مریدوں کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کو ارشاد و تلقین فرماتے۔ اسی درمیان میں لوگ پانی کے کوزے لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ شاہ بلاول دعا پڑھ کر ان پر دم کرتے۔ یہ دم کیا ہوا پانی بیماروں کے لیے شفا میں اکسیر کا حکم رکھتا تھا۔ اسی دوران دو منشی جو آپ کے ملازم تھے' حاضر ہوتے۔ آپ حاجت مندوں کے لیے بادشاہ وقت اور اس زمانے کے امراء کے پاس سفارشی خط لکھواتے۔ خطوط کے شروع میں ''اللہ بس باقی ہوس'' لکھواتے تھے۔ نماز عصر کے بعد مراقبے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ افطار کے بعد مغرب کی نماز ادا فرماتے اور نماز مغرب سے فارغ ہو کر اپنے حجرہ خاص میں تشریف لے جاتے اور دو گھنٹے تک نوافل و صلوۃ الاوابین ادا فرماتے۔ پھر لوگوں کو کھانا تقسیم فرماتے اور خود جو کی روٹی اور چولائی کے ساگ پر اکتفا کرتے' عشاء کی نماز کے بعد آپ حجرے میں تشریف لے جاتے اور رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزارتے تھے۔
(تذکرہ صوفیائے پنجاب' ص 143 بحوالہ خزینۃ الاصفیاء' ج اول' ص 143)

جلال الدین تبریزی اور فقراء میں اونٹوں کی تقسیم

حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی سے منقول ہے کہ کعبتہ اللہ کے سفر میں میں شیخ جلال الدین کے ہمراہ تھا۔ ہم بنی امام پر پہنچے' عجیب سخت اور دشوار راستہ تھا۔ بہت سے آدمی اور اونٹ مرگئے جو فقیر اور غریب لوگ قافلے میں تھے' ان کے پیروں میں آبلے پڑ گئے۔ یہاں تک کہ قافلے والے سواری نہ ہونے کی وجہ سے عاجز ہوگئے۔ بازار بنی امام میں

اونٹوں کا ایک گلہ فروخت ہونے کے لیے آیا' ہر اونٹ کی قیمت بیس اشرفی تھی۔ اہل قافلہ میں سے جس میں قوت تھی اس نے اونٹ خرید لیا جو غوب تھے اور قوت نہیں رکھتے تھے راضی بہ قضاء اپنے اور اپنی اپنی جانوں سے مایوس ہوگئے۔ اسی دوران حضرت شیخ جلال الدین تبریزی نے اونٹوں کے مالک کو بلایا اور فرمایا کہ شمار کرو کہ کتنے اونٹ فروخت نہیں ہوئے ہیں۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ پانسو اونٹ فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں۔ حضرت جلال الدین نے تین مرتبہ یا لطیف فرمایا' ریت میں ہاتھ ڈالا' اشرفیوں سے بھر کر باہر نکالا اور اونٹ خریدے اور وہ اونٹ حقداروں اور عاجزوں کو دے دیئے۔ یہاں تک کہ پانسو اونٹ خرید کر تقسیم کر دیئے اور خود پیدل بیت اللہ کو گئے۔

(سیر العارفین' مترجم' ص 240)

خواجہ خدا بخش (چاچڑاں شریف) کی خدمت خلق

چاچڑاں تشریف لانے کے بعد آپ کی خانقاہ رشد و ہدایت کا وہ مرکز بنی کہ دور دور سے لوگ آپ کے پاس ارشاد و تلقین کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ آنے والوں کے لیے آپ نے اگرچہ اعلیٰ اور وسیع پیمانے پر لنگر کا انتظام فرمایا تھا جس سے عمدہ عمدہ کھانے لوگوں کو ملتے تھے' لیکن آپ خود سوکھی روٹی کھاتے تھے۔ بیماروں کے علاج اور ان کی دیکھ بھال کے لیے ایک دوا خانہ بھی قائم کیا تھا جس میں ایک طبیب بھی ملازم تھا جو باقاعدہ مریضوں کی دیکھ بھال اور ان کا علاج کرتا تھا۔

مناقب فریدی میں ہے کہ اس کثرت سے زمیندار اور رئیس آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے کہ روزانہ بارہ بارہ من غلہ گھوڑوں کی خوراک میں خرچ ہوتا تھا۔

(تذکرہ صوفیائے پنجاب بحوالہ مناقب فریدی' ص 257)

حضرت سید عبداللہ اور خدمت خلق

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بزرگوں میں سے ایک بزرگ سید حافظ عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ جو بہت بڑے خوش الحان حافظ و قاری تھے اور جن کی قرات سننے کے لیے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے تھے' کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت حافظ صاحب کا طریقہ اخفاء اور خمول تھا اور لوگوں میں عام لوگوں کی طرح رہتے تھے۔ کسی سے ہرگز کوئی امتیازی سلوک نہیں کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ یتیموں اور بیواؤں کے دروازوں پر جاتے اور ان کی خدمات مثلاً پانی لانا غلہ خریدنا وغیرہ کیا

کرتے تھے اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ بوڑھی عورتیں اپنے آقاؤں کا سامان لینے آتیں تو حضرت حافظ صاحب یہ کام اپنے ذمہ لے لیتے اور فرماتے کہ اپنے آقا کو یہ بات مت بتانا وہ تمہیں تکلیف دیں گے۔
(انفاس العارفین "مترجم" ص 30' طبع نوری بک ڈپو لاہور)

مولانا محمد عبداللہ (خانقاہ سراجیہ) اور خادم کی خدمت

چند دن بعد فقیر (قاضی شمس الدین) کو بخار ہونے لگا۔ بخار کی حالت میں ایک روز طبیعت نے چائے کا تقاضا کیا۔ دروازہ کے سامنے سے صوفی عبداللہ صاحب کو دیکھ کر آہستہ سے پکارا' مگر انہوں نے آواز نہ سنی اور چلے گئے۔ حضرت اقدس (مولانا محمد عبداللہ خانقاہ سراجیہ) نے اپنے کمرہ میں آواز سن لی۔ درمیانی کھڑکی سے فورا تشریف لائے اور پوچھا کیا کام ہے؟ عرض کیا حضرت کچھ نہیں۔ فرمایا' پھر صوفی عبداللہ کو کیوں پکارا تھا۔ فقیر نے ہرچند بات ٹالنا چاہی۔ مگر آپ نے باصرار دریافت فرمایا کہ ٹھیک ٹھیک بتاؤ کیا کام ہے۔ مجبوڑا عرض کرنا پڑا کہ اس وقت چائے پینا چاہتا تھا۔ اس لیے چائے بنوانے کے لیے صوفی عبداللہ کو بلایا تھا۔ فرمایا اچھا منہ ڈھانپ لو کہیں ہوا نہ لگ جائے۔ میں صوفی عبداللہ کو بھیجتا ہوں وہ چائے بنا دیں گے۔ حسب ارشاد فقیر نے منہ ڈھانپ لیا تو حضرت اقدس نے چپکے چپکے چائے بنانا شروع کر دی۔ تیار کرنے کے بعد ٹرے میں چینک اور ایک پیالی لگا کر میری چارپائی کے پاس رکھ دی۔ اور یہ کہتے ہوئے اٹھایا کہ قاضی صاحب جی عبداللہ نے چائے بنا کر رکھ دی ہے۔ اٹھ کر پی لو۔ ایک بار پھر بخار آیا' میں کپڑا لپیٹے لیٹا ہوا تھا۔ کسی نے آکر بدن دبانا شروع کر دیا۔ منہ کھولا تو دیکھا کہ خود حضرت والا ہیں۔ یہ دیکھ کر فقیر نے گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کی مگر آپ نے فرمایا' نہیں نہیں لیٹے رہو' لیٹے رہو۔ کچھ بات نہیں۔ یہ فرماتے رہے اور بدن دباتے رہے۔ سبحان اللہ! تواضع اور انکسار کا کیا عالم تھا کہ خود مخدوم کی خدمت انجام دے رہا ہے اور خادم کی ہر تکلیف کو کن شفقت بھرے کلمات سے دور کیا جا رہا ہے۔
(تحفہ سعدیہ' ص 299)

خواجہ قمرالدین اور فقراء مدینہ

فرمایا کہ جب (مدینہ منورہ) حاضری کا ارادہ کیا تو خیال آیا کہ روضہ انور پر کیا نذر کروں؟ لنگر شریف میں یاقوت' ہیرا اور کئی قیمتی پتھر تھے' وہ ساتھ لے گیا اور روضہ شریف پر نذرانہ پیش کیا۔ ایک شرطی (سپاہی) کہنے لگا کہ ادھر دیں' میں نے کہا' آپ خدا سے

لیں۔ آپ (خواجہ محمد قمرالدین سیالوی) نے فرمایا کہ مدینہ شریف میں ایک بوڑھی عورت کا تعاون حاصل کیا۔ اس کو عرض کیا کہ یہاں سید زادیوں کے دروازوں پر مجھ کو لے جائیں۔ اس نے مجھ کو جملہ دروازوں پر حاضری دلوائی۔ میں نے حتی المقدور خدمات پیش کیں اور دعائیں لیں۔

پھر فرمایا کہ مسجد نبوی میں ابوبکر نامی ایک بزرگ رہائش پذیر تھے اور ہمیشہ عبادت میں مصروف رہتے۔ حضرت سیدنا عثمان غنیؓ کی اولاد سے تھے اور کئی دن فاقوں سے گزارتے مگر سوال نہیں کرتے تھے۔ ان کی خدمت میں نذرانہ لے کر حاضر ہوا تو پوچھا کہ صدقہ تو نہیں میں نے عرض کیا کہ مسئلہ جانتا ہوں۔ یہ صدقہ زکوۃ نہیں بلکہ نذرانہ ہے۔ غالبا اسی کی برکت تھی کہ کسی نامعلوم شخص نے روضہ انور کی سیر بھر مٹی مجھ کو بخشی اور غائب ہو گیا۔

(ماہنامہ ضیائے حرم' لاہور شیخ الاسلام نمبر بروایت صاحبزادہ عزیز احمد صاحب)

خواجہ قمرالدین سیالوی اور ایک قوال کو حقہ تیار کر دینا

حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک قوال دربار سیال شریف پر بموقعہ عرس مبارک حاضر ہوا۔ حقہ نوشی کا عادی تھا اور بینائی بھی کمزور تھی۔ آدھی رات کو اٹھ کر باہر پھر رہا تھا اور حقہ نہ ملنے کی وجہ سے سخت بے قرار تھا۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز گھر سے باہر تشریف لائے۔ سردی کے موسم میں اس قوال کو باہر پھرتے ہوئے دیکھا۔ سلام فرمایا اور باہر پھرنے کا سبب دریافت کیا۔ اس نے آپ سے نام اور پتہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا بس غلام ہوں' فرمایئے حکم کیا ہے۔ اس نے کہا بس تم لوگ غلام غلام کا لفظ بولنا جانتے ہو۔ مجھے حقہ نہ ملنے کی وجہ سے سخت پریشانی ہے اس کا انتظام کرو' تب سمجھوں گا تم غلام ہو۔

نازش دوران حضرت خواجہ محمد قمرالدین رضی اللہ تعالی عنہ وقتی طور پر سوچ میں پڑ گئے کہ اس وقت حقہ کہاں سے دستیاب ہو دربار عالیہ پر تو اس کا نام و نشان نہیں مل سکتا تھا۔ فوراً خیال آیا کوئیں پر چلتے ہیں کسی سے مل جائے گا ایک کوئیں پر پہنچے حقہ موجود پایا جب اس پر ہاتھ رکھا تو اس کا مالک دوڑتا ہوا حاضر ہوا۔ حضور والا آپ اور حقہ اور وہ بھی اس وقت۔ فرمایا ایک عزیز ترین مہمان ہے اور مجھے حقہ تیار کرنا آتا نہیں۔ لہذا اس کا تمباکو وغیرہ درست کر دو اور تیار کر کے میرے حوالے کر دو۔ اس نے تیار کر کے ہمراہ

چلنے اور پہنچانے کے لیے ہر چند اصرار کیا مگر آپ نہ مانے۔ خود اٹھا کر اس قوال کے پاس لائے۔ اس کو اپنی قیام گاہ میں قالین پر بٹھایا اپنے ہاتھ سے حقہ کو پکڑ رکھا جب وہ دو چار کش لگا چکا اور ہوش و حواس بحال ہوئے تو شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ہی پتہ اور نشان پوچھنے لگا۔ آپ نے کافی پہلو تہی کی مگر جب اس کا اصرار حد سے بڑھا تو فرمایا مجھے قمرالدین کہتے ہیں وہ بے چارہ قدموں پر گر پڑا اور معذرت کرنے لگا جب تونسہ مقدسہ پہنچا تو حضرت خواجہ نظام الملت والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صورت حال عرض کی۔ آپ نے اپنے مریدین اور متعلقین کو جمع کر کے فرمایا لوگ پہلے زمانے کے مریدین کے قصے اور نیازمندی و عقیدت کشی کے عجیب واقعات ذکر کرتے رہتے ہیں' آؤ میں تمہیں اس دور کے مرید کی شان عقیدت اور نیاز مندی کا نمونہ بھی دکھلاؤں۔

(ماہنامہ ضیاء حرم' شیخ الاسلام نمبر ص 68-67' بروایت مولانا محمد اشرف سیالوی)

خواجہ قمرالدین سیالوی اور ایک معذور شیعہ

ایک دفعہ ایک سید صاحب جو اعتقادا شیعہ تھے اور دق کے مرض میں مبتلا' خود کمانے سے مکمل طور پر معذور تھے اور گھر میں دوسرا کوئی شخص بھی اس بوجھ کو اٹھانے کے قابل نہ تھا۔ ان کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا اور بیوی اور بچیاں بھی۔ اپنے مسلک کے لینڈ لارڈ سادات کے پاس جا کر اپنی حالت زار عرض کی اور اپنی نسبت اور ہم عقیدگی کا واسطہ بھی دیا مگر کسی نے ان کی حالت زار کو درخور اعتناء نہ سمجھا۔ ناچار سیال شریف حاضر ہوئے اور اپنی لاچاری بتائی اور ساتھ اعتقادی تفاوت و تخالف بھی۔ آپ نے محض ان کی نسبتی قرابت کو مدنظر رکھتے ہوئے عرصہ دراز تک ان کی بیماری' خوراک اور اہل خانہ کا بوجھ برداشت کیا اور علیحدہ باپردہ مکان مہیا کر دیا۔ بندہ (مولانا محمد اشرف صاحب شیخ الحدیث) نے ایک دفعہ دیکھا کہ ان کا چھوٹا بچہ حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ضروری اشیاء مہیا کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے فوراً سب چیزیں مہیا کر دیں اور اپنے دونوں ہاتھ اس بچے کے قدموں پر رکھ کر کہا' شاہ جی! مجھ سے راضی تو ہو؟ ناراض تو نہیں ہو؟

(ماہنامہ ضیائے حرم لاہور "شیخ الاسلام نمبر" بروایت مولانا محمد اشرف صاحب)

میاں شیر محمد شرقپوری اور ایک مسافر مریض کی خدمت

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مولوی صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے' ان کے ہمراہ ان کا سالا تھا۔ وہ کثرت اسہال کی وجہ سے بیمار ہو گیا۔ مولوی صاحب اسے چھوڑ کر

کہیں چلے گئے تھے۔ اسے رات دن میں کئی کئی بار قضائے حاجت جانے کی ضرورت ہوتی۔ آپ نے اس بیمار کو اپنے مکان میں ٹھہرایا ہوا تھا۔ آپ اپنے ہاتھوں سے اس کے اسہال وغیرہ اٹھاتے اور صاف کر کے باہر پھینکنے جاتے۔ ان دنوں بندہ (صوفی محمد ابراہیم) بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ بندہ نے اس ارادہ سے قدم اٹھایا کہ میں بھی اس شخص کی خدمت کروں۔ لیکن آپ نے فرمایا' ہوں ہوں۔ وہ شخص کئی کئی بار رات کو پانی مانگتا۔ آپ اس طرح پانی لے کر جاتے جس طرح کوئی غلام خدمت کرتا ہے۔

(خزینہ معرفت ص 193 مؤلف صوفی محمد ابراہیم صاحب)

میاں شیر محمد شرقپوری اور طاعون زدہ میت کا غسل اور کفن دفن

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شرقپور شریف میں پہلی مرتبہ جب طاعون کی وبا پھیلی تھی' ایک آدمی طاعون سے فوت ہوگیا۔ لوگ وحشت میں آئے۔ اس میت کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت میاں صاحب علیہ الرحمہ کو اس کو اطلاع ملی تو آپ اپنے ہمراہ میاں محمد الدین صاحب پیر بھائی کو لے کر وہاں تشریف لے گئے اور خود اس میت کی چار پائی اٹھائی۔ اگر مسجد میں برائے غسل داخل ہوتے تو مسجد والے اندر داخل نہ ہونے دیتے اور جب باہر کسی کنوئیں پر لے جاتے تو زمیندار لاٹھیاں اٹھا لیتے۔ چنانچہ ایک کھیت میں چار پائی رکھ کر وہاں نہلانے والا تختہ منگوایا اور پانی کے مٹکے منگوائے۔ اس میت کی برادری کے لوگ اور رشتہ دار سب دور دور کھڑے تھے۔ قریب اس کے کوئی بھی نہ آتا تھا۔ میاں محمد الدین پانی ڈالتا جاتا اور آپ میت کو غسل دے رہے تھے۔ بعد غسل اسے کفن دیا گیا۔ پھر تمام لوگوں کے رو برو اسے چار پائی پر رکھا اور میت کی پیشانی پر آپ نے بوسہ دیا اور فرمایا' اب تو آجاؤ۔ خیر پھر لوگ قریب آگئے۔ اس کا جنازہ وغیرہ کر کے لحد میں بھی آپ نے خود اتارا۔ دفن کر کے شرقپور شریف واپس تشریف لے آئے۔ اس موقعہ پر بندہ (صوفی محمد ابراہیم) بھی شرقپور شریف تھا۔ ایک مجمع میں میاں صدر الدین نے تقریر کی کہ بھائیو! یہ موت سب پر کھڑی ہے۔ اس طرح بھاگنے سے برا نتیجہ نکلے گا۔ آج وہ مر گیا ہے کل ہمارا کوئی مرے گا۔ اگر اسی طرح کیا تو کیا ہو گا۔

(کتاب خزینہ معرفت ص 194 مؤلفہ صوفی محمد ابراہیم صاحب)

باب ہفتم

عام فیاضی اور جود و سخا

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی بخشش عام

خواجہ قطب صاحب کے گھر میں عموماً فاقہ رہتا۔ جب کئی فاقوں کی نوبت آ جاتی تو ان کی حرم محترم پڑوس کے بقال کی بیوی سے ایک ٹنکہ یا ایک بہلول قرض لے کر خورد و نوش کا انتظام کرتیں جب کہیں سے کچھ میسر ہوتا تو قرض ادا کر دیا جاتا۔ لیکن اس ناداری اور فقر و فاقہ پر بھی جود و سخا کا یہ حال تھا کہ لنگر خانہ میں جو چیز ہوتی' فوراً تقسیم کر دیتے۔ جس روز کوئی چیز نہ ہوتی تو خانقاہ کے ملازم سے فرماتے کہ اگر پانی ہو تو اسی کا دور چلاؤ کہ کوئی روز بخشش اور عطا سے خالی نہ جائے۔

(بزم صوفیہ' ص 74-75)

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا انفاق عام

باوا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بغداد میں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی زیارت کی اور ان سے کئی روز تک فیض صحبت حاصل کرتا رہا' کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ ان کی خانقاہ میں 10' 12 ہزار سے کم فتوح آئی ہو اور وہ اس کو اسی روز راہ خدا میں خرچ نہ فرما دیتے ہوں۔ ایک پیسہ بھی شام تک باقی نہیں رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر میں ایک پائی بھی رکھوں تو لوگ مجھے درویش نہ کہیں گے بلکہ مالدار کہیں گے۔

(بزم صوفیہ' ص 123' بحوالہ راحت القلوب)

بابا فریدؒ اور جود و عطا

غربت اور تنگی کے باوجود بابا گنج شکر بخش اپنے مرشد کی طرح مال متاع و دنیوی سے مستغنی رہے۔ ایک بار سلطان ناصر الدین محمود اجودھن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی ملاقات سے ایسا متاثر ہوا کہ اپنے وزیر کو (جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا) چار گاؤں کا فرمان اور ایک کثیر رقم بطور ہدیہ دے کر بھیجا مگر انہوں نے اس کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ ان کو دو جن کو ضرورت ہو۔ ہمارے خواجگان کی یہ رسم نہیں اسی طرح ایک بار والی اجودھن نے کچھ گاؤں اور نقد پیش کرنے کی کوشش کی تو فرمایا کہ اگر

میں یہ لے لوں' تو مجھے لوگ درویش نہ کہیں گے بلکہ مالدار کہیں گے اور درویش دیہہ دار میرا لقب ہو گا۔

کبھی کسی سے کچھ قبول کر لیتے تو راہ خدا میں تقسیم کر دیتے تھے کہ جو کچھ بھی اور جتنا بھی اللہ کی راہ میں دیا جائے' اسراف نہیں ہے اور جو کچھ بھی غیر اللہ کے لیے خرچ کیا جائے' اسراف ہے۔ جب زائرین کا ہجوم ہوتا تو مصلی کے نیچے ہاتھ ڈال کر ٹنکہ زر اور جیتل نکال لیتے اور لوگوں کو دیتے۔ زائرین مٹھائی لاتے تو ان کا انبار لگ جاتا۔ آپ ان کو بچوں اور درویشوں میں تقسیم کر دیتے۔

(بزم صوفیہ' ص 135)

حضرت محبوب الٰہیؒ کا عام جود و کرم

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے غیاث پور کو اپنا مرکز بنا کر وہیں اپنے رشد و ہدایت کے چراغ کو روشن کیا۔ انہوں نے بگڑے ہوئے انسانوں کو ہدایت کی راہ دکھائی' اخلاقی قدروں کو بلند کیا' اپنے قول و عمل سے غرباء کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کا درس دیا' پروانہ وار ہزاروں انسان اس شمع معرفت کے ارد گرد جمع ہونے لگے۔ شیخ کی عسرت فارغ البالی میں بدلی' فقر کی شان نے بادشاہوں کی شوکت کو ماند کر دیا۔ آپ کے مرید حضرت امیر خسرو نے اس فقیرانہ عظمت کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہا ہے۔

در حجرہ فقر بادشا ہے۔ در عالم دل جہاں پنا ہے
شاہنشہے بے سریر و بے تاج۔ شاہانش بخاک پائے محتاج

لیکن اس فارغ البالی کے باوجود کہ بقول حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا دروازے کے آگے بہتا تھا۔ کوئی دن فتوحات سے خالی نہ ہوتا تھا۔ لیکن تعیش زندگی اور لذت کام و دھن سے آپ نے کبھی کوئی تعلق نہ رکھا' جو کچھ آتا وہ فقراء' درویشوں اور آنے جانے والوں پر تقسیم فرماتے دیتے۔ کوئی آنے والا آپ کے دروازے سے محروم نہ جاتا۔ حضرت چراغ دہلی نے لکھا ہے کہ لینے والے لانے والوں سے زیادہ رہتے تھے' جو بھی آتا' جس وقت بھی آتا محروم نہ جاتا اور جو کوئی کچھ لاتا اس سے زیادہ حضرت کی عنایت سے پاتا۔

(اقبال کے محبوب صوفیہ' ص 259-260)

خواجہ نظام الدین اولیاء اور عام لنگر

حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک بار سلطان قطب الدین کو کسی بدخواہ نے کہا کہ شیخ ہماری فتوحات قبول نہیں کرتے' اور امراء اور سرداروں کی لائی ہوئی فتوحات قبول کرتے ہیں۔ آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں۔ سلطان قطب الدین نے یہ بات سچ جان کر حکم کیا کہ کوئی امیر یا سردار شیخ کے یہاں نہ جاوے۔ دیکھو وہ اس قدر دعوت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں اور جاسوس مقرر کیے کہ دیکھتے رہیں جو امیر وہاں جائے مجھے آکر اطلاع کریں۔ جناب شیخ صاحب نے یہ سنا تو فرمایا' کھانا آج سے زیادہ پکایا جائے۔ ایک مدت بعد سلطان نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ خانقاہ شیخ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ سابق جس قدر پکتا تھا' اب اس سے دوگنا پکتا ہے۔ بادشاہ یہ سن کر پشیمان ہوا۔ کہا' میں غلطی پر تھا' آپ کا معاملہ عالم غیب سے ہے۔

صاحب سیرالاولیاء لکھتے ہیں کہ وارد و صادر میں سے پردیسی ہو یا شہری جو آتا سعادت قدم بوسی حاصل کرتا۔ کسی کو محروم نہ فرماتے۔ پوشاک' نقد' تحائف جو بھی خدا بھیجتا سب ہی ان آنے جانے والوں پر صرف ہوتا جو بھی آتا اور جس وقت آتا محروم نہ جاتا۔

(تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم ص 89-88-77)

حضرت محبوب الٰہیؒ کا شاہی دسترخوان

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب سبحانی رحمتہ اللہ علیہ خود دائم الصوم تھے لیکن دونوں وقت شاہی دسترخوان لگتا اور انواع و اقسام کے کھانے وافر مقدار میں چنے جاتے۔ امیر و غریب شاہ و گدا شہری و پردیسی' صالح و گناہگار کسی کی تفریق نہ تھی۔ سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتے' لے جانے کی بھی اجازت تھی۔ بعض لوگ کھاتے اور باندھ کر بھی لے جاتے۔ یہ شاہی دسترخوان اپنی نوعیت میں یکتا تھا۔ اسی دسترخوان پر بیٹھ کر سینکڑوں ہزاروں افراد کو وہ کھانے نصیب ہوتے جن کے انہوں نے نام ہی نام سنے تھے۔ بڑے بڑے امراء دربار اور اعیان سلطنت کو بھی اس دسترخوان پر حاضری کی آرزو ہوتی تھی اور اس کھانے کی لذت کو وہ یاد کرتے تھے۔ ہدایت و ارشاد اور سلوک و تربیت کے فیض عام کے علاوہ (جس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا) حضرت خواجہ کا یہ بھی فیض تھا جو دلی میں اپنی پوری روانی کے ساتھ جاری تھا اور جو ہزاروں بندگان خدا کی پرورش کا ذریعہ تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے درویش کے اس خوان سلطانی کا ذکر کرتے ہوئے خوب لکھا ہے۔

آج جن چیزوں پر ایوان نعمت کے قصوں کے ساتھ غریبوں کا دکھڑا رویا جاتا ہے۔ گویا یہ بھی ایک قسم کی حدیث المائدہ اور ہضم کرنے کا چورن ہے۔ ان کو کیا معلوم کہ اسلامی تاریخ میں غریبوں اور امیروں کے درمیان صوفیاء اسلام کی یہی خانقاہیں درمیانی کڑی کا کام دیتی تھیں۔ ان بزرگوں کا دربار وہ دربار تھا جہاں سلاطین بھی خراج داخل کرتے تھے۔ خود سلطان المشائخ کا کیا حال تھا۔ گزر چکا کہ ولی عہد سلطنت خضر خان تک اسی دربار کا حلقہ بگوش تھا۔ علاؤالدین جو سارے ہندوستان سے خراج وصول کرتا تھا۔ لیکن ایک خزانہ وہ بھی تھا جس میں اسے بھی مالگزاری داخل کرنی پڑتی تھی۔ (نظام تعلیم ص 214) یہی خانقاہیں تھیں جن کے ذریعے ملک کے عام غرباء فقراء تک ان کا حصہ پہنچ جاتا تھا' اور یہی مطلب ہے اس مشہور فقرہ کا:

مال صوفی سبیل است

غربت و امارت کا یہ سنگم یعنی صوفیہ صافیہ کا یہ طبقہ جہاں امراء و غرباء دونوں ایک حیثیت سے حاضر ہوتے تھے۔ ان غریب اور حاجتمند مسلمانوں کی کتنی حاجت روائیاں ہوئی تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ اور ان دنوں ہندوستان کا شاید ہی کوئی صوبہ کوئی علاقہ ایسا ہو گا جہاں (ان کے دولتمندوں سے لیا جائے اور ان کے ضرور تمندوں کو پہنچا دیا جائے) کے نبوی فرمان کی تعمیل میں ارباب صدق و صفا کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا۔ خصوصاً جن بزرگوں کا کسی خاص وجہ سے امراء اور ارباب ثروت پر اثر قائم ہو جاتا تھا۔ تو سمجھئیے کہ غرباء کی قسمت جاگ اٹھتی تھی۔ اسلام کے ان اکابر کا حال پڑھئیے اور اس پر غور کیجئے۔ آپ کو نظر آئے گا کہ امراء و غرباء کے درمیان ان بزرگوں کا وجود باجود حلقہ اتصال بنا ہوا تھا۔ اور میرا خیال ہے کہ ان خانقاہوں کے لنگر خانے جہاں اپنے اندر دوسرے اغراض رکھتے تھے' ایک بڑا کام ان سے یہ بھی نکلتا تھا کہ ملک کے غریبوں اور بے وسیلوں کی پناہ گاہ یہ خانقاہیں بنی ہوئی تھیں۔ بلکہ ان کے ذریعے سے غریبوں تک بھی وہ نعمتیں پہنچ جاتی تھیں جن کا نام بھی اس زمانہ کے غریبوں نے شاید سنا نہ ہو۔

(تاریخ دعوت و عزیمت' حصہ سوم' ص 81-80-79)

خواجہ نظام الدین اولیاء اور انبار خانوں میں جھاڑو

خواجہ صاحب نے ایک روز تمام خدام و مریدین کو جو حاضر تھے' طلب فرمایا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال (خادم) نے کوئی چیز بھی گھر میں

جنس میں سے بچائی ہو تو کل روز قیامت اس کو خدا کے سامنے جواب دینا ہو گا۔ اقبال (خادم) نے عرض کیا کہ میں نے کچھ نہیں چھوڑا' سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے اور واقعی اس جوانمرد نے ایسا ہی کیا تھا۔ سوائے اس غلہ کے جو چند دن کے لیے فقرائے خانقاہ کو کفایت کرتا سب کچھ تقسیم کر دیا تھا۔ میرے چچا سید حسن نے اطلاع دی کہ غلہ کے سوا ہر چیز محتاجوں کو پہنچ گئی۔ سلطان المشائخ اقبال سے ناراض ہوئے' ان کو طلب کیا اور فرمایا' اس مردار ریت کو کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ اقبال نے عرض کیا کہ غلہ کے سوا جو کچھ موجود تھا' سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خلقت کو بلاؤ۔ جب لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا' غلہ کے انبار خانے توڑ ڈالو اور تمام غلہ بے تکلف اٹھا لے جاؤ اور وہاں جھاڑو دے دو۔ ذرا سی دیر میں خلقت جمع ہو گئی اور اس نے غلہ کو لوٹ لیا۔ اسی بیماری میں کچھ احباب اور خدمتگار حاضر ہوئے۔ انہوں نے پوچھا کہ آں مخدوم کے بعد ہم مسکینوں کا کیا حال ہو گا۔ فرمایا کہ یہاں اتنا ملتا رہے گا جس سے تمہارا گزارا ہو جائے۔

دنیا کا جس قدر رجوع بڑھتا گیا' اتنی طبیعت اس سے متنفر ہوتی گئی۔ جتنی بڑی فتوحات ہوتیں اتنی ہی زیادہ گریہ کرتے اور اتنی ہی زیادہ کوشش فرماتے کہ جو کچھ آیا ہے' جلد تقسیم ہو جائے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آدمی کو بھیج کر ہدایت فرماتے کہ جو کچھ ہو تقسیم کر دیا جائے۔ جب سب تقسیم ہو جاتا اور ضرور تمندوں کو پہنچ جاتا تو سکون خاطر ہوتا۔ ہر جمعہ کو حجروں اور انبار خانوں کو اس طرح خالی کرا دیتے۔ جیسے جھاڑو دے دی گئی ہو' اس کے بعد مسجد جاتے' اگر بادشاہوں یا شہزادوں سے کوئی آستانہ پر حاضر ہوتا اور ان کی نذر اور آمد کی خبر پہنچتی تو ٹھنڈی سانس بھر کر فرماتے کہ کہاں آ گئے ہیں۔ فقیر کا وقت غارت کرتے ہیں۔

(تاریخ دعوت و عزیمت' حصہ سوم' ص 78-99)

خواجہ نظام الدین اولیاء کا کمال ایثار

سیر العارفین میں ہے کہ ابتداء آپ (خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ) نے غیاث پور میں سکونت اختیار کی۔ اس زمانے میں خانقاہ میں فقر و فاقے اور نہایت عسرت کے ساتھ بسر ہوتی تھی۔ اس زمانے میں مولانا برہان الدین غریب اور مولانا کمال الدین یعقوب چنی آپ کی خانقاہ میں معروف ریاضت تھے۔ ایک دفعہ چار روز کا فاقہ ہو گیا۔ پڑوس کی ایک ضعیفہ خاتون نے یہ حال دیکھ کر کچھ آٹا بھیجا۔ شیخ کمال الدین یعقوب نے آٹے کو مٹی کی ہنڈیا میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا۔ اتنے میں ایک درویش گدڑی پوش آیا اور

کچھ کھانے کو مانگا۔ حضرت محبوب الٰہی نے وہ ہنڈیا اٹھا کر درویش کے سامنے رکھ دی۔ اس نے اس ہنڈیا میں سے کچھ گرم گرم لقمے منہ میں رکھے اور ہنڈیا کو پٹک کر یہ کہتا ہوا چلا گیا۔
شیخ فرید الدین گنج شکر نعمت باطن شیخ نظام الدین اولیاء ارزانی داشت و من دیگ فقر ظاہری او بشکستم' حالا سلطان ظاہری و باطنی شدی۔
کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے حضرت محبوب الٰہی کی عسرت اور تنگی جاتی رہی۔
(تذکرہ صوفیائے پنجاب' ص 296' "حاشیہ")

شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی اور دیناروں کی تقسیم

نقل ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریا ایک روز اپنی خانقاہ میں بیٹھے تھے۔ خادم کو حکم دیا کہ جاؤ اور وہ صندوق لے آؤ جس میں پانچ ہزار سرخ دینار ہیں خادم خزانے کی طرف گیا' خزانے کا سامان ادھر ادھر کیا' اس صندوق کا کوئی نشان نہیں دیکھا۔ جب وہ صندوق نہیں ملا تو حضرت شیخ کی خدمت میں آیا اور حال بیان کیا کہ وہ صندوق تو موجود نہیں ہے۔ حضرت شیخ نے کچھ دیر تامل کیا' آنکھیں کھولیں اور فرمایا' الحمد للہ۔ کہتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد خادم نے حضرت شیخ الاسلام کو اطلاع دی کہ فلاں صندوق جو اس روز نہیں ملا تھا اب کچھ سامان کے نیچے مل گیا ہے۔ حضرت شیخ نے کچھ دیر غور فرمایا اور زبان مبارک سے الحمد للہ فرمایا' خادم مذکور کو صندوق لینے کے لیے بھیجا اور حاضرین مجلس سے لطیف انداز میں فرمایا کہ دونوں حالتوں میں الحمد للہ کہنا اس وجہ سے تھا کہ اہل اللہ کے سامنے دنیا کا وجود و عدم برابر ہے۔ اس کے جانے کا کوئی غم نہیں اور نہ اس کے آنے کی کوئی خوشی۔ اس کے بعد وہ پانچ ہزار دینار مستحقین میں تقسیم فرما دیئے اور اس پر اپنی توجہ نہیں کی۔
(سیر العارفین "مترجم" ص 159)

شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی اور ہدیے کے جواہرات

جود و سخا اور فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے مریدوں اور معتقدوں کا جہاز غرق ہو رہا تھا۔ انتہائی اضطراب کے عالم میں انہوں نے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی سے روحانی مدد طلب کی۔ خدا کی قدرت سے وہ جہاز غرق ہونے سے بچ گیا۔ اس جہاز میں جواہرات کے بڑے بڑے تاجر بھی سوار تھے۔ جب یہ ساحل پر اترے تو ان تاجروں نے اپنے مال کا تہائی حصہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کی خدمت میں نذر کرنے کا عہد کیا اور ان کی طرف سے خواجہ فخرالدین گیلانی یہ نقد و جواہر

لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان جواہرات کی قیمت اور نقد رقم ملا کر چاندی کے ستر لاکھ ٹنکے ہوتے تھے۔ آپ نے یہ رقم قبول کر لی مگر تین دن کے اندر اندر یہ رقم فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دی۔ آپ کی اس فیاضی کو دیکھ کر خواجہ فخرالدین گیلانی اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنا تمام مال و متاع فقراء میں تقسیم کر کے درویشی اختیار کر لی۔ پانچ سال تک وہ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کی خدمت میں رہے۔ پھر خانہ کعبہ حج کے لیے روانہ ہوئے، مگر جدے پہنچ کر فخرالدین گیلانی نے وفات پائی۔
(تذکرہ صوفیائے پنجاب' بحوالہ سیرالعارفین' ص 121' بزم صوفیہ' ص 101)

شیخ بہاؤالدین زکریا کی جود و سخا

حضرت خواجہ نے ..... اللہ اپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ شیخ بہاؤالدین رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ کسی کو کوئی چیز دیتے تھے تو خوب دیتے تھے' وہ معلم جوان کے صاحبزادوں کو تعلیم دیتے تھے۔ ان پر آپ نے بڑی نوازشیں کیں اور ان کے دامن میں سونا چاندی انڈیل دیا۔ اس موقعہ پر حضرت خواجہ نے یہ واقعہ بیان کیا۔ ایک دفعہ ملتان کے والی کو غلے کی ضرورت پڑی' اس نے شیخ بہاؤالدین سے اس کے لیے درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک ڈھیراسے دے دو۔ والی نے اپنے عملے کو بھیجا کہ وہ ڈھیر سے غلہ لے آئیں۔ اس غلے میں چاندی سے بھرا ہوا ایک مٹکا نکل آیا۔ عملے نے والی کو اطلاع دی' اس نے کہلوایا کہ شیخ نے ہمیں غلہ دینے کو فرمایا ہے۔ یہ چاندی دینے کو نہیں فرمایا۔ اسی چاندی کو شیخ کی خدمت میں پہنچا دو۔ جب یہ بات شیخ کی خدمت میں عرض کی گئی' انہوں نے کہلوا بھیجا کہ زکریا کو یہ معلوم تھا' تمہیں یہ غلہ چاندی سمیت دے دیا گیا ہے۔
(فوائد افواد' ص 218-219)

خواجہ گیسو دراز اور جود و کرم

ایک روایت میں ہے کہ حضرت گیسو دراز بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ کی عادت یہ تھی کہ آپ کو جو کچھ فتوح ہوتا یعنی لوگ نذرانے وغیرہ پیش کرتے یا بارگاہ مخدوم سے سرفراز ہوتا یا لنگر خانہ شیخ سے جو کچھ ملتا یا جو کوئی آمد ہوتی' وہ سب کی سب عام طور پر راہ خدا میں غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے اور طالب علموں کی خاص طور پر مدد کیا کرتے۔ دوسروں کی حاجت براری و آسائش کو اپنا آرام کہتے۔ اسی لیے پیر و مرشد نے ایک دن آپ کو "بندہ نواز" کے لقب سے ملقب کیا۔

(بحوالہ لمعات الاسرار تذکرہ خواجہ گیسو دراز' ص 47 مرتبہ اقبال الدین احمد' مطبوعہ کراچی 1966ء

مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی اور بذل و عطا

زہد و توکل کا طبعی و لازمی نتیجہ بذل و عطا اور جود و سخا ہے۔ جس صاحب یقین پر دنیا اور دولت کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور "قل متاع الدنیا قلیل" کا استحضار ہو جاتا ہے' وہ بخل کے ہر شائبہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ جس کو اشرفیاں ٹھیکاں اور ٹھیکریاں نظر آنے لگتی ہیں اور مال کی محبت دل کے ہر گوشہ سے نکل جاتی ہے' اس کا ہاتھ کون روک سکتا ہے۔ مولانا کا یہی حال تھا کہ ان کا محبوب مشغلہ مال و دولت کے تحائف و ہدایا کی تقسیم اور جو کچھ آئے' اس کا جلد سے جلد بانٹ دینا تھا۔ مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ نواب خورشید جاہ حیدر آبادی نے ہزار روپیہ کا نوٹ نذر کیا' ایک نابینا خادم خانقاہ دیر سے عرض کر رہا تھا کہ لڑکی کی شادی کے لیے چھ سو روپیہ چاہیئے۔ نوٹ اسی کے حوالہ ہوا کہ چھ سو روپے لے کر چار سو یہاں دے جا۔ وہ بھی بنیئے کو جو صبح شام آٹا دال پہنچاتا تھا' اس کو دے دیا۔ مہینہ میں ہزار ہا روپیہ نذر آتا تھا اور سب کھانا کھلانے اور دینے لینے میں خرچ ہو جاتا تھا۔

نفع عام اور خدمت خلق کا جذبہ

مولوی صاحب فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ہم نے عرض کیا کہ آگ کی دھونی پر لوگ آپ پر اعتراض کرتے ہیں کہ حقہ والوں کی مدد کرتے ہیں اور یہ مکروہ ہے اور علاوہ اس کے تمام رات دن آگ جلانی ایک قسم کا اسراف بے جا ہے۔ ارشاد ہوا کہ: یہ آگ جو تمام رات دن جلا کرتی ہے' حقہ والوں کے لیے نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ ہمارے گاؤں کے غریب آدمیوں کو آگ نہیں ملتی ہے۔ اس سے یہ آگ روشن رہتی ہے اور اکثر نمازی پانی گرم کر کے غسل بھی کرتے ہیں۔

تحائف اور کتابوں کی تقسیم

آپ کے پاس تحفے اور ہر ملک سے صدہا قسم کی چیزیں از قسم ملبوس آتی تھیں مگر سب تقسیم ہو جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ فقیر کے سامنے ایک ٹوکرہ مراد آبادی برتن کا آیا۔ آپ نے بعد از مغرب سب نمازیوں کو برتن تقسیم کر دیئے۔ دو ایک برتن نواسہ کھڑے

ہوئے تھے ان کو دے دیئے کہ صاحبزادی کو دے آؤ اور ایک گلاس اپنے لیے رکھ لیا۔ اس کو بھی کسی مسافر کو شب میں دے دیا۔ ہمیشہ قرآن شریف یا اور کتابیں اہل مطبع بھیجا کرتے تھے۔ دیہات کے لوگ جو جمعہ پڑھنے کو آیا کرتے تھے۔ ان سے استفسار فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا لڑکا کیا پڑھتا ہے۔ جس نے کہا قرآن شریف پڑھتا ہے اس کو آپ دے دیا کرتے تھے۔ شام تک کچھ کتاب وغیرہ باقی نہیں رہا کرتی تھی۔ اسی طرح آم کے زمانہ میں ٹوکروں میں آم اور شیرینی جو بکثرت آتی تھی۔ اہل مسجد اور بستی کے لوگوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔

ایک مرتبہ جناب شاہ غلام رسول صاحب قدس سرہ کانپوری والد جناب مولوی شاہ عبدالحق صاحب کانپوری آپ کے پاس بہ نظر ملاقات تشریف لے گئے تو کسی نے ایک عبا پر تکلف بیش قیمت آپ کو نذر کی اور ایک جلد قرآن شریف مطلا اٹھارہ سو روپیہ کی بھی نذر کی۔ حضرت قبلہ نے شاہ غلام رسول صاحب کو دے دیا اور فرمایا کہ آپ تکلف کا کپڑا پہنتے ہیں۔ اس کو آپ ہی پہنیئے اور قرآن شریف بھی انہیں بزرگ کو دے دیا۔ شاہ صاحب موصوف بھی اس سخاوت کو دیکھ کر حیران ہوئے اور فرمایا کہ بس توکل اس کو کہتے ہیں۔ کپڑے صدہا قسم کے آپ کی خدمت میں آتے تھے۔ تھا، ململ، شال، دوشالہ، کمخواب سب طرح کی نذریں گزرتی تھیں۔ مگر آپ سب تقسیم کر دیتے تھے۔ خود دو تین گز کا کپڑا از قسم وغیرہ کا انگرکھا پہنتے تھے۔

وزیر اودھ کا نذرانہ اور اس کی تقسیم

ایک بار وزیر لکھنؤ پر عتاب شاہی ہوا۔ وہ از بس متفکر تھے۔ شرف الدولہ مرحوم جو کہ حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ سے عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے وزیر صاحب سے کہا کہ اب کوئی چارہ کار نہیں۔ ان دنوں حضرت لکھنؤ میں آئے ہوئے ہیں۔ ان سے اگر التجا کیجئے تو یہ کام ہو جائے۔ خلاصہ کلام وہ حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض مطلب کیا۔ حضرت نے بشارت فرمائی۔ بادشاہ نے وزیر صاحب کو بلا کر اعزاز بخشا۔ وزیر صاحب دو ہزار روپیہ نذرانہ لائے۔ حضرت نے فرمایا: روپیہ ہم کیا کریں گے، تم اس روپیہ کے قرآن شریف چھپوا دو۔ پھر آپ لکھنؤ سے چلے گئے اور ایک برس کے بعد پھر لکھنؤ آنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں قرآن شریف چھپے ہوئے تیار تھے۔ وزیر صاحب کو خبر ہوئی، ایک اونٹ پر تمام جلدیں قرآن کی لاد کر اور عزیز انبساط ایک گھوڑا مع ساز و براق ساتھ لے کر آئے اور نذر کیا۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور وہاں سے سندیلہ کی طرف روانہ

ہوئے اور سندیلہ تک سارے قرآن شریف بانٹتے آئے۔ بلکہ اونٹ بھی دے دیا اور محتاجوں کو گھوڑے کا ساز و براق تک تقسیم کر دیا اور آخر میں گھوڑا بھی کسی کو عطا فرما دیا۔

حق ہمسائیگی

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں: آپ کا یہ بھی شغل تھا کہ بہ نظر سخاوت اکثر غریب عورتیں اپنے کھیت سے مٹی بقدر ایک بڑی رکابی کے کلوخ کے لیے لایا کرتی تھیں۔ آپ ایک پائی میں خریدا کرتے تھے اور اپلہ یعنی گونٹھہ موٹے موٹے لمبائی میں ایک ہاتھ کے قریب تمام دن اس کی خریداری ہوتی تھی۔ فقیر نے عرض کیا کہ ایک بار گاڑی پر منگا لیجیے کیونکہ ایک بڑی رکابی کے بقدر لاتی ہیں۔ اور ایک پائی آپ دیتے ہیں۔ اسی طرح گونٹھہ کی قیمت بھی آپ بہت دیتے تھے۔ آپ نے سکوت فرمایا۔ اشارۃً معلوم ہوا کہ پرورش ان کی منظور ہے اور حق ہمسایہ ادا کرنا مدنظر ہے۔

اپلہ کی خریداری کے بارے میں عرض کیا کہ یہ عادت جوگیوں کی دیکھی ہے یا آتش پرستوں کی۔ کہ تمام دن آگ جلایا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ: غریب محلہ کے لوگ آگ لے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ایک اپلہ بھی لے جاتے ہیں۔

شرفاؤ غرباء کی مدد کا طریقہ

راقم سطور نے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی مرحوم سے خود سنا کہ ایک بار سرشام کسی نے پانچ سو روپیہ نذر کیے۔ اسی وقت اعلان فرما دیا کہ ہمارے حجرہ کی دیوار گری جا رہی ہے' اس کی مرمت کی ضرورت ہے۔ اہل قصبہ اس ادا سے واقف تھے۔ بہت سے شرفا اور غربا ٹوکریاں اور پھاوڑے وغیرہ لے کر حاضر ہو گئے اور کسی نے دیوار کو ہاتھ لگایا' کسی نے کچھ کیا۔ آپ نے کسی کو کچھ دیا' کسی کو کچھ۔ سونے سے پہلے ساری رقم تقسیم فرما کر فارغ ہو گئے۔ کسی صاحب نے عرض کیا کہ آخر ایسی کیا عجلت تھی؟ فرمایا: واہ ہماری دیوار گری جا رہی تھی' تم باتیں بناتے ہو۔

(تذکرہ: مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی مؤلفہ سید ابوالحسن علی ندوی' ص 61 تا 64)

خواجہ سلیمان تونسوی اور بخشش عام

ایک شخص واصلی نامی مجلس میں حاضر تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے عرب و عجم کی سیر کی ہے۔ لیکن جناب کی ذات مبارک کی نظیر میں نے کہیں نہیں دیکھی کہ آپ گھوڑے'

اونٹ اور دوسرے جانور اور نقد اور جنس کپڑے اور آٹا اور طعام لوگوں کو دیتے ہیں اور مریضوں کے لیے دوائیں عطا فرماتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ گمراہوں کو حق تعالی تک پہنچنے کا راستہ بھی بتاتے ہیں۔ حضرت قبلہ نے جواب میں فرمایا کہ اے میاں تو اصل! میری بات توجہ سے سنو! میں جب اپنے وطن کوہ داگ سے علم پڑھنے کے لیے اس شہر میں آکر مسجد سفید میں سکونت پذیر ہوا تو ایک نورباف نے میرا وظیفہ مقرر کیا۔ اس کے دروازہ پر ایک کتا تھا اور میں اس سے بہت ڈرتا تھا۔ پہلے مسجد کے صحن سے جو کہ اس کے گھر سے اونچا تھا جھانک کر دیکھتا تھا۔ اگر کتا اس کے دروازے پر اس وقت نہ ہوتا تو دوڑ کر اپنا وظیفہ لے لیتا اور کھا لیتا۔ ورنہ سارا دن فاقہ سے گزار دیتا۔ میں تو وہی ہوں لیکن حق تعالی کی ذات کریم ہے کہ اس نے مجھے اپنی عنایات سے نوازا۔ مؤلف کہتا ہے کہ غور کرنا چاہیے کہ مردان خدا باوجودیکہ ان کا مقام نہایت بلند ہوتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالی کا شکر بجالاتے ہیں اور تجدید نعمت کرتے ہیں اور ان کے کلام اور ان کے وجود میں نفسانیت کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ اسی لیے عراقی قدس سرہ نے فرمایا ہے ۔

گل توحید نروید بہ زمینے کہ درو
خار شرک و حسد و کبر و ریا و کیں است

(نافع السالکین "مترجم"
ملفوظات خواجہ شاہ سلیمان تونسوی ص 77

ایک روز ایک شخص نے حضرت قبلہ کی خدمت میں گیارہ سو روپیہ بطور نذرانہ پیش کیا۔ حضرت قبلہ قدس سرہ نے اسی وقت مبلغ مذکور علماء، فقراء، بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا۔ صرف ایک روپیہ بھولے سے آپ کی جیب میں رہ گیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے اپنے خادم اکرم کو بلایا اور فرمایا کہ آج رات مجھے نیند نہیں آئی کیونکہ ایک روپیہ میری جیب میں رہ گیا تھا۔ چنانچہ روپیہ نکال کر خادم کے حوالے کیا۔ نیز حضرت قبلہ کوئی چیز طرح طرح کے میووں اور رنگا رنگ کی چیزوں میں سے جو کہ لوگ آپ کی خدمت میں پیش کرتے، تناول نہ فرماتے بلکہ صاحبزادگان مہاروی زاد ہم اللہ شرفا و عزا اور دوسرے لوگوں کو عطا فرما دیتے اور خود جمال الٰہی کے نظارہ میں مستغرق رہتے۔ چنانچہ نماز کی رکعتوں کی تعداد و جمعہ کے روز خادم سے پوچھ کر معلوم کرتے۔

حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز سلطان التارکین تھے۔ ہزاروں روپیہ نقد اونٹ گھوڑے اور دوسرے مال و اسباب میں سے طرح طرح کی چیزیں جو مرید آپ کی خدمت میں لاتے، آپ اسی وقت دوسروں کو عطا فرما دیتے، اپنے پاس کوئی چیز نہ رکھتے۔

(ترجمہ نافع السالکین' ص 324-361)

حضرت شاہ غلام علی اور عام فیاضی

حضرت کی خانقاہ میں پانسو فقیر سے کم نہیں رہتا تھا اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا اور باوجود یکہ کہیں سے ایک حبہ مقرر نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ غیب سے کام چلاتا تھا۔ اس پر فیاضی اور سخاوت اس قدر تھی کہ کبھی سائل کو محروم نہیں پھیرا جو جس نے مانگا وہی دیا۔ جو چیز عمدہ اور تحفہ میں آپ کے پاس آتی اس کو بیچ کر فقراء پر صرف کرتے اور جیسا گاڑھا موٹا تمام فقیروں کو میسر ہوتا' ویسا ہی آپ بھی پہنتے اور جو کھانا سب کو میسر ہوتا وہی آپ کھاتے۔ بھلا غور کرو کہ بشر کی طاقت ہے کہ ایسی بات کر سکے کہ اگر کوئی عرض کرتا کہ حضرت آپ اپنے لیے تو یہ کپڑا لے لیجئے اور یہ آرام کی چیز بنا لیجئے تو آپ یہ قطعہ پڑھا کرتے

خاک نشینی است سلیمانیم

ننگ بود افسر سلطانیم

ہست بسے سال کہ می پوشش

کہنہ نہ شد جامہ عریانیم

(شیخ محمد اکرام: رود کوثر' ص 652-653' طبع فیروز سنز)

بابا فریدالدین گنج شکر اور بخشش عام

16 ماہ شعبان بروز جمعرات 655 ہجری کو قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ شیخ بدرالدین غزنوی' شیخ جمال الدین ہانسوی' مولانا شرف الدین' قاضی حمید الدین ناگوری اور اصحاب حاضر خدمت تھے۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ جو شخص میرے پاس آئے' خواہ دولت مند ہو' خواہ غریب' اسے محروم نہ رکھنا۔ جو کچھ حاضر ہو اسے دے دو۔

پھر فرمایا جو شخص میرے پاس آئے اور کوئی چیز نہ لائے۔ مجھ پر واجب ہے کہ اسے کچھ دوں۔ پھر آبدیدہ ہو کر یہ حکایت بیان کی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں علم اور احکام شرعی کی طلب کے لیے حاضر ہوتے۔ جب وہاں سے واپس آتے تو ایک دوسرے کی راہنمائی کرتے اور فائدے حاصل کرتے۔ بعد ازاں فرمایا کہ عمدۃ الابرار تاج الاتقیاء' خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہ العزیز کی یہ رسم تھی کہ اگر خانقاہ میں کوئی چیز موجود نہ ہوتی تو اپنے خادم شیخ بدرالدین غزنوی کو فرماتے کہ

پانی تو ہے جو شخص آئے اسے پانی دو تاکہ بخشش اور عطا سے خالی نہ جائے۔
(راحۃ القلوب ملفوظات بابا فرید الدین گنج شکر مرتبہ حضرت محبوب الٰہی ص 8-9)

اسی طرح حضرت محبوب الٰہی غرہ محرم 655ھ کی ایک حاضری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ باوا صاحب کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ اجودھن کے تمام باشندے چھوٹے بڑے مشائخ درویش اور مساکین آکر آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیتے تھے۔ باوا صاحب مصلی کے نیچے ہاتھ ڈال کر جو کچھ کسی کی قسمت ہوتی دے دیتے۔ لوگ جو شیرینی لائے اس کا ڈھیر لگ گیا۔ اس میں سے تھوڑی تھوڑی درویشوں کو دیتے۔ اس روز شہر کا کوئی غریب مسکین خالی ہاتھ نہ گیا۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ ہر ماہ کے غرہ کو اسی طرح کرتے تھے۔
(اردو ترجمہ راحۃ القلوب' ص 68)

شیخ بہاؤالدین بختیار اوشی اور کسی کا خالی نہ جانا

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک مرتبہ میں شیخ عثمان ہارونی اور ایک درویش سفر کر رہے تھے۔ ہم نے شیخ بہاؤالدین بختیار اوشی کو از حد بزرگ مرد پایا۔ آپ کی خانقاہ میں یہ دستور تھا کہ جو آتا خالی نہ جاتا۔ اگر ننگا ہوتا تو نفیس کپڑے دیئے جاتے۔ ابھی دے نہ چکتے کہ غیب سے ویسے ہی اور آ جاتے۔ الغرض چند روز آپ کی خدمت میں گزارے آپ کی پہلی نصیحت یہ تھی کہ جو کچھ ملے اسے راہ خدا میں صرف کرنا چاہیے کہ ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہیں رکھنا چاہیے۔ بندگان خدا کو کھانا کھلانا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کی دوستی حاصل ہو۔

پھر فرمایا: اے درویش! جسے نعمت حاصل ہوئی ہے' اسی سے ہوئی ہے۔ پھر ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک درویش از حد فقیر تھا۔ لیکن اس کی عادت یہ تھی کہ اگر کوئی چیز بطور فتوح آ جاتی تو درویشوں کو بانٹ دیتا اور خود گھر میں گزارہ کرتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ دو درویش صاحب ولایت اس کے پاس آئے اور اس سے پانی مانگا۔ درویش اندر سے جو کی دو روٹیاں اور پانی کا کوزہ لے کر آیا کیونکہ وہ بھوکا تھا۔ روٹی کھا کر پانی پیا اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر باہم کہنے لگے کہ درویش نے تو اپنا کام کیا ہے ہمیں بھی اپنا کام کرنا چاہیے۔ ایک نے کہا' اسے دنیا دینی چاہیے۔ دوسرے نے کہا یہ دنیا کے سبب گمراہی میں پڑ جائے گا۔ پہلے نے جواب دیا کہ درویش بخشنے والے ہوتے ہیں۔ دنیا آخرت کے بدلے دی۔ دعا کر

کے چلے گئے۔ پھر وہ درویش ایسا کامل حال ہوا کہ ہر روز اس کے باورچی خانے میں ہزار من طعام موجود ہوتا جو وہ خلق خدا کو کھلاتا۔
(دلیل العارفین اردو ترجمہ ص 47 ملفوظات خواجہ اجمیری)

شاہ نظام الدین اورنگ آبادی اور بخشش عام

حاضری کی دولت میسر ہوئی' حضرت صاحب قبلہ کا تذکرہ آ گیا۔ ارشاد فرمایا' حضرت صاحب کے پاس اشرفی' روپیہ' اٹھنی' چونی جس کو ہندوستان میں پاولی اور ادھیلی کہتے ہیں۔ خادم کاغذ میں باندھ کر رکھ دیا کرتے تھے۔ جس کسی کو حضرت صاحب مفلس جانتے' اس کو اس کی قسمت کے موافق عنایت فرما دیتے۔ دنیا داروں کو دیا کرتے مگر بھیک منگے فقیروں کو ایک پیسے سے زیادہ نہیں دیا کرتے تھے اور فرماتے کہ ان کو یہاں نہیں ملتا تو ادھر ادھر پھیری لگا کے پھر آ جاتے ہیں۔

اور جو بے چارے واقعی غریب ہیں جن کا یہ پیشہ نہیں ان کو جامہ و دستار (کپڑوں وغیرہ) کے لیے سوال کرتے شرم آتی ہے۔ وہ بیچارے فاقہ کرتے کرتے مر جاتے ہیں۔ دراصل وہی انسان اس کا زیادہ مستحق ہے جو بظاہر خوش پوشاک ہے مگر غربت کی شرم سے سوال نہیں کر سکتا۔
(فخرالطالبین ملفوظات شاہ فخر دہلوی 127)

مخدوم جہانیاں اور فتوحات کی تقسیم

حضرت مخدوم کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ اور معتقدین کے پاس سے جو تحائف آتے انہیں قبول کر لیتے اور ان میں سے اپنی ضروت کے مطابق رکھ کر دوسروں کو تقسیم کر دیتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ کہیں سے بھی کوئی فتوح آتی ہے تو اس کو اس لیے قبول کر لیتا ہوں کہ شیخ مکہ عبداللہ فعی اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری اور دوسرے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ فتوح کو اس لیے قبول کرو کہ دوسروں تک پہنچاؤ اور کچھ اپنی ضرورت کے لیے بھی رکھو۔

مخدوم جہانیاں جب مکہ معظمہ سے شیراز تشریف لے گئے تو ایران کے فرماں روا نے سونے اور چاندی کے سکے طشت میں پیش کیے لیکن آپ نے یہ تمام سکے ان ساتھیوں کو دے دیئے جو مقروض تھے۔

شیراز میں حضرت مخدوم جہانیاں کے ایک شاگرد نے جو آپ سے مصابیح پڑھتا تھا۔ کئی ہزار دینار نذر کیے لیکن آپ نے یہ دینار اپنے ان رفیقوں میں تقسیم کر دیئے جن کو

لڑکیوں کی شادی کرنی تھی۔

ایک دفعہ سید شمس الدین عراقی مسعود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرا آج کا وظیفہ ابھی تک نہیں ملا۔ آپ نے اپنے خادم کو بلا کر فرمایا کہ اگر کہیں سے کوئی فتوح آئی ہو تو ان کو دے دو۔ خادم نے عرض کیا کہ آج تو کوئی فتوح نہیں آئی۔ فرمایا' ہنشوے سے قرض لے کر ان کا وظیفہ دے دو۔

مسعود عراقی نے کہا کہ کافر سے قرض لینا مکروہ ہے۔ فرمایا ضرورت کے وقت مسلمان اور کافر سے قرض لینا درست ہے۔ (تذکرہ صوفیائے پنجاب ص ۲۱۱)

حضرت شاہ دولا گجراتی کا لنگر

شاہ دولا کی فیاضی و سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو خزانہ غیب سے آپ کو ملتا تھا' بے حساب غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کر دیتے۔ ایک بڑے پیمانے پر آپ نے لنگر جاری کر رکھا تھا۔ غرباء اور فقراء اس سے کھانا کھاتے' آپ کی بارگاہ ان اخراجات کو دیکھ کر امراء اور ملوک کی بارگاہ معلوم ہوتی تھی۔

گجرات اور سیالکوٹ وغیرہ میں آپ کے تعمیر کرائے ہوئے بہت سے کنوئیں' سرائے اور پل اب تک موجود ہیں' جنہیں دیکھ کر شاہی عمارتوں کا دھوکہ ہوتا ہے۔

(تذکرہ صوفیائے پنجاب' ص288)

خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی اور بخشش عام

حضرت شیخ نصیرالدین محمود سے منقول ہے۔ ایک دفعہ حضرت کے ہاں فاقہ تھا۔ گدڑی پوش قلندروں کا ایک گروہ حضرت کے پاس پہنچا اور مہمان ہونے کی امید کی۔ حضرت شیخ کی یہ عادت تھی کہ اگر مہمان کے لیے کوئی چیز نہ ہوتی تو پانی کا پیالا اٹھاتے اور مہمان کو پانی پلا دیتے اور عذر کر لیتے۔ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا انہوں نے پانی پیا اور آپس میں کہا کہ یہ صاحب نہایت قابل قدر ہیں۔ اگر ان کے پاس کوئی چیز ہوتی تو کھلانے میں کوتاہی نہ کرتے۔ ہمارے پاس البتہ کچھ ہے بہتر ہے کہ ان کے سامنے رکھ دیں۔ انہوں نے اپنی ہمیانیوں کو کھولا اور جو رقم ان کے پاس تھی حضرت کو پیش کی۔ کہتے ہیں کہ پانسو سفید تنکے تھے جو بطور شکرانہ شیخ کے سامنے پیش کیے اور دعا کی درخواست کی حضرت شیخ نے وہ تنکے اسی وقت صرف کر دیئے۔ ایک شخص نے جو حاضر تھا کہا کہ آپ کے ہاں بہت تنگی ہے۔ کچھ دنوں کے لیے (ان تنکوں کو) کیوں نہیں رکھ لیتے جواب دیا کہ جب آتا ہے تو دے دو کہ کم نہ آئے اور جب جاتا ہے تو خیال رکھو کہ نہ آئے۔ (سیر العارفین ص 138)

شیخ سماء الدین اور بخشش عام

اس عالی وقار (شیخ سماء الدین رحمتہ اللہ علیہ) کی نظر میں دنیا کے بادشاہوں کی کوئی منزلت نہ تھی۔ ان کی حق بیں نظر میں فقیر و مالدار یکساں تھے۔ اگر ایک ہزار تنکے کسی جگہ سے نذرانے میں آتے تو پانسو اور قرض لے لیتے اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیتے۔ قرض لینے کا سبب یہ تھا کہ جب فقیروں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ کہیں سے نذرانہ آیا ہے تو بہت سے فقراء جمع ہو جاتے۔ ان ہزار دیناروں کو تقسیم کر دینے کے بعد جو اہل حاجت باقی رہ جاتے ان کو قرض منگا کر تقسیم کرتے۔ فقیروں' غریبوں اور یتیموں پر اس درجہ شفیق تھے کہ ہر میوہ کی فصل میں اس جماعت کو اپنے سامنے بٹھاتے اور طرح طرح کے میوے ان کے سامنے رکھواتے اور خود بھی ان کے ساتھ تناول فرماتے۔ حالانکہ ہزاروں شکرانے اور نذرانے متواتر آتے تھے مگر اپنے خورد و نوش کے لیے قرض لیتے تھے۔

ایک مرتبہ اس فقیر (جمالی صاحب سیر العارفین) کے سامنے دو ہزار تنکے نذرانے میں آئے وہ سب مستحقین میں تقسیم کر دیئے۔ اسی دوران فقراء کا ایک اور گروہ آ گیا۔ حضرت نے اپنے صاجزادے شیخ المشائخ نصیر الملت والدین کو حکم دیا کہ جو لوگ تقسیم کے بعد آئے ہیں ان کو بھی محروم نہ جانا چاہیے۔ مزید ہزار تنکے قرض لے کر ان میں تقسیم کر دو۔

میں نے یہ شیخ اسحاق سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ ملتان میں سخت قحط پڑا اور غلہ بالکل ناپید ہو گیا۔ جرت (جوار) کا دانہ موتی سے زیادہ قیمتی ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں اگر کبھی آدھا سیر جوار یا گیہوں میسر آ جاتا تو اس کو جوش دیتے اور ان دانوں کو گن کر گھر کے آدمیوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور جو ان کا حصہ ہوتا تھا وہ فقیروں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ وہ فاقوں پر فاقہ کرتے تھے لیکن کبھی ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ بہت ایثار کیا کرتے تھے۔ ایک درہم یا دینار اپنی ملکیت میں نہ رکھتے تھے۔ باوجودیکہ ہزاروں تحفے آتے تھے مستحقین اور اولاد کو برابر کا حصہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ فقیر (جمالی) مدت تک حضرت کی خدمت میں رہا کبھی ان کو صاحب نصاب نہ پایا۔

(سیر العارفین "مترجم" ص 253' 258)

حضرت معروف کرخی اور ایک سائل

ایک روز حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس کوئی سائل آیا تو آپ کو

اسے کچھ دینے کے واسطے سوائے جوتے کے کوئی شے نظر نہ آئی۔ سوچا، سائل کو خالی ہاتھ نہیں جانا چاہیے، پس وہی دے دیا۔ بعد ازاں آپ کو معلوم ہوا کہ اس سائل نے جوتا بیچ دیا ہے اور اس کی قیمت سے کوئی پھل خریدا ہے۔ آپ نے فرمایا، الحمد للہ شاید اس کا میوے کو دل چاہتا ہو۔ ہماری اس معمولی خدمت سے اس کی آرزو پوری ہوئی۔

(اخلاق صالحین ترجمہ تنبیہہ المغترین، ص 277)

شیخ برہان الدین اور بادشاہ کا ہدیہ

سلطان محمد تغلق نے ایک موقع پر ان کی خدمت میں تین ہزار سونے کے تنکے بھیجے۔ ملک نائب باربک یہ رقم لے کر پہنچا تو انہوں نے اس رقم کے لینے سے انکار کیا کہ اس کی ضرورت نہیں، لیکن سلطان نے ملک نائب باربک کو یہ کہہ کر پھر بھیجا کہ یہ رقم ان کے لیے نہیں ہے بلکہ ان کے خدمت گزاروں کے لیے ہے۔ شیخ نے یہ رقم لے لی اور خادم خاص کو بلوایا کہ گھر میں جو کچھ ہو لاؤ۔ خادم نے بیس تنکے لاکر پیش کیے اور فرمایا کہ ان کو سلطان کے تین ہزار تنکے میں ملاکر فقراء میں تقسیم کر دو اور ایسا ہی کیا گیا۔

(ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں، ص 117 بحوالہ روضۃ الاولیاء ص 27)

خواجہ نظام الدین اولیاء اور ایک قلندر

سلطان جلال الدین فیروز شاہ تغلق کے بعد اس کا بھتیجا علاؤالدین دلی کا بادشاہ ہوا، اس نے اپنے فوجی سردار کافور کو ورنگل کی فتح کے لیے بھیجا۔ ایک عرصہ تک اس کو اس مہم کے متعلق کسی قسم کی خبر نہ ملی۔ حالت اضطراب میں اس نے قاضی مغیث الدین بیانوی اور ملک قرابیگ کو بھیج کر حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں یہ کہلایا کہ آپ کو اسلام کا غم مجھ سے زیادہ ہے۔ آپ اپنے نور باطن سے یہ معلوم کر کے کیفیت حقیقی سے آگاہ کریں۔ لشکر کی خبر نہ ملنے پر مجھ پر گرانی طاری ہے۔ حضرت خواجہ نے یہ جواب بھیج کر بشارت دی کہ اس فتح کے علاوہ اور بھی دوسری فتوحات کی توقع ہے۔ چنانچہ اسی روز ورنگل کی فتح کی خبر ملی۔ سلطان نے خوشی میں حضرت خواجہ کی خانقاہ کے لیے پانچ سو اشرفیاں بھیجیں، ملک قرابیگ اشرفیاں لے کر پہنچا تو اس وقت حضرت خواجہ کے پاس ایک خراسانی قلندر موجود تھا۔ اس نے حضرت خواجہ سے کہ (الھدیا مشترک) یعنی "ہدیہ مشترک ہوتا ہے"۔ حضرت خواجہ نے جواب دیا کہ "تنہا خوشترک یعنی تنہا ایک ہی شخص کو مل جائے تو بہتر ہے۔ یہ کہہ کر تمام اشرفیاں قلندر کے حوالہ کر دیں۔

(سیر العارفین، ذکر خواجہ نظام الدین اولیاء

بحوالہ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ص 90)

شیخ جلال الدین کا دسترخوان

حضرت خواجہ شمس الدین ترک رحمتہ اللہ علیہ پانی پتی المتوفی 719ھ' 1319ء کے برگزیدہ خلیفہ حضرت شیخ جلال الدین محمد کبیرالاولیاء رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ جو اپنے فضل و کمال کے لیے بہت ممتاز رہے۔ ان کا دسترخوان بہت وسیع تھا' جس پر روزانہ ایک ہزار آدمی شریک ہو کر کھانا کھاتے۔ کسی روز ایک ہزار سے کم آدمی ہوتے تو وہ کوچہ و بازار سے آدمی بلوا بھیجتے' اور ان کو بٹھا کر کھانا کھلاتے' اور جو خوان قسم قسم کے کھانوں سے بھر کر آتے وہ واپس لنگر خانہ میں نہ جاتے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ اخراجات اتنے خوان روزانہ کہاں سے آتے ہیں۔

(ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں' ص 69)

شیخ علاؤالدین اور فقراء و مساکین

شیخ علاؤالدین رحمتہ اللہ علیہ حضرت فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادہ شیخ بدرالدین سلیمانی کے صاحبزادے تھے۔ سولہ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ بڑے صاحب عظمت و کرامت بزرگ تھے۔ صائم الدھر رہے' عیدین اور ایام تشریق میں کچھ کھا لیتے ورنہ برابر روزے رکھتے۔ لیکن روزانہ ان کا دسترخوان دوسروں کے لیے بچھا رہتا۔ جب اپنے حجرے سے نکال کر اپنے والد بزرگوار کے مرقد کی زیارت کو جاتے تو راستہ میں فقراء اور مساکین میں خیرات تقسیم کرتے جاتے۔ ان کے انتظار میں یہ دو رویہ کھڑے رہتے اگر کوئی فقیر دھوکہ دے کر آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلاتا اور لوگ کہتے کہ پہلے لے چکا ہے تو اس کو دوگنا دیتے اور دیتے وقت ان کا مقصد یہ ہوتا کہ کوئی "مناعا للخیر" نہ ہو۔

(سیرالاولیاء' ص 195' بحوالہ: ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں' ص 66)

شیخ احمد کھٹو اور ایک بھنگی

شیخ احمد کھٹو المتوفی 849ھ' 1445ء اجمیر شریف کے پاس ایک گاؤں کھٹو کے رہنے والے تھے۔ بابا اسحاق مغربی سے تربیت پائی اور ان ہی سے مرید ہو کر راہ سلوک پر گامزن ہوئے۔ اپنے پیرو مرشد کی وفات کے بعد دہلی آئے۔ مزید تعلیم پا کر مسجد خانجہاں

میں بڑی ریاضت کی۔ روزے رکھتے تو سوکھی باسی کھلی کے ایک ٹکڑے سے افطار کر لیا کرتے تھے۔ چلہ میں صرف ایک کھجور کھاتے تھے۔ عمر بھر شادی نہیں کی۔ گجرات کے حکمران، سلطان مظفر المتوفی 814ھ (1401ء) کی دعوت پر گجرات گئے اور سرکیج میں اقامت اختیار کی اور وہیں مدفون ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ جب ان کی عمر بارہ سال کی تھی تو ایک دن ایک فقیر ان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ بابا بوجیو (یعنی حضرت احمد کے مرشد) اس کو روزانہ چار جیتل دیتے ہیں۔ یہ معلوم کر کے انہوں نے اپنے مرشد سے کہا کہ یہ فقیر بے انتہا بھنگ پیتا ہے۔ آپ کے دیئے ہوئے جیتل سے بھنگ پی لیتا ہے۔ بابا بوجیو نے فرمایا، ہم سے ہمارے کام کی پرسش ہوگی اور اس سے اس کے کام کی باز پرس ہوگی۔ حضرت احمد کھٹو کا بیان ہے کہ اس دن سے بابا بوجیو کی پیروی برابر کرتا رہا۔ ان کی سخاوت کے لیے ان کے مرشد نے دعا کی کہ ان کا ہاتھ اونچا رہے اور خدا کی مخلوق ان کے ہاتھ سے کچھ نہ کچھ لیتی رہے۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

ہمت بلند دار کہ داور کرد گار
بر ہمت بلند کند فضل خود نثار

اور یہ حدیث بھی پڑھی: یا ابن آدم انفق انفق۔ "اے ابن آدم خرچ کر خرچ کر"۔ پھر یہ آیت پڑھی: **وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عنداللہ ھو خیرا واعظم اجرا۔** "تم اپنی زندگی میں جو کچھ آئندہ کے خیال سے عمدہ طور پر خرچ کرو گے، اس کا اللہ کے پاس عمدہ بدلہ پاؤ گے اور اللہ کا بدلہ بہت ہی اچھا اور بہتر ہے"۔
(اخبار الاخیار، ص 151-150 بحوالہ: ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ص 159)

مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی اور بخشش عام

مولوی محمد یحییٰ صاحب لکھنوی نے فرمایا کہ جب آپ لکھنؤ میں تشریف لائے تو مطبع مصطفائی میں ٹھہرے۔ ہم بھی حدیث پڑھنے کو جاتے تھے۔ آپ کے مکان سے بنجارہ آیا، ہم نے خبر دی کہ حضرت وطن سے آدمی آیا ہے۔ اس سے خیریت دریافت کی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ: ہاں بلاؤ کہاں ہے۔ وہ حاضر کیا گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ: کہو وطن میں کوئی مرا تو نہیں۔ اس نے کہا نہیں صاحب کوئی نہیں مرا۔ پھر جب وہ جانے لگا تو اس نے میر صاحب علی سے کہا کہ گھر والوں نے خرچ مانگا تھا۔ میر صاحب علی نے کہا: حضرت عورتوں نے کچھ خرچ مانگا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ: خدا کی پناہ! سولہ سیر باجرہ اور سولہ سیر

جوار ہم دے کر آئے تھے' یہ سب کھا گئیں۔ غضب خدا کا' جنگ تبوک میں صحابہؓ کو ایک خرما روز دیا جاتا تھا۔ اسی پر قناعت کرتے تھے۔ المختصر اپنے گھر والوں کو کچھ نہ دیا۔ باوجودیکہ شرف الدولہ نے کئی ہزار روپیہ آپ کو دیا تھا۔ وہ روز تقسیم ہوتے تھے۔ اس میں سے ڈیڑھ سو بچ بھی گیا تھا مگر اس کو بھی لینے دینے کے لیے رکھا تھا۔ کوئی مستحق آ جاوے تو تب کام آوے گا۔ پہلے روز جو روپیہ آیا تھا تو آپ نے عبدالرحمٰن خان سے پوچھا "بخاری شریف" تمہارے پاس کے جلد ہے۔ انہوں نے کہا: بیس جلد قیمت کیا ہے؟ کہا تیس روپیہ آپ نے فرمایا' ہم نے لیا۔ پھر پوچھا کہ "مسلم شریف" وغیرہ کس قدر ہے؟ غرض جتنی کتابیں حدیث فقہ کی تھیں سب خرید لیں اور پھر تقسیم کرتے تھے۔ آخر بنجارہ کو میر صاحب علی نے اپنے پاس سے تین روپیہ نکال کر دیئے اور اس کو رخصت کیا۔

(تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی' ص 67 مرتبہ: سید ابوالحسن علی ندوی

شاہ سلیمان تونسوی اور مستحق افراد

ایک دفعہ حافظ نور احمد خاکوانی حاضر خدمت ہوا اور بارہ ہزار روپیہ حضرت صاحب کی نذر کیا۔ اور عرض کیا کہ قبلہ میں نے منت مانی تھی کہ جو کچھ مجھے اس ملازمت میں ملے گا اپنے پیر کی نذر کروں گا۔ حضرت صاحب نے وہ روپیہ خدا بخش لانگری کو دے دیا۔ جب نماز فجر سے فارغ ہوئے تو خدا بخش کو بلایا۔ مستحق افراد کے نام لکھ دیئے اور فرمایا کہ ان کو تقسیم کر دو۔

سات ہزار روپیہ حضرت قبلہ عالم کی خانقاہ پر بھیجا اور لکھ دیا کہ اتنے فلاں صاحبزادہ صاحب کو اور اتنے فلاں صاحبزادہ صاحب کو۔ میاں عبداللہ صاحب مہاروی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں ایک ہزار روپیہ کا مقروض تھا۔ حضرت صاحب نے اس کاغذ پر میرے لیے ایک ہزار ہی لکھا تھا اور بقیہ پانچ ہزار حسب الارشاد تونسہ شریف کے علماء اور مستحق افراد میں تقسیم کر دیئے۔ جب خدا بخش نے آکر خبر دی تو فرمایا: الحمد للہ حق تعالٰی نے اس بلا کو مجھ سے دور کر دیا۔

(مناقب المحبوبین "مترجم" ص 190 مرتبہ: نجم الدین سلیمانی)

شاہ سلیمان تونسوی اور عام کرم

جب خواجہ نور محمد مہاروی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ کی حیثیت سے وہ تونسہ شریف پہنچے تو عسرت کا یہ عالم تھا کہ سرکنڈوں کی جھونپڑی میں اپنا سر چھپاتے تھے اور فقرو

فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ گڑ گوجی میں ان کی چھ زمین تھی، لیکن خواجہ نور محمد صاحب کے ارشاد کے بموجب اسے ویسے ہی چھوڑ آئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد فتوح کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دنیا کی ہر نعمت ان کے قدموں میں آگئی، لیکن استغناء کا وہی عالم رہا اور انہوں نے فارغ البالی کی زندگی بسر نہیں کی۔ جو کچھ ان کی خانقاہ میں پہنچتا تھا، فوراً تقسیم کر دیتے تھے۔ اپنے لیے کچھ نہ رکھتے تھے۔ لکھا ہے: ''حضرت قبلہ بن قدس سرہ العزیز سلطان التارکین بود ہزاراں نقود و اسپاں و شتراں و دیگر چیز ھا ازا متعہ واقمشہ کہ مریدان در نذر آوردندے ہماں لحظہ عطامی نمودند۔ ہیچ چیز باخود نمی داشتند (نافع السالکین)

ایک مرتبہ ایک شخص محمد واصل جس نے عرب و عجم کی سیر کی تھی، نے حضرت کے اس عطا و کرم کی تعریف کی تو فرمانے لگے۔ میاں واصل میں تو وہی ہوں جو تونسہ میں کتے والے مکان سے کھانا لے کر کھاتا تھا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے۔ شاہ صاحب کی طبیعت میں حفاظت اور توکل کا جذبہ حد درجہ تھا۔ ہر قسم کی فتوح ان کے دروازے تک آتی تھی۔ لیکن وہ ایک ہاتھ سے لیتے تھے اور دوسرے سے تقسیم کر دیتے تھے۔ حجرہ مبارک میں صرف ایک بوریا تھا۔ اس پر نماز نوافل پڑھتے تھے اور اسی کو سونے کے وقت تخت پر بچھا لیتے تھے۔ گرمیوں میں لنگی سرہانے رکھ کر استراحت فرماتے تھے۔ جاڑوں میں اس لنگی کو استراحت کے وقت جسم مبارک پر ڈال لیتے تھے۔ شاہ صاحب اپنے مریدوں کو بھی یہ ہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ وہ صابر و شاکر و قانع بنیں۔

(تاریخ مشائخ چشت: ص 625-624

خواجہ قاضی محمد عاقل کا عام لنگر

خواجہ نور محمد مہاروی رحمتہ اللہ علیہ م 1205ھ کے ممتاز خلیفہ خواجہ محمد عاقل رحمتہ اللہ علیہ کا لنگر ابتدائی زمانے سے ہی جاری تھا۔ طلبہ اور فقراء کو اس سے کھانا ملتا تھا لیکن ایک زمانہ قاضی صاحب پر ایسا بھی گزرا تھا کہ مسلسل فاقہ رہتا تھا اور لنگر کے سب متعلقین فقراء اور طلباء کو یہ مصائب برداشت کرنا پڑتے تھے۔ خواجہ گل محمد احمد پوری اس تنگی اور عسرت کے زمانہ میں قاضی صاحب کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب فتوح میسر نہ آتی تو کچھ نہ پکتا تھا۔ جب کچھ آجاتا تو کھانے کا انتظام ہو جاتا۔ لیکن خود خواجہ عاقل صاحب کا یہ عالم تھا کہ جب تک تمام متعلقین درویش اور طالب علم کھانا نہ کھا لیتے خود کھانے کو ہاتھ تک نہ لگاتے تھے۔

خواجہ گل محمد ہی نے لکھا ہے کہ ان کے متعلقین وغیرہ کی تعداد پانچ سو تھی اور

تعداد اس وقت تھی جب فقرو فاقہ کے مصائب بھی برداشت کرنے پڑتے تھے جب باب فتوح کھل گیا تو لنگر سے کھانے والوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ اندازہ لگانا مشکل ہو گیا۔ لکھا ہے:

در آں وقت نہ واردین را تعداد بود' نہ طعام را انداز' یکے دربار شاہنشہی بود

''اس وقت نہ آنے والوں کا شمار تھا' نہ کھانے کا اندازہ ایک شاہی دربار تھا جو چلتا رہتا تھا''۔

(تاریخ مشائخ چشت' ج 5' ص 305' ادارہ ادبیات دلی' بحوالہ تکملہ سیرالاولیاء ص 149)

شیخ صدرالدین عارف اور ترکہ کی تقسیم

والد بزرگوار کے وصال کے بعد شیخ صدرالدین جب رشد و ہدایت کی مسند پر بیٹھے تو ترکہ میں 7 لاکھ نقد ملی مگر ساری رقم ایک ہی روز فقراء و مساکین میں تقسیم کرا دی اور اپنے لیے ایک درم بھی نہ رکھا۔ کسی نے عرض کی کہ آپ کے والد بزرگوار اپنے خزانے میں نقد جنس جمع رکھتے تھے اور اس کو تھوڑا تھوڑا صرف کرنا پسند کرتے تھے۔ آپ کا عمل بھی انہی کی روش کے مطابق ہونا چاہیے تھا۔ شیخ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت بابا دنیا پر غالب تھے۔ اس لیے دولت ان کے پاس جمع ہو جاتی تھی مگر مجھ میں یہ وصف نہیں۔ اس لیے اندیشہ رہتا ہے کہ دنیا کے مال کے سبب سے دنیا کے فوب میں مبتلا نہ ہو جاؤں' اس لیے میں نے ساری دولت علیحدہ کر دی۔

(بزم صوفیہ' ص 107)

شیخ رکن الدین ملتانی اور فقراء دہلی

سلطان علاؤالدین خلجی کے زمانے میں ایک بار ملتان سے دہلی تشریف لائے تو سلطان نے شاہی وفد کے ساتھ دہلی سے باہر ان کا استقبال کیا۔ اور بڑے اعزاز و اکرام سے ان کو دہلی لایا اور 2 لاکھ ٹنکے نذر کیے پھر رخصت کے وقت 5 لاکھ نذر کیے۔ حضرت شیخ رکن الدین نے دہلی چھوڑنے سے پہلے یہ کل رقم فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دی۔ سلطان وقت کی طرف سے اس اعزاز و اکرام کے باوجود فرماتے ہیں۔ ملتان سے دہلی صرف حضرت نظام الدین اولیاء کی محبت اور شوق ملاقات میں آتا ہوں۔ حضرت نظام الدین اولیاء کو بھی ان سے قلبی لگاؤ تھا۔ جب وہ سلطان کی دعوت پر دہلی آئے تو اگر ایک طرف ان کے استقبال کے لیے سلطان وقت اپنے خدم و حشم کے ساتھ تھا تو دوسری طرف مومن علائی

کے پاس سلطان الاولیاء بھی اپنی جلالت اور عظمت کے ساتھ ان کے لیے چشم براہ تھے۔
(بزم صوفیہ' ص263)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور عام بذل و سخا

حضرت صاحب کے پاس بکثرت سائل آتے اور کوئی محروم نہ جاتا۔ آپ سب کو علی قدر مراتب عطا فرماتے۔ ایک بار احقر (مولانا تھانوی) حاضر تھا کہ ایک سائل آیا۔ آپ نے دے کر رخصت کیا چونکہ اس وقت شاید کوئی مضمون دلچسپ بیان ہو رہا تھا۔ بعض خدام نے تنگ دلی کے لہجہ میں عرض کیا کہ اس قدر کثرت سے یہ لوگ آتے ہیں اور موقع محل کچھ نہیں دیکھتے۔ حضرت صاحب نے ارشاد فرمایا کہ بھائی سائلوں سے تنگ نہ ہونا چاہیے تم کو خبر بھی ہے کہ یہ لوگ حمال ہیں۔ تمہارے ذخیرہ اور مال کے آخرت کی طرف اگر یہ لوگ صدقات کو قبول نہ کریں تو بڑا حصہ خیرات کا آخرت میں پہنچنا محال ہو تو واقعہ میں یہ لوگ ہمارے محسن ہیں کہ ہمارا بوجھ اٹھا اٹھا کر وہاں پہنچا رہے ہیں۔
(کتاب 'کمالات الامدادیہ' ص 4 تا 14' کمال نمبر 15)

حضرت رائے پوری کا ایک ضرورتمند کو نوازنا

سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالقادر رائےپوری رحمتہ اللہ علیہ کے بذل و سخا کا تذکرہ کرتے ہوئے محمد اختر صاحب (نو مسلم) کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"ایک دفعہ مجمع لگا ہوا تھا' بہت سے حضرات بیٹھے تھے' کسی شخص نے مصافحہ کرتے وقت بے تکلف عرض کیا: "حضرت دس روپے کی ضرورت تھی"۔ حضرت نے فرمایا: اللہ سے دعا کرو' پھر خاموش ہوگئے۔ تھوڑی دیر میں ایک شخص آیا' سو روپیہ کا نوٹ حضرت کے ہاتھ پر رکھا۔ حضرت نے آواز دے کر فرمایا: "ارے بھائی وہ شخص کہاں گیا جو دس روپیہ مانگ رہا تھا"۔ وہ بولا' جی حضرت بیٹھا ہوں۔ فرمایا: "لے یہ دس روپیہ"۔ اس نے عرض کیا' حضرت یہ تو سو روپیہ ہیں۔ فرمایا: "لے جا تیری موج ہوگئی"۔
(سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری' ص 256 مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور 1977ء)

شیخ مولہ کے لنگر میں روزانہ ہزاروں من آٹا پکنا

مولانا مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے:

ہندوستان کی اکثر تاریخوں میں ملے گا کہ جلال الدین خلجی کے عہد میں مولہ 1 نامی دلی میں ایک درویش تھے۔ ملا عبدالقادر بداؤنی نے لکھا ہے کہ ان کی خانقاہ میں'

"ہزار من میدہ و پانصد من مسلوخ (گوشت بنا بنایا) و سہ صد من شکر خرچ یومی شیخ بود کہ در لنگر بکاری رفت"۔ (ص 170)

اگر من سے وہی چالیس سیر والا ہندوستانی من مراد ہے اور غالباً وہی مراد ہے بھی کہ اور جہاں کہیں بھی من کا لفظ اس زمانہ کی کتابوں میں استعمال کیا گیا ہے' اس سے وہی ہندوستانی من مقصود ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایسی صورت میں ہزار ہزار من آٹے کی روٹیوں اور پانچ پانچ سو من گوشت کے روزانہ کھانے والوں کی تعداد کیا ہوگی' اور واقعہ تو یہ ہے کہ بجائے خود یہ اس اولوالعزمی کی دلیل ہے جو اس زمانہ میں مسلمانوں کے اندر پائی جاتی تھی۔ اللہ اللہ ہم آج جس چیز کو سوچ بھی نہیں سکتے' اسے حکومت نہیں' بلکہ مسلمانوں کے عام افراد اسے انجام دیتے تھے۔ آخر روزانہ اتنی بڑی مقدار میں کھانا پکوانا اور کھلانا بغیر کسی معمولی سلیقہ نظم کے ممکن ہے؟ لیکن قومیں جب زندہ ہوتی ہیں تو ان پر ایسی باتیں بلکہ ان سے بھی عجیب تر باتیں آسان ہو جاتی ہیں۔ اور جب مردنی چھا جاتی ہے تو دو آدمی کے کھانے پینے کا انتظام بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ ملا صاحب نے لکھا ہے کہ رفتہ رفتہ جب سیدی مولہ کے اس "خوان یغما" کی خبر بادشاہ وقت (جلال الدین خلجی) کے کانوں تک پہنچی تو خود اسے بھی تعجب ہوا' اور شاید کچھ خطرہ بھی' آخر

"شبے بہ لباس ناشناس در خانقاہ او رفتہ تصرف او را نچہ شنیدہ بود زیادہ یافت"۔

ملا عبدالقادر نے اس کی تصریح بھی کی ہے کہ سیدی مولہ کا دستر خوان سب

1۔ ظفرالوالہ جو گجرات کی عربی زبان میں ایک مبسوط تاریخ ہے۔ اس میں اس لفظ "مولہ" کا تلفظ درج کرتے ہوئے لکھا ہے۔ بتشدید اللام المفتوحہ ہے یعنی "مولّہ" اس کا صحیح تلفظ ہے۔ اس میں شیخ مولہ کے متعلق لکھا ہے کہ کان سیدی مولہ مع سعۃ تصرفہ یقتصر فی الملبوس علی رداء من قطن وازار وفی الماکول علی قرص خبز من دقیق الارز وقلیل الادم من جنس البقول الحب کثیرالریاضۃ والمجاھدہ لازوجہ لہ ولا غلام یخدمہ ولا یقبل الفتوح' ص 766' ج 2 یعنی سیدی مولہ ان تصرفات کے باوجود خود سادہ لباس رکھتے تھے۔ ایک سوتی چادر ایک لنگی' کھانے میں چاول کی روٹی کسی ترکاری کے ساتھ جس میں گوشت وغیرہ کچھ نہ ہوتا۔ مجاہدہ اور ریاضت کے سختی کے ساتھ پابند تھے۔ ان کی نہ بیوی تھی' نہ کوئی غلام خدمت کرنے والا' لوگوں سے نذر نذور فتوحات بھی نہیں لیتے تھے۔

لیے کشادہ تھا۔ عام اور خاص کی کوئی تفریق نہ تھی۔

"مردم نامی و سرداران معتبرو سائر خواص و عوام پیوستہ ملازم خانقاہ او بودندے"۔

شیخ محدث نے یہی اخبار الاخیار میں سیدی مولہ کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے کہ:

"اتباع و مریداں بسیار داشت و بمردم طعام می داد" (ص 73)

جیسا کہ میں نے عرض کیا، اپنی مقدار و وسعت کے لحاظ سے سیدی مولہ کا دسترخوان جو کچھ بھی خصوصیت رکھتا ہو، لیکن خانقاہی لنگر خانوں کے دروازے عموماً ہر کہ و مہ خاص و عام کے لیے کھلے رہتے تھے۔ اس میں ان کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ اکبر کے ابتدائی عہد میں شیخ فخرالدین نامی ایک بزرگ تھے۔ ملا عبدالقادر ہی نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ سماع کے بعد دستور تھا کہ:

"سفرہ (دسترخوان) می کشیدند شاہ و درویش گرد او برابر بود"۔

انتہا اس عمومیت کی یہ تھی کہ بیرم خان خاناں جو اس زمانہ میں وزیر ہی نہیں بلکہ مدار کل اور حقیقی معنوں میں وہی حکمراں تھا، لکھا ہے کہ:

"بیرم خاں نماز جمعہ اکثر در مسجد اومی گزارد ..... و در تناول طعام و سائر آداب مجلس ہیچ امتیاز از سائر الناس نداشت"۔ (ص 8، ج 3)

غربت و امارت کا یہ سنگم، یعنی صوفیہ صافیہ کا یہ طبقہ جہاں امراء و غرباء دونوں ایک حیثیت سے حاضر ہوتے تھے۔ اس نظم سے خوب حاجتمند مسلمانوں کی کتنی حاجت روائیاں ہوتی تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ اور ان دنوں ہندوستان کا شاید ہی کوئی صوبہ کوئی علاقہ ایسا ہوگا، جہاں

توخذ من اغنیائهم و تقسم علی فقرائهم۔

"امیروں سے ان کے لیا جائے اور غریبوں پر بانٹ دیا جائے"۔

کے نبوی فرمان کی تعمیل میں ارباب صدق و صفا کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا۔ خصوصاً جن بزرگوں کو کسی خاص وجہ سے امراء اور ارباب ثروت پر اثر قائم ہو جاتا تھا۔ یوں سمجھے کہ غرباء کی قسمت جاگ اٹھتی تھی۔

(ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ص 217 تا 220)

شاہ بھیک کی خانقاہ میں ہزاروں غریبوں کی پرورش

یہ شاہ بھیک قدس سرہ جن کا اصل نام سید محمد سعید تھا۔ حضرت شاہ ابوالمعالی (انبیٹھا) سہارنپور کے ارشد خلفاء میں ہیں۔ بہادر شاہ کے انتقال کے بعد جب معزالدین

جہاندار شاہ دلی کے تخت پر قابض ہوگیا' تو اس زمانہ کا ایک امیر ظفر خان حضرت سے مشورہ گیر ہوا کہ جہاندار شاہ کے مقابلہ میں فرخ سیر جو اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ میں کس کا ساتھ دوں' آپ نے فرخ سیر کی رفاقت کا ع مشورہ دیا۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ فرخ سیر سے جاملا۔ جیسا کہ معلوم ہے قسمت نے دلی کے تخت کا فیصلہ فرخ سیر کے لیے کیا۔ ظفر خان کی بن آئی اور نواب روشن الدولہ ظفر خان کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ سہ ہزاری کا منصب بخشی گیری کا عہدہ فرخ سیر کی طرف سے ان کو عطا ہوا۔ چونکہ یہ کامیابی حضرت والا کے مشورہ کی راہ سے روشن الدولہ کو حاصل ہوئی تھی۔ قدرتاً وہ شاہ بھیک صاحب کے انتہائی عقیدت کیشوں میں تھا اور نواب روشن الدولہ کی وجہ سے فرخ سیر خود اور اس کے دربار کے امراء حضرت کے معتقدوں میں شریک ہوگئے۔ ان کے تذکرہ میں جس کا نام "ثمرۃ الفوائد" ہے اور ان کے براہ راست مرید مولوی محمد لطف اللہ مرحوم کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں حضرت شاہ بھیک کے داد و دہش کے قصوں کی ایک طویل فہرست درج ہے۔ مولوی لطف اللہ نے لکھا ہے۔ حضرت کی خانقاہ میں ذاکرین و شاغلین کی تعداد "پانصد کس دراوائل حال بدائرہ (خانقاہ) شریف ..... بیاد الٰہی مشغول می بودند"۔ ان کے سوا "ہمیں قدر مجمع صادر و وارد ہر روز تا ہزار کس بودہ باشد" (ص 172) اور دونوں وقت انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کو حضرت کی خانقاہ سے کھانا پہنچایا جاتا تھا۔

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ روشن الدولہ خود حضرت والا کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا کہ حضرت کی خانقاہ کی شاندار عمارت تعمیر کرائے۔ اپنے ساتھ مبلغ ہفتاد ہزار روپیہ بجہت روضہ شریفہ آوردہ" اور عرض گزار ہوا کہ "ایں قدر زر را ہمراہ آوردہ انچہ دیگر مطلوب خواہد باشد طلبیدہ می شود"۔

شاہ بھیک نے روشن الدولہ سے یہ سن کر فرمایا کہ:

بالفعل مبلغ رایک جاجمع دارند شما آرام کنید بوقت سہ پہر آں نمودہ معماراں را طلبیدہ شروع عمارت کردہ خواہد شد۔

روشن الدولہ ستر ہزار کی ان تھیلیوں کو حضرت کے پاس چھوڑ کر اپنی بارگاہ کی طرف آرام کے لیے چلا گیا۔ ادھر شاہ بھیک صاحب نے

"درویشاں را طلبیدہ زر مذکور خانہ بخانہ بیوہ زناں و محتاجاں و مسکیناں ساکنان انبالہ و تھانیسر و سرہند و پانی پت وغیرہ تقسیم نمودند کہ یک حبہ باقی نگذاشتند"۔ (ص 119)

روشن الدولہ بیچارہ سہ پہر کے وقت حاضر ہوتا ہے اور آپ فرماتے ہیں:

"بناء خانقاہ راچہ قبولیت شدہ کہ بچندیں گوشہ نشیناں و محتاجاں رسیدہ..... مانقیر را عمارت عالی چہ کارست"۔

روشن الدولہ نے یہ سن کر عرض کیا: "بسیار مستحسن و بجاشد خزانہ دیگر ہم موجود است"۔

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ:

"روزے قاصد مرسلہ بادشاہ محمد فرخ سیر و نواب روشن الدولہ و نواب عبداللہ خان مع عرائض و ہنڈیات مبلغ سہ لک روپیہ رسید"۔

شاہ صاحب کو خبر ہوئی۔ ارشاد ہوا کہ حسب استحقاق لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے

"بموجب امر عالی قصبہ پانی پت و رام پور و کرنال و انبیٹھ و گنگوہ وغیرہ قسمت نمودہ"۔ (ص 119)

اسی میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ بھیک کا

"معمول چناں بود کہ در سفر و حضر تا نصف اللیل دروازہ بازمی ماند و سائلے کہ می آمد محروم نمی رفت از نقد و جنس و طعام و پارچہ ہرچہ میسر و موجود بودے انعام می فرمودے"۔ (ص 118)

اس کتاب میں آپ کے داد و دہش اور عام بذل و کرم کے جو قصے درج ہیں اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل مضمون بن سکتا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کتنی بیوہ عورتوں کی لڑکیوں کی شادیاں حضرت نے کرائیں۔ کتنوں کو ان امیروں کے پاس نوکریاں دلوائیں۔ کتنے مظلوموں کو ظالم حکام کے پنجوں سے اپنے اثر سے کام لے کر آپ نے خلاصی دلوائی۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ کسی ایک شخص کا حال نہ تھا' ان بزرگوں کے دیگر مشاغل و مکاسب میں ایک اہم چیز یہ بھی تھی۔ ان ہی دنوں میں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے شیخ سیف الدین بن عروۃ الوثقی شیخ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ تھے' جن کا قیام عموماً دلی میں رہتا تھا' لکھا ہے کہ:

"محمد اورنگ زیب و شاہزادگان و امراء را بخدمت ایشاں ارادتے پیدا شد در امر معروف و نہی منکر کوشش بلیغ می داشتند"۔

لیکن امراء کی ارادت سے جو نفع اٹھایا جاتا تھا وہ یہ تھا کہ:

"یک ہزار و چہار صد کس را موافق رغبت و فرمائش ہریک از خانقاہ ایشاں ہر روز دو وقت طعام عنایت می شد"۔ (مناقب العارفین)

شاہ بولن کی خانقاہ میں فقراء کے لیے عام کھانا

ایک دلچسپ کہیے یا دل دوز واقعہ اسی سلسلہ کا یہ ہے کہ تیرہویں صدی کے ایک بزرگ جن کا عرفی اور مشہور نام شاہ بولن تھا، سوارہ کے رہنے والے تھے۔ صاحب مناقب العارفین جوان کے دیکھنے والوں میں ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

"در خانقاہ خود وارد و صادر را طعام می دادند' گویا لنگرخانہ وے حضرت سفرہ عام بود چہ دشمن و چہ دوست دریغ نمی داشتند"۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں غدر کا فتنہ ہندوستان میں شروع ہوا' لیکن اس زمانہ میں بھی شاہ بولن کا لنگر خانہ جاری رہا۔ اسی کتاب میں ہے:

"درایام غدر ہندی در لنگر خانہ وے حضرت دوست و دشمن می آمدند و طعام می خوردند و می رفتند"

انگریزی حکومت اور اس کے ارباب حل و عقد اسلامی فقراء کے اس طرز عمل سے واقف نہ تھے۔ ان تک یہ خبر پہنچی کہ شاہ بولن نامی فقیر سرکار کے باغیوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ حالانکہ ان بیچارے کو کیا خبر کہ کون باغی ہے اور کون غیر باغی۔ بقول صاحب مناقب "وے حضرت باکسے حاجتے و کارے ندا شتند" لیکن حکومت کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ امیروں سے لے کر مفت غریبوں میں کھانا بلاوجہ تقسیم کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ شاہ صاحب پر بھی بغاوت کا مقدمہ قائم ہوا' اور

"بجرم آں کہ دشمنان حاکم را مدارات می کردند و طعام می دادند ..... باعث گرفتاری و رسانید وے حضرت در جزیرہ مذکور (انڈمان) شدہ بود۔ (مناقب' ص 547)

گزرا اور' زندگی کا آخری حصہ عبور دریائے شور کی اسی سزا کی وجہ سے انڈمان ہی میں

"در جزیرہ انڈمان مدفون گشتند"

ہر شخص کی رغبت اور فرمائش کے مطابق ہزار ہزار چودہ چودہ سو آدمیوں کو روزانہ کھانا کھلانا کیا کوئی معمولی بات ہے' لیکن وہ بیٹھے اسی لیے تھے کہ منجملہ دیگر مہمات کے ایک مہم ان غریبوں تک روزی پہنچانے میں ذریعہ بننا بھی تھا۔

اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے نمونے **تکسب المعدوم و تحمل الکل و تعین الاخرق**۔ کی اتباع میں ان کی جو لذت ملتی تھی' درد نا آشنا قلوب اس کی حلاوتوں کو کیا محسوس کر سکتے ہیں۔ 2

۲۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت' ص 223 تا 224' طبع حیدر آباد دکن

پیر جماعت علی شاہ اور عام جود و سخا

انسانی اخلاق و کمالات میں غنا اور جود و سخا ایک خدائی صفت ہے جو اللہ کریم اپنے محبوب اور خاص بندوں کو عنایت فرمایا کرتا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری میں جود و کرم کا وصف کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ زندگی بھر کچھ جمع کر کے نہیں رکھا حتیٰ کہ ترکہ صرف دو روپے چھوڑے اور یہ بھی شیروانی کی جیب میں شاید بھولے سے رہ گئے ہوں گے۔ جو کچھ آتا راہ خدا میں خلق خدا پر خرچ کر دیتے تھے۔ فرماتے تھے "قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے "انفقوا" (خرچ کرو) فرمایا ہے۔ "اجمعوا" (جمع کرو) کا حکم نہیں دیا" ساری عمر شرعی طور پر نہ زکوٰۃ فرض ہوئی نہ حج (سیرت امیر ملت ص ۹۱ ۔ ۹۲) کبھی سائل کو رد نہ فرمایا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات قرض لے کر بھی سائل کی حاجت کو پورا کرتے۔ متعلقین اس پر اعتراض کرتے تو فرماتے "یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے ان کو میرے پاس بھیجا ہے" روزانہ سینکڑوں اور عرس کے موقعہ پر ہزاروں لوگ لنگر میں مہمان ہوتے۔ مہانوں کو کھلا کر خوش ہوتے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ کھانے کی ترغیب دیتے رہتے۔

اپنے وطن میں تو یہ جود و کرم کا سلسلہ دن رات چلتا ہی رہتا تھا۔ اپنے پرائے سب مستفیض ہوتے تھے۔ جب کبھی حج و زیارت کے سلسلہ میں حرمین شریفین جانا ہوتا تو اس دریائے جود و کرم میں طغیانی آجاتی۔ سیرت امیر ملت میں اہل مدینہ کی خدمت کے عنوان کے ماتحت صاحبزادہ سید اختر حسین شاہ صاحب نے لکھا ہے

اہل مدینہ کی خدمت

جب مدینہ شریف قریب آجاتا تو حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کا چہرہ مبارک ہشاش بشاش نظر آنے لگتا۔ سب ساتھیوں سے ارشاد ہوتا "اب وقت آگیا ہے خوب تقسیم کرو۔ بہت اجر ملے گا۔" یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایے ہیں۔ یہ بہت مستحق ہیں۔ ہم ان کی خدمت کے لئے ہی آتے ہیں۔ ہر روز یہ موقع کہاں نصیب ہوتا ہے۔" خود بھی اتنا دیتے کہ لوگ لیتے لیتے تھک جاتے۔ حضرت قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے اتباع میں ہمراہی بھی کھلے دل سے خرچ کرتے تو آپ بہت خوش ہوتے۔ جو کوئی جتنا زیادہ خرچ کرتا اسے اتناہی زیادہ شاباش دیتے۔ اور فرماتے "ڈرومت کھلے دل سے خرچ کرو۔ مجھے یہاں سے قرض مل جاتا ہے میں یہاں سے لے کر دے دوں گا۔"

مدینہ منورہ میں تو خصوصا حضرت قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کا دروازہ ہر کہ ومہ کے لئے چوبیس گھنٹے کھلا رہتا۔ جو شخص خدمت والا میں حاضر ہوتا اسے خالی ہاتھ نہ جانے دیتے۔ اس کی توقع سے زیادہ عطا فرماتے۔ تاکہ اہل مدینہ کی خوشنودی حاصل ہو۔ عوام میں مشہور تھا کہ حضرت کے علاوہ کوئی بادشاہ بھی یہاں آکر اس طرح اپنا دروازہ ہر وقت کھلا نہیں رکھ سکتا۔ شاہی خزانہ بھی ختم ہو جائے اور وہ کنگال ہو جائے۔ مدینہ شریف میں آپ کا قیام عموما کئی ہفتے اور کئی مہینے تک طویل ہوتا تھا۔ سائلین کا ہجوم شب وروز یکساں رہتا اور آپ کا ہاتھ بھی کبھی نہ رکتا۔ اگر کوئی کہہ دیتا کہ یہ سائل تو ابھی لے کر گیا تھا۔ تو آپ فرماتے "ہمارے پاس کونسی کمی آگئی ہے۔" اس کو اور زیادہ دو شاید اسکی زیادہ ضرورت ہو۔" اسلئے دوبارہ آیا ہے۔"

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں مہر حاکم دین صاحب رحمتہ اللہ علیہ حاضر خدمت تھے۔ سائلوں کا بڑا ہجوم ہوا تو اٹھ کر جانے لگے تو آپ نے فرمایا" مہر جی بیٹھو۔" مہر صاحب نے عرض کیا "یہ اجاڑہ میں نہیں دیکھ سکتا۔" فرمایا " مہر جی انکو اللہ تعالی بھیجتا

ہے ۔ میں بلانے نہیں جاتا ۔ یہ اسکا فضل وکرم ہے کہ اسنے انکو میرے پاس بھیجا ہے ۔ اگر وہ مجھے انکے پاس بھیجنا چاہتا تو اس کیلئے یہ بھی بعید نہ تھا ۔"

ماسٹر نواب دین صاحب لکھ پتی آدمی تھے ایک دن مدینہ شریف میں انہوں نے خیال کیا کا آج میں بھی حضرت کی طرح تقسیم کروں گا ۔ حضرت قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں مساکین آئے تو ایک بار تو انہوں نے بھی حضور کے برابر ہی انکو دیا کمرہ پھر دوسری دفعہ بھر گیا تو اب کے ماسٹر صاحب نے حضرت سے ایک ایک روپیہ کم کر دیا ۔ یہ جماعت رخصت ہوئی تو کمرہ پھر بھر گیا حضور تو معمول کے مطابق اب بھی سب کو مساوی تقسیم فرماتے رہے ماسٹر صاحب نے اب کے دو دو روپے کم کر دیئے ۔ اور اسکے بعد اٹھ کر چلنے لگے ۔ حضور نے فرمایا "ماسٹر جی آپ تو لکھ پتی ہیں ۔ سید کا ایک رگڑا تو برداشت کرتے ۔" ماسٹر صاحب نے عرض کیا "ہم تو دنیا دار لوگ ہیں ۔ آپ کا ہاتھ خدائی خزانے میں ہے ۔"

حاجی بشیر احمد ولد حاجی مہر حاکم دین صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا سب روپیہ لا کر قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیا ۔ آپ نے اس وقت سب کا سب روپیہ ایک ہی آدمی کو عطا فرما دیا اور مجھ سے کہا "کہ حاجی بشیر احمد کو جتنی ضرورت پڑے دیتے رہو ۔ انھیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے ۔" آپ فرماتے تھے کہ آج تک جتنے آدمی میرے ساتھ حج کو آئے ہیں ' ان میں سے دو افراد ایک بخشی مصطفٰی علی خان صاحب اور دوسرے مہر حاکم دین صاحب نے بادشاہوں سے زیادہ خرچ کیا ہے ۔"

سیرت امیر ملت از صاحبزادہ سید اختر حسین شاہ ر پروفیسر طاہر فاروقی (ص ۲۴ ۔ ۲۵ مطبوعہ علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ ۱۹۹۱ء)

فہرست مآخذ و مراجع

۱۔ قرآن مجید

۲۔ الجامع الصحیح للامام بخاری م ۲۵۶ ھ طبع کرزن پریس دہلی ر سعید کمپنی کراچی

۳۔ الجامع الصحیح للامام مسلم م ۲۶۱ ھ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی

۴۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ للقاضی عیاض م ۵۴۴ ھ طبع مصر

۵۔ الہدایہ و النہایہ لابن کثیر م ۷۷۴ ھ (اردو ترجمہ) طبع نفیس اکیڈمی کراچی

۶۔ الموافقات للامام الشاطبی م ۷۹۰ ھ (اردو) طبع دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور ۱۹۹۳ء

۷۔ الطبقات الکبریٰ المسماۃ بلواقح الانوار فی طبقات الاخیار للامام عبدالوہاب الشعرانی طبع مصر ۱۳۷۳ ھ، ۱۹۵۴ء

۸۔ الفرق بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان للامام ابن تیمیہ مطبع محمدی لاہور

۹۔ احیاء علوم الدین للامام غزالی م ۵۰۵ ھ طبع قاہرہ ۱۹۶۷ء

۱۰۔ اسرار الاولیاء (ملفوظات باوا فریدالدین گنج شکر م ۶۶۴ ھ) مرتبہ حضرت بدر اسحاق طبع نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۱ء

۱۱۔ انیس الارواح (ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی م ۶۰۷ ھ) مرتبہ خواجہ غریب نواز اجمیری م ۶۳۳ ھ مطبوعہ اللہ والے کی قومی دوکان لاہور

۱۲۔ افضل الفوائد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء) مرتبہ امیرخسرو (اردو ترجمہ) مطبوعہ اللہ والے کی قومی دوکان کشمیری بازار لاہور

۱۳۔ اخبار الاخیار مؤلفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی م ۱۰۵۲ ھ (مترجم) مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

۱۴۔ انفاس العارفین مؤلفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (مترجم) نوری بکڈپو لاہور ۱۹۷۷ء

۱۵۔ اقبال کے محبوب صوفیہ مؤلفہ مولانا اعجاز الحق قدوسی، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۷۶ء

۱۶۔ التکشف عن مہمات التصوف مؤلفہ مولانا اشرف علی تھانوی مطبوعہ سجاد پبلیشرز پیسہ اخبار لاہور ۱۹۶۰ء

۱۷۔ آب کوثر مؤلفہ شیخ محمد اکرام مطبوعہ فیروز سنز لاہور

۱۸۔ انوار قمریہ (ملفوظات شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین سیالوی مرتبہ قاری غلام احمد پہلا ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۹۱ء

۱۹۔ اخلاق صالحین اردو ترجمہ تنبیہ المغترین للامام عبدالوہاب الشعرانی مطبوعہ شعاع ادب لاہور

۲۰۔ اسلام کی زندہ تحریک چشتیت مؤلفہ عبدالغفور غوری، مطبوعہ بارگاہ ادب اکبر روڈ کراچی

۲۱۔ بزم صوفیہ از سید صباح الدین عبدالرحمٰن مطبوعہ اعظم گڑھ انڈیا ۱۹۴۹ء

۲۲۔ تاریخ بغداد للحافظ ابی بکر احمد بن علی الخطیب بغدادی م ۴۶۳ھ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۴۹ھ، ۱۹۳۱ء

۲۳۔ تذکرۃ الاولیاء مؤلفہ شیخ فریدالدین عطار م ۶۲۷ھ (اردو ترجمہ) مطبوعہ فرید مبین ناظم آباد کراچی

۲۴۔ تاریخ مشائخ چشت از پروفیسر خلیق احمد نظامی مطبوعہ دارالمؤلفین اسلام آباد ر ادارہ ادبیات دلی

۲۵۔ تاریخ دعوت و عزیمت از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی طبع لکھنؤ ۱۹۶۳ء

۲۶۔ تذکرہ خواجہ گیسودراز مرتبہ اقبال الدین احمد طبع اقبال پبلشرز حیدر آباد کالونی کراچی ۱۹۶۶ء

۲۷۔ تاریخ فیروز شاہی (اردو ترجمہ) از مولانا ضیاء الدین برنی، مرکزی اردو بورڈ لاہور

۲۸۔ تذکرہ خواجگان تونسوی از پروفیسر افتخار احمد چشتی، چشتیہ اکیڈمی فیصل آباد ۱۹۸۵ء

۲۹۔ تفسیر کبیر للامام رازی (م ۶۰۶ھ) طبع مصر ۱۹۳۸ء ر ۱۳۷۵ھ

۳۰۔ تاریخ طبری لابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) طبع مصر ۱۹۶۲ء

۳۱۔ تاریخ تصوف از پروفیسر یوسف سلیم چشتی طبع علماء اکیڈمی لاہور

۳۲۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب مؤلفہ مولانا اعجاز الحق قدوسی، مطبوعہ ترقی اردو پاکستان ۱۹۶۲ء

۳۳۔ تحفہ سعدیہ (حضرت ابوالسعد احمد خان، خانقاہ سراجیہ کندیاں کے احوال و اقوال) مؤلفہ مرزا نذیر عرشی مطبوعہ ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور ۱۹۷۳ء

۳۴۔ تذکرہ توکلیہ (سوانح سائیں توکل شاہ انبالوی) مؤلفہ نوراحمد نور، مطبوعہ انبالہ ۱۳۱۸ھ

۳۵۔ تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی مؤلفہ سید ابوالحسن علی ندوی مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۷۷ء

۳۶۔ جامع ترمذی للامام ابوعیسیٰ ترمذی م ۲۷۹ھ طبع نور محمد کراچی

۳۷۔ چشتی تعلیمات از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور

۳۸۔ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ) مطبوعہ مصر ۱۹۳۸ء

۳۹۔ حقائق عن التصوف للشیخ عبدالقادر عیسیٰ مطبوعہ ناروے انگلینڈ

۴۰۔ حالات و مقالات صوفیہ مرتبہ محمد ادریس الانصاری ، مطبوعہ صادق آباد پاکستان ۱۹۷۴ء

۴۱۔ خیر المجالس (ملفوظات خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی م ۷۵۷ء) اردو ، ترجمہ مطبوعہ واحد بکڈپو کراچی

۴۲۔ خزینہ معرفت (تذکرہ میاں شیر محمد شرقپوری) مؤلفہ صوفی محمد ابراہیم قصوری مطبوعہ شرقپور شریف

۴۳۔ خزینۃ الاصفیاء (مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوری (اردو ترجمہ) مکتبہ المعارف گنج بخش روڈ لاہور

۴۴۔ دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ غریب نواز اجمیری) مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی مطبوعہ اللہ والے کی قومی دوکان ، لاہور

۴۵۔ رسالہ قشیریہ مؤلفہ امام ابو القاسم قشیری م ۴۶۵ ھ (اردو ترجمہ) ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

۴۶۔ راحت المحبین (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء مرتبہ امیر خسرو (اردو ترجمہ) طبع دہلی ۱۳۲۴ھ

۴۷۔ رسالۃ المسترشدین للمحاسبی (حارث بن اسد محاسبی م ۲۴۳ ھ) طبع ثانی بیروت ۱۳۹۱ھ ۱۹۷۱ء

۴۸۔ ریاض الصالحین للامام یحییٰ بن شرف نووی م ۶۷۶ھ ، طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور ۱۹۸۱ء

۴۹۔ رود کوثر از شیخ محمد اکرام مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۱۹۷۰ء

۵۰۔ راحۃ القلوب (ملفوظات بابا فرید الدین گنج شکر) مرتبہ حضرت محبوب الٰہی مطبوعہ اللہ والے کی قومی دوکان ، لاہور

۵۱۔ رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام (عربی) از سید ابوالحسن علی ندوی طبع دمشق ۱۹۶۵ء

۵۲۔ سیر الاقطاب (اردو) از حضرت المہدیہ بن شیخ عبدالرحیم (م گیارہویں صدی ہجری) طبع نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۲ء

۵۳۔ سنن ابن ماجہ للامام ابوعبداللہ محمد بن فرید ماجہ م ۲۷۵ ھ طبع دہلی

۵۴۔ سیرت نبویہ برحاشیہ سیرت حلبیہ از سید احمد زینی دحلان ، طبع مصر ۱۳۳۰ھ

۵۵۔ سیراعلام النبلاء للذہبی (حافظ شمس الدین ذہبی م ۷۴۲ھ) طبع بیروت ۱۹۸۸ء/۱۴۰۹ھ

۵۶۔ سیرالاولیاء (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء) مرتبہ امیر خورد کرمانی مطبوعہ ککیے زئی تاجران

کتب لاہور
۵۷۔ سیر العارفین موء لفہ حامد بن فضل اللہ جمالی (اردو ترجمہ) مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۶ء
۵۸۔ سلطان نیروی کی پاکیزہ زندگی از صاحبزادہ سید آصف علی ظہوری کرم پبلیکیشنز لاہور
۵۹۔ سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۷۷ء
۶۰۔ سیرت امیر ملت از صاحبزادہ اختر حسین شاہ و پروفیسر طاہر فاروقی مطبوعہ علی پور سیالکوٹ
۶۱۔ شرح عقائد نسفی مع شرح نبراس مطبوعہ کشمیری بازار لاہور
۶۲۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور انکی تعلیمات از اعجاز الحق قدسی طبع ایجوکیشنل ریسرچ کراچی ۱۹۶۱
۶۳۔ شذرات الذھب فی اخبار من ذھب لعبدالحی بن العماد الحنبلی م ۱۰۸۹ھ قاہرہ ۱۳۵۰ء
۶۴۔ عوارف المعارف از عبدالقاہر بن عبداللہ سہروردی طبع بیروت لبنان ۱۹۶۶ء
۶۵۔ فوائد الفواد (ملفوظات خاجہ نظام الدین اولیاء م ۷۲۵ھ مرتبہ از حسن علاء سحجذی م ۷۳۶ھ (اردو) علماء اکیڈمی لاہور ۱۹۸۵ء
۶۶۔ فخر الطالبین (ملفوظات شاہ فخر الدین دہلوی م ۱۱۹۹ء) مرتبہ سید نورالدین حسین (اردو) طبع سلمان اکیڈمی کراچی
۶۷۔ فوائد السالکین (ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی م ۶۵۳ھ م) مرتبہ باوا صاحب طبع دہلی ۱۳۲۴ھ
۶۸۔ قلادۃ الجواہر فی ذکر الغوث الرفاعی و اتباعہ الاکابر از سید محمد ابی الہدی افندی الرفاعی طبع بیروت ۱۴۰۰ھ، ۱۹۸۰ء
۶۹۔ کشف المحجوب مؤلفہ حضرت داتا گنج بخش م ۴۶۰ھ (اردو ترجمہ) مطبوعہ فیروز سنز لاہور
۷۰۔ کتاب اللمع فی التصوف مؤلفہ ابو نصر سراج طوسی م ۳۷۸ھ (اردو ترجمہ) ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۸۶ء
۷۱۔ کمالات امدادیہ (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی م ۱۳۱۷ھ کے کمالات) مرتبہ حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی مکتبہ الفرقان گوالمنڈی لاہور
۷۲۔ کنز العمال للامام علی متقی ہندی طبع قدیم حیدر آباد دکن
۷۳۔ کیمیائے سعادت مؤلفہ امام غزالی (اردو ترجمہ) مطبوعہ شیخ غلام علی لاہور

۷۴۔ مناقب المحبوبین موء لفہ حاجی نجم الدین سلیمانی (اردو ترجمہ) مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۷ء

۷۵۔ مرآۃ الاسرار مؤلفہ شیخ عبدالرحمن چشتی م ۱۰۹۴ھ (اردو ترجمہ) مطبوعہ صوفی فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۲ء

۷۶۔ مناقب فخریہ (حالات شاہ فخرالدین دہلوی م ۱۱۹۹ھ) مرتبہ غازی الدین خان (اردو ترجمہ) طبع سلمان اکیڈمی کراچی

۷۷۔ محبوب سیال (تذکرہ خواجہ محمد دین سیالوی) مرتبہ غلام دستگیر خان بے خود مطبوعہ مطبع مفید عام

۷۸۔ مشکوۃ المصابیح لولی الدین ابوعبداللہ الخطیب م ۷۳۷ھ، طبع سعید کمپنی کراچی

۷۹۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ لملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) طبع ملتان

۸۰۔ مجموعہ ملفوظات خواجگان (اردو ترجمہ) از مولانا غلام احمد خان سلمانی، مطبوعہ دہلی ۱۳۲۴ھ

۸۱۔ مخزن اخلاق مؤلفہ مولانا رحمت اللہ لدھیانوی

۸۲۔ ماہنامہ فاران کراچی شمارہ جنوری ۱۹۸۹ء

۸۳۔ ماہنامہ جامعہ الرشاد (اعظم گڑھ انڈیا) شمارہ دسمبر ۱۹۸۶ء

۸۴۔ ماہنامہ ضیائے حرم بھیرہ ضلع سرگودھا شیخ الاسلام نمبر شمارہ ذی الحج ۱۴۰۱ر اکتوبر ۱۹۸۱ء

۸۵۔ مہر منیر سوانح پیر مہر علی شاہ گولڑوی از مولانا فیض احمد فیض مطبوعہ انٹرنیشنل پرنٹر لاہور ۱۹۶۹ء

۸۶۔ نافع السالکین (ملفوظات خواجہ شاہ سلمان تونسوی م ۱۲۶۷ھ) مرتبہ امام الدین (اردو) مطبوعہ شعاع ادب لاہور

۸۷۔ البساتین (اردو ترجمہ روضتہ الریاحین) لامام ابی محمد عبداللہ یمنی یافعی مطبوعہ سعید کمپنی کراچی ۱۹۶۷ء

۸۸۔ وفیات الاعیان لابن خلکان م ۶۸۱ھ مطبوعہ مکتبہ نہضہ مصر ۱۹۴۸ء

۸۹۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت مؤلفہ مولانا مناظر احسن گیلانی طبع حیدر آباد دکن ۱۹۴۴ء

۹۰۔ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں موء لفہ سید صباح الدین عبدالرحمن مطبوعہ اعظم گڑھ انڈیا ۱۹۶۸ء

مؤلف کی دیگر تالیفات و تراجم

- غریبوں کا والی صلی اللہ علیہ وسلم ([illegible])
- نفاذ شریعت میں تدریج
- رشوت ۔ ایک لعنت
- جہیز کی شرعی حیثیت
- اردو ترجمہ بدائع الصنائع للکاسانی جلد چہارم
- بنیادی ضروریات زندگی اور اسلام (زیر طبع)
- نبی اکرم کی گھریلو زندگی (زیر ترتیب)
- اسلاف اور شغف بالقرآن (زیر ترتیب)

مؤلف کی دیگر تالیفات و تراجم

- غریبوں کا والی صلی اللہ علیہ وسلم ([illegible])
- نفاذ شریعت میں تدریج
- رشوت ۔ ایک لعنت
- جہیز کی شرعی حیثیت
- اردو ترجمہ بدائع الصنائع للکاسانی جلد چہارم
- بنیادی ضروریات زندگی اور اسلام (زیر طبع)
- نبی اکرم کی گھریلو زندگی (زیر ترتیب)
- اسلاف اور شغف بالقرآن (زیر ترتیب)